الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

قرع

عبداللہ

(اک بندۂ خدا)

سوانح حیات

بحرالعلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

سابق پروفیسر و صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

تالیف

مولوی ابوالفیض محمد انوارالدین صدیقی انوارؔ

خلیفہ و صاحبزادہ بحرالعلوم

باہتمام: محمد عباس علمبردار صدیقی ، مخدوم حبیب اللہ صدیقی

ناشرین

حسرت اکیڈیمی صدیق گلشن نزد پرانا پل حیدرآباد

الاہذکر الصالحین تنزل البرکۃ

قرع

عبداللہ

(اک بندۂ خدا)

سوانحِ حیات

بحرالعلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

سابق پروفیسر وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

تالیف

مولوی ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی انوؔار

خلیفہ و نبسۂ بحرالعلوم

باہتمام: محمد عباس علمبردار صدیقی / مخدوم حبیب اللہ صدیقی

ناشرین

حسرت اکیڈیمی صدیق گلشن نزدِ پرانا پُل حیدرآباد

طباعت دوم (جملہ حقوق محفوظ) (۵۰۰)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب : عبداللہ (اک بندۂ خدا)
سوانح حیات بحرالعلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت
فن : سوانح
تالیف : مولوی ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی انوار
سائز : ۱/۸ کراون
صفحات : ۶۶۰ (۶۴۴ اور ۱۶ صفحات تصاویر)
اشاعت دوم : ۵۰۰ (جنوری ۲۰۱۴)
کمپیوٹر کمپوزنگ : شیخ محمود علی
طباعت : فرینڈس پریس نزد نیلوفر ہاسپٹل ریڈ ہلز حیدرآباد
اہتمام : محمد عباس علمبردار صدیقی ، مخدوم حبیب اللہ صدیقی
ملنے کے پتے : ۱۔ دفتر حسرت اکیڈیمی صدیق گلشن حیدرآباد
۲۔ اسٹوڈنٹ بک ہاوس چارکمان ۔ حیدرآباد
۳۔ حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد
۴۔ دکن ٹریڈرس مغلپورہ حیدرآباد

(جملہ حقوق بحق ناشرین محفوظ)

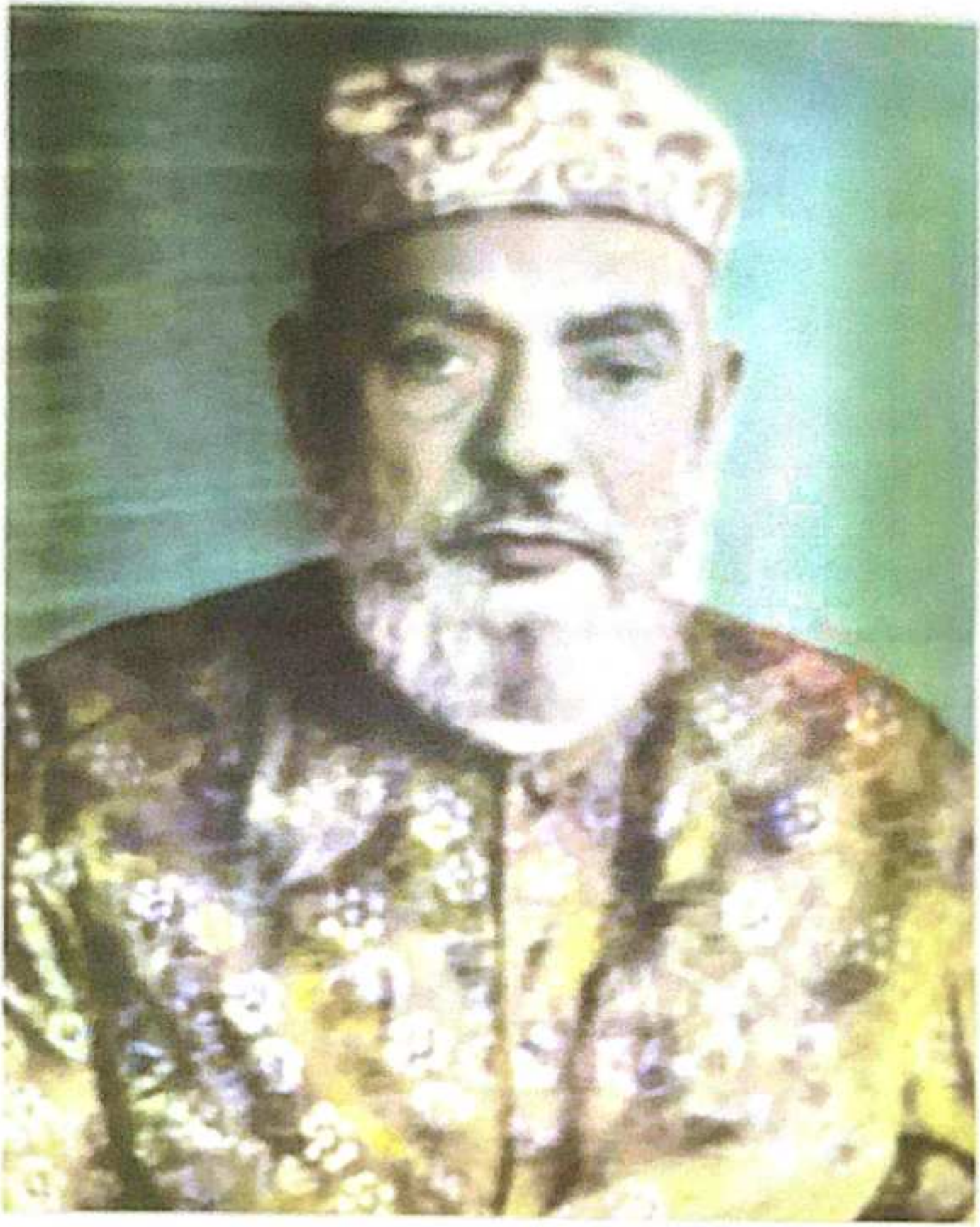

عرض ناشر

الحمد للّٰہ بنعمتہ تتم الصالحات و علی نبیہ افضل الصلوات والتسلیمات و علی اھل بیتہ الطیبین والطاھرات وعلی اصحابہ ومن تبعھم باحسان الی یوم لاریب فیہ ۔ و ان ذکر الصالحین کفارۃ ۔

اما بعد :

برادر مکرم مولوی محمد انوار الدین صدیقی رحمتہ اللہ علیہ نے بحرالعلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات بنام عبداللہ (یعنی اک بندۂ خدا) تحریر فرمائی تھی ۔ مرحوم نے اپنے سفر حج سے قبل اس کتاب کی اشاعت کا کام میرے ذمہ اس اندیشہ سے کردیا تھا کہ اگر وہ بحیات نہ رہیں تو اس ذمہ داری کو میں پورا کروں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اور آپ کا انتقال حج کی ادائیگی کے فوری بعد مکہ مکرمہ میں ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور وہیں جنت المعلاۃ میں تدفین عمل میں آئی ۔ وذلک فضل اللّٰہ ۔

مرحوم کے وارثین اور وابستگان نے ان کے منشاء کے مطابق یہ کام میرے ہی سپرد کردیا ۔ میں نے بعد مشورہ اس کتاب کو کمپیوٹر پر تحریر کروایا اور سائز میں بھی تبدیلی کی ۔ میں نے ایک چار رکنی کمیٹی بھی تشکیل دی جو ان اصحاب پر مشتمل تھی (۱) جناب محمد اعظم الدین صدیقی (۲) جناب مصطفےٰ عتیق الدین صدیقی (۳) جناب محمد عبدالکریم صدیقی اور (۴) محمد عباس علمبردار صدیقی ۔ اس کمیٹی کے ارکان نے کتابت کی غلطیوں کا ازالہ کیا اور ہر زاویہ سے اس کتاب کو تعمق نظر سے دیکھا کہ کہیں کوئی گوشہ ایسا نہ ہو کہ جو نقد و نظر میں کھٹکے ۔ الحمد للہ ایسی کوئی بات نہ پائی گئی ۔ پھر بھی کہیں کوئی سوء نظر یا سہو رہ گیا ہو تو میں اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں ۔

خاندانی اور بزرگانِ دین کے شجرہائے سلسلہ بھی شریک کئے گئے ۔ خاندانی شجروں کو حتی الامکان update کیا گیا ہے اور کچھ فوٹوز بھی شامل کئے گئے ہیں ۔ تصاویر کے لئے برادرزادگان نعمان اور ندیم کی خدمات لائق تشکر ہیں ۔

میں اُن تمام اصحاب کا شکرگزار ہوں جن کی محنت و کاوش کے نتیجہ میں یہ کتاب آپ کے سامنے پیش کی جاسکی ۔ اس ضخیم کتاب کی طباعت کے لئے ایک معتدبہ رقم درکار تھی جسے الحمد للہ مختلف حضرات نے اپنے مالی تعاون سے آسان کردیا ۔

فجزاھم اللّٰہ خیر الجزاء ۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مرحوم مؤلف کو ان کی اس تیس سالہ محنت کا صلہ دے اور ارشاد ذکر الصالحین کفارۃ کے طفیل ان کی خطاؤں کو درگزر فرما کر اپنے محبوبین میں مقام عطاء کرے ۔ آمین ۔

مخلص

محمد عباس علمبردار صدیقی

مہتمم

حسرت اکیڈیمی و کتب خانہ بحرالعلومؒ

صدیق گشن ۔ حیدرآباد دکن ۔ انڈیا

شوال ۱۴۲۵ھ نومبر ۲۰۰۴

فہرست کتاب ''عبداللہ'' سوانحِ بحرالعلومؒ

سلسلہ نشان	عنوانات	صفحہ
۱	مقدمہ	۵
۲	بحرالعلومؒ کا سلسلۂ نسب	۹
۳	بحرالعلومؒ کا ننھیال	۳۱
۴	حیات	۶۵
۵	بیعت اور رشد و ہدایت	۱۷۵
۶	اولاد و احفاد	۲۱۵
۷	علمی خدمات	۲۵۳
۸	خدمتِ قرآن	۲۵۶
۹	خدمتِ حدیث و فقہ	۳۱۸
۱۰	علمی مشاغل	۳۵۷
۱۱	زنانہ درس	۳۸۵
۱۲	سالانہ مواعظ	۳۹۱
۱۳	تخلیقاتِ شعری	۴۳۷
۱۴	اندازِ فکر اور نقطۂ نظر	۴۵۳
۱۵	امراء سے معاملت	۴۷۱
۱۶	نصائح و ہدایات	۴۷۹
۱۷	عام اہلِ غرض کے مسائل اور اُن کا مداوا	۴۸۷
۱۸	فنونِ حرب کی تعلیم	۵۰۹
۱۹	فنِ موسیقی کی تعلیم	۵۲۵
۲۰	اِرشاداتِ حکیمانہ	۵۳۵
۲۱	بحرالعلومؒ اربابِ دانش و بینش کی نظر میں	۵۵۱
۲۲	خاندانی شجرے	۵۶۱
۲۳	سلاسلِ بیعت	۶۱۷
۲۴	اسماء خلفاء بحرالعلوم	۶۴۱

مقدمہ

سوانح نگاری میں مسلمانوں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم کی حیات طیبہ کے سلسلہ میں سیرت نگاری کو بہت فروغ دیا جو سوانح نگاری کی اہم ترین شاخ ہے ۔ حضورؐ کے اخلاق و عادات کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کے غزوات کا تذکرہ بھی ضروری سمجھا گیا ۔ علمائے حدیث نے حدیث کی صحت کی تعیین کے لئے ہزاروں راویانِ حدیث کے حالات زندگی کو جمع کرنا شروع کیا اور ان کی پوری طرح چھان بین کی جو اصطلاحاً فن رجال کے نام سے موسوم ہے ۔ محض ناموروں کی سوانح لکھنے کا خیال شخصی حکومت کے زیر اثر پیدا ہوا ۔ عربی ادب میں بادشاہوں سے کہیں زیادہ ادیبوں ، عالموں ، طریقوں ، بخیلوں یہاں تک کہ اندھوں بہروں بلکہ مجانین کے مرقع تک کتابوں میں جگہ پاگئے ۔ قدیم اسلامی ادب میں تذکرہ نگاری کے فن کو اتنی ترقی ہوئی کہ تذکرہ بالآخر سوانح نگاری کی بیشتر شاخوں پر غالب آگیا ۔ نامور افراد کی سوانح عمریاں تیرھویں صدی عیسوی سے پہلے کم اور اس کے بعد زیادہ تعداد میں لکھی گئیں ۔ ان میں بادشاہوں کے علاوہ اولیاء و اصفیاء کی سوانح عمریاں بھی ہیں ۔ بادشاہوں کی سوانح عمریاں ، سوانح سے زیادہ تاریخ ہیں اور اولیاء و اصفیاء کی سوانح میں سوانح کم اور ان کے کرامات و خوارقِ عادات کا تذکرہ زیادہ ہے جو ملفوظات ، مناقب اور اقوال کی صورت میں ہے اور بحیثیت سوانح زیادہ لائقِ استفادہ نہیں ۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ہندوستان میں عیسائی مبلغین نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم اور مقدس ناورانِ اسلام کے حالاتِ زندگی اس انداز میں پیش کرنے شروع کئے جن کے پڑھنے سے آدمی کے ذہن میں اسلام کی حقانیت کے متعلق شبہات اور غلط فہمیاں پیدا ہوں ۔ اس زمانہ کی عیسائی اور ہندو تاریخ نگاری کی اصلی روح دراصل یہی ہے ۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ مسلمان مفکرین میں تاریخ نگاری اور سوانح نگاری کی ایک جوابی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ سر سید احمد خان کی کتاب خطبات احمدیہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے سر سید کے دور کے سب سے بڑے سوانح نگار مولانا شبلی اور مولانا حالی تھے ۔ ان کے علاوہ جن لوگوں نے سوانح عمریاں لکھی ہیں ان میں ذکاء اللہ ، نذیر احمد ، چراغ علی اور عبدالحلیم شررؔ کے نام لئے جاسکتے ہیں ۔ ذکاء اللہ کا سارا سوانحی کام ملکہ وکٹوریہ کی سوانح حیات تک محدود ہے ۔ نذیر احمد اور چراغ علی کی سوانح عمریاں محض مناظرانہ ہیں ۔ البتہ شررؔ کی سوانح عمریوں میں نصب العین سوانحی ضرور ہے مگر وہ خالص سوانح نگار نہیں ہیں ۔ کیونکہ موضوعات کی بھرمار نے ان کو مختصر لکھنے اور زیادہ سے زیادہ موضوعات کا احاطہ کرنے کی طرف مائل کردیا تھا ۔ البتہ ان کے خاکے ضرور قابلِ توجہ اور عمدہ ہیں ۔

اردو میں شبلی اور حالی کے زیر اثر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں دار المصنفین کا سلسلہ ناورانِ اسلام یعنی صحابہ تابعین وغیرہ کی سوانح کا سلسلہ بڑا اہم ہے مرزا حیرتؔ اور عبدالرزاق بھی قابلِ ذکر ہیں جن پر شبلی اور حالی کے اثرات نمایاں ہیں ۔ مولانا سلیمان ندوی ، مولانا عبدالسلام ندوی ، مولانا حبیب الرحمٰن شروانی بھی اس زمرہ میں قابلِ تذکرہ ہیں ۔

اس دور کی سوانح عمریاں قوم کی ترقی کے خیال سے لکھی گئی ہیں ۔ مولانا حالی نے غالب کے حالاتِ زندگی پر اس لئے قلم اٹھایا کہ غالب کی خوش طبعی اور ظرافت سے قوم میں زندہ دلی اور شگفتگی پیدا ہو ۔ حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید کا نصب العین بھی قوم کی ترقی ہی ہے ۔ حالی اور شبلی اور ان کے پیرو اور متبعین کی سوانح عمریوں میں ان کی تمام تر توجہ اسلاف کے قابلِ فخر کارناموں پر مرکوز ہے

جس سے احیائے قومی کے لئے مواد حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ ان حضرات نے سوانح کو دراصل اپنے مقصدِ خاص کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے ۔

ایک اور سوانح نگار جن کا تعلق سرسید کے زمرہ سے ہے محمد حسین آزاد بھی ہیں ۔ مگر ان کی سوانح نگاری تاریخی ناول کے حدود میں جا پہنچی ہے ۔ تاریخی ناول میں شخصیتیں تاریخی ہوتی ہیں ۔ اور جزئیات مخلوط ، کچھ خیالی اور کچھ واقعی ۔ آزاد کی سوانح نگاری بھی اس کے قریب قریب ہے ۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ آزاد کو شخصی جزئیات سے بڑی دلچسپی ہے ۔ اور یہ ایک سوانح نگار کا خاص رجحان ہے ۔

فنی محاسن کا اعتبار کرتے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بڑے سوانح نگار مولانا حالی اور مولانا شبلی ہیں ۔ جن کی سوانح عمریوں میں بڑی حد تک وہ ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں جو فنِ سوانح نگاری کے لئے ضروری قرار دی جاتی ہیں ۔ مولانا شبلی کی " الفاروق " سوانح نگاری میں اپنا خاص مقام رکھتی ہے ۔

بعض سوانح عمریاں تو ایسی بھی ہیں جن میں اشخاص کی حیثیت وہی رہ جاتی ہے جو ایک دائرہ کے درمیان نقطہ کی ہوتی ہے ۔ بس نقطہ کی طرح اشخاص کا حال نہایت مختصر مگر اس زمانے کی تہذیب و ثقافت بلکہ جغرافیہ یہاں تک کہ ان کے وطن سے باہر دور دور کے حالات بھی ان میں آگئے ہیں ۔

اس تمہید سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کسی کی سوانح عمری لکھنا کہ جو فنِ سوانح نگاری پر پوری اتر سکے آسان نہیں ۔ سوانح عمری میں شخصیتوں کو اس نقطہ نظر سے بھی دیکھا جاتا ہے کہ سماج اور اجتماع سے الگ ان کی اپنی ذاتی اور نجی زندگی کیا تھی ۔ یعنی وہ احوال و افعال جو صرف ان کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور جن سے سماج بحیثیت سماج متعلق نہیں ۔

زیر نظر کتاب " عبداللہ " بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی قادری حسرت سابق پروفیسر و صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی کے حالاتِ زندگی کے بارے میں پیش کی گئی ہے ۔ عوام اس کو حضرت کی سوانح سمجھ لیں تو سمجھ لیں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اس پر سوانح کی تعریف صادق نہیں آتی ۔ یہ مختلف جہات میں جستہ جستہ پرچھائیاں ہیں جو دکھائی گئی ہیں ۔ مگر اس میں تو کلام نہیں کہ یہ پرچھائیاں حضرت عبدالقدیر ہی کی پرچھائیاں ہیں ۔ اس میں جہاں کہیں حضرت کی سیرت پیش کی گئی ہے حضرت ہی کی سیرت ہے ۔ سیرت نگار انوار الدین کی سیرت نہیں ہے ۔ ورنہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ سیرت نگار غیر شعوری طور پر موضوع کی سیرت کے چوکھٹے میں اپنی سیرت کا عکس پیش کردیتا ہے اور بخیالِ خود یہ سمجھتا ہے کہ اس نے فلاں کی سیرت کی نقش گری کی ہے ۔ اپنا تصورِ خیر و شر ، اپنا تصورِ جمال اپنی سیاسی و سماجی آویزش ، اپنا عقیدہ مذہب و روحانیت یعنی اپنی شخصیت کے آئینہ میں اپنے موضوع کی شخصیت کو دیکھتا ہے ۔ میں نے اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات کی مدد سے سیرت کے خد و خال بنائے ہیں ۔ معتبر اور غیر معتبر روایات کے رنگوں سے موضوع کی تصویر نہیں بنائی ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ سیرت نگار کو غیر جانب دار اور غیر جذباتی ہونا چاہئیے ۔ صاحبِ سیرت کے محاسن کے ساتھ اس کے معائب کو بھی دو ٹوک بیان کر دینا چاہئیے تا کہ پوری شخصیت اپنے تمام محاسن اور معائب کے ساتھ سامنے آجائے ۔ یہ مطالبہ اپنی جگہ کتنا ہی درست ہو مورخ سے کرنا چاہئیے سیرت نگار سے یہ توقع بے جا اور غیر نفسیاتی ہے ۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عبدالقدیر اللہ کا ایک ایسا بندہ تھا جو جامع الجہات تھا ۔ ہر فن مولا تھا ۔ ہر جہت اپنا الگ حق مانگتی ہے ۔

اور ہر فن اپنا الگ مطالبہ رکھتا ہے جن کو پورا کرنا اور کامل حق دینا مجھ جیسے ہیچمداں سے قطعاً ممکن نہیں ۔ یہ کام البتہ شاید ان سے ممکن ہو جو ہر فن پر تحقیقی نظر رکھتے ہیں اور خود بھی جامع الکمالات ہیں ۔

حضرت عبداللہ یر عالم فقیر تھے ۔ عالم فقیر ہی اپنی مخصوص بصیرت کی بناء پر مزاجِ نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے اور مشربِ محمدی کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچا کر راہِ اعتدال یعنی صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کی خاص قابلیت رکھتا ہے ۔ ایسے عالم فقیر ہی وہ علمائے حق ہیں جو جادہ حق میں مرتبہ صالحین سے مرتفع ہوکر شاہدینِ حق سے بھی آگے نکل جاتے ہیں اور مرتبہ صدیقیت پر پہنچ کر انسانیتِ کبریٰ کے اس مقام پر فائز رہتے ہیں جو مقامِ نبوت کے راست تحتِ قدم اور زیر اثر ہوتا ہے ۔ ان میں سے بعض کو مزید امتیازِ خاص حاصل رہتا ہے جن کو پروردگارِ عالم بطورِ خاص چن لیتا ہے ۔ ایسے اخص الخواص کا نورِ علم و عمل مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ اور ان کا ہر قدم طریقِ منہاجِ نبوت پر گامزن رہتا ہے ثلۃ من الاولین و قلیل من الاخرین (پ ۲۷ الواقعہ) یعنی " وہ (مقربین) اگلے لوگوں میں بہت سے ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے " ۔ یہ وہ نفوسِ عالیہ ہیں جو درسگاہِ نبوت کی پہلی جماعت کے بہ اعتبارِ صفات شریکِ حال ہیں ۔ جن کا ظہور دنیا میں مدتوں انتظار کے بعد ہوتا ہے ۔ دین کو ان کی بدولت نئی زندگی ملتی ہے ۔ یہ اپنے عہد کی اقلیم روحانیت کے باطنی سلطان ہوتے ہیں ۔ انسان کی ذہنی نفسی اور روحانی و معنوی بیماریوں کو بیک نظر پہچان لینا اور اس کی حالت و استعداد کے مطابق درجہ بہ درجہ صحیح علاج کرنا اور ہر مریض کے لئے اس کی حالت کے مطابق ٹھیک ٹھیک نسخہ تجویز کرنا انبیاء کرام کے بعد یہ مقام صرف انہی نفوسِ عالیہ کو حاصل ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ خبر دی جو ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ۔ " ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجددلھا دینھا " ۔ اللہ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایسے لوگ اٹھاتا رہیگا جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کریں گے " ۔ اس حدیث کی روشنی میں کیا عمر ابن عبدالعزیزؒ کے بعد اس شان کا ہر صدی کے آغاز یا اختتام پر کوئی شخص بتلایا جاسکتا ہے ؟ تاریخ تو پیش نہیں کرسکتی ۔ تو پھر کیا حدیث سے انکار کردیں گے ؟ من کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے من سے مراد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور بہت سے اشخاص بھی ہوسکتے ہیں ، گروہ بھی ہوسکتے ہیں ۔ ایک ہی وقت میں بہت سے ملکوں یا مقامات پر بہت سے آدمی تجدیدِ دین کے لئے سعی کرنے والے ہوسکتے ہیں ۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ پیغمبر کی طرح وہ مجدد ہونے کا دعویٰ بھی کریں یا ان کو قوم مجدد کے خطاب سے نواز بھی دے ۔ یا پھر یہ توقع رکھنا کہ مجدد کوئی ایسا کام دنیا کے سامنے پیش کرے گا یا ایسے اصول پیش کرے گا جس میں انوکھا پن ہوگا ۔ یا کوئی خاص جدت ہوگی ۔ لوگ متجدد اور مجدد میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ایسا گمان رکھتے ہیں ۔ دین میں نئی باتیں نکالنے والا متجدد ہے اور دین میں نئی نکالی ہوئی باتوں کو خارج کرکے دین کی اصل باتوں کا پھر سے احیاء کرنے والا اور حق و باطل میں تمیز کروانے والا مجدد ہوتا ہے ۔

دوسرے شیوخ اور پیرانِ طریقت کے مقابلہ میں حضرت کے لئے یہ بات مابہ الامتیاز تھی کہ آپ کی ذاتِ واحد میں تمام سلاسل کی مابہ الامتیاز تعلیم جمع ہوگئی تھی ۔ اور یہی وجہ تھی آپ کی فکرِ رسا اور روحانی بصیرت نے ان تمام نظریوں اور افکار اور اشکال کو جو اسلام کی حقیقی روح سے ہم آہنگ نہ تھے چن چن کر مسلکِ تصوف سے خارج کردیا اور اپنی اس نسبتِ خاصہ اور فیضِ روحانی کے ذریعہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو باطناً حاصل تھی بعد آنے والوں کے لئے اس دروازہ کو پھر سے کھول دیا جو عہد نبوت اور عہد صحابہ کی طرف

کھلتا ہے۔

حضرت سے قریب رہنے اور حضرت کی محبت اور چاہت لینے کی بدولت حضرت کی صحبت میں میں نے جو کچھ آنکھوں سے دیکھا، کانوں سے سنا اور ایمان سے سمجھا امکان بھر دیانت سے قلمبند کر دیا ہے۔ تاہم غلطی سے مبرا ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں۔ بظاہر دیکھنے کو بیان صاف صاف ہے۔ عام مشاہدات اور تجربات ہیں۔ مگر ایمانی نکات اور عرفانی اشارات موقع بہ موقع ذرا نازک آگئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کے قلب کو قوت اور روح کو راحت، اخلاص و للہیت کے ساتھ ساتھ حضرت کی روح سے ربط قائم ہوسکے اور علم صحیح اور فیوض و برکات کے حصول کی بدولت اللہ اور اس کے رسول سے نسبت اور تعلق استوار ہونے میں مدد ملے۔ یہی ہمارا مقصدِ اصلی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت کی کہی ہوئی باطنی احوال کی باتیں جو حضرت کے ربط خصوصی، انشراح اور قلب کی کیفیت ہے یا حضرت کے مقام کی بات ہے کس طرح کوئی بیان کرے، ضبط قلم کرے، نامحرم سے کہنا بات کھونا ہے۔ جو انکار کرے اس کو ڈبونا ہے۔ جس کا دل جتنا صاف ہوگا بس اتنا عکس قلب میں آئے گا۔ مگر راز کی باتوں کو مطلقاً راز رکھنا اس کے اہل تک نہ پہنچانا اس کو حقائق سے محروم رکھنا ہے۔ حضرت کی زندگی کیا ہے، کتاب و حکمت کے دروازے کھلے ہیں، قول و فعل قرآن میں گھلے ہیں۔ صدیقؓ کے پوتے ہیں علم کے نواسے ہیں۔ زندگی میں مردنی ہے۔ علم و عرفاں کے دریا موجزن ہیں۔ اور افعال سے ظاہر ہیں۔

کتاب "عبداللہ" حاضر ہے، پیش خدمت ہے۔ طالبین کے لئے خوانِ یغما ہے۔ اہل علم و فضل کے لئے خوانِ خاصہ ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

خادم عبدالقدیر

ابوالفیض محمد انوار الدین صدیقی قدیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کا

سلسلۂ نسب

احمدآباد سے اورنگ آباد پھر حیدرآباد میں آمد

اجداد صفحہ

حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہٗ ۱۱

حضرت مولانا حکیم شاہ عبدالقادر چھنگیؒ ۱۲

صوبہ دار صاحب کی لڑکی سے عقد۔ عطائے خطابات و جاگیرات۔ وصال ۱۳

صدارتِ بلدہ پر چھوٹے بھائی کی تعیناتی۔ اولاد ۱۴

حضرت شاہ محمد علی (قادر یار خاں ثانی) ۱۵

مسجد قادر یار خاں۔ بیعت و خلافت۔ سلاسلِ بیعت ۱۵

دلچسپ واقعہ ۱۶

بیعت و خلافت۔ مرتبۂ ولایت۔ کرامت ۱۷

مرضِ استسقاء اور وفات ۱۸

حضرت الحاج حافظ شاہ محمد فضل اللہ صدیقی قدس سرہٗ ۱۹

ولادت ۱۹

عقدِ مبارک ۲۱

میر مجلس عدالت العالیہ۔ حفظِ قرآن۔ سلاسلِ بیعت ۲۲

کرامت ۲۳

انتقال ۲۴

سلسلۂ مادری ۲۵

حضرت الحاج مولانا شاہ محمد عبدالقادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ۲۶

ذوقِ تعلیم و مطالعہ۔ علمائے اسلام سے روابط۔ تصنیف و تالیف ۲۶

مزاج، شخصیت، فنونِ سپہ گری۔ ایک خاص واقعہ ۲۷

خدمت سے سبکدوشی۔ سفرِ حرمین شریفین۔ سلاسلِ بیعت و خلافت۔ وصال و تدفین ۲۸

شجرۂ اولاد ۲۹

اجداد

حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہ

حضرت بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی کے جدِ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہ خاص احمد آباد گجرات کے متوطن تھے ۔ جن کا سلسلہ نسب تنیسویں (۲۳) پشت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے شاہ صاحب (نواب قمرالدین چین قلیچ خاں) نظام الملک آصفجاہ اول مغفرت مآب کے ہم عصر تھے ۔ نہایت مقدس رہنمائے طریقت تھے ۔ آپ کو اپنے والد حضرت محمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت حاصل تھی ۔ جو حضرت شیخ حسام الدین محمد فرخ چشتی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے ۔

اس طرح شاہ عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے بیعت میں سولھواں واسطہ تھا ۔ اور یہ سلسلہ بذریعہ اجداد حضرت (بحرالعلوم) کو پہنچا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

حضرت عبدالقادر جیلانی ۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ۔ سید محمد بغدادی ۔ شرف الدین ۔ مخدوم حسین ۔ میاں بایزید ۔ شیخ قطب ۔ شیخ سعدی ۔ شاہ صفی ۔ عبدالواحد ۔ عبدالجلیل ۔ سید اویس ۔ شیخ رکن الدین ۔ جمال الدین ۔ حسام الدین محمد فرخ چشتی ۔ محمد علی ۔ شاہ عبدالغفور ۔ صدر الصدور حکیم الحکماء شاہ عبدالقادر قادر یار خان محی الدولہ بہادر ۔ محمد علی قادر یار خان ۔ محمد فضل اللہ ۔ محمد عبدالقادر صدیقی ۔ بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی ۔

علاوہ ازیں شاہ عبدالغفور سے سلسلہ عشقیہ چینکیہ کا فیض بھی جاری تھا جو ان کو اپنے والد بزرگوار شیخ محمد علی چینکی ابن تاج الدین محمد شہید سے پہنچا ہے ۔

حضرت (بحرالعلوم) نے فرمایا کہ " ہمارے سلسلہ نسب کی ایک خوبی یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ہر بیٹا اپنے باپ سے روحانی اعتبار سے بھی فیضیاب ہے ۔ چنانچہ حضرت نے تمام سلاسل کا جو شجرہ " شجرۃ السلاسل " کے نام سے مرتب فرمایا تھا اس میں یہ سلسلہ بھی موجود ہے ۔ اس شجرہ کی طباعت بھی ۱۳۸۸ھ میں عمل میں آچکی ہے ۔

شاہ عبدالغفور قدس سرہ نے ۴ ۔ محرم الحرام کی شب وصال فرمایا ۔ مزار گجرات میں بمقام احمد آباد اندرون شہر واقع ہے ۔ سنہ وفات کا پتہ باوجود کوشش کے نہ چل سکا ۔

آپ کے دو صاحبزادے بوقتِ وصال بقید حیات تھے ۔

(۱) مولانا حکیم شاہ عبدالقادر قادر یار خاں بہادر محی الدولہ اول ۔ (۲) مولانا حکیم محمد جعفر ، جعفر یار خاں بہادر محی الدولہ دوم ۔

(ملاحظہ ہو شجرہ)

حضرت مولانا حکیم شاہ عبدالقادر چینکی

المخاطب بہ صدر الصدور حکیم الحکماء نواب محی الدولہ قادر یار خاں بہادر

مولانا ١١٠٩ ہجری میں تولد ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد نامور اساتذہ سے استفادہ کیا ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جمیع علوم معقول و منقول اور فنِ طب میں پورے ماہر اور فاضل ہوگئے ۔ مولانا کو اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہ سے بیعت اور خرقہ خلافت حاصل تھا ۔ چنانچہ ان کو اپنے والد و مرشد سے سلاسل علیہ چینکیہ ۔ سہروردیہ اور قادریہ سلسلے پہنچے تھے ۔ نہایت خلیق اور ذی مروت تھے ۔ اپنے پدرِ بزرگوار کے حددرجہ اطاعت گذار تھے ۔

خواب میں دیدارِ رسول اور اورنگ آباد میں آمد

ایک روز شاہ عبدالقادر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ " دکن میں ہدایت کی غرض سے جا " ۔ مولانا تعمیل حکم نبوی پر آمادہ ہی تھے کہ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالغفور نے اس حکم باطنی پر واقف ہوکر اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ " تم تعمیل حکم میں کیوں تاخیر کرتے ہو " ۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر نے تنِ تنہا اورنگ آباد کا راستہ لیا اور شاہ مسافر صاحب کے تکیہ میں اقامت گزیں ہوئے ۔ علماء سے ملاقات کرنے کا بیحد شوق رکھتے تھے ۔ جب سنا کہ اورنگ آباد میں ایک عالم مولوی قمرالدین ہیں تو ان کے مکان پر پہنچے ۔ اس وقت وہ میرزاہد اور قاضی مبارک کی تدریس میں مصروف تھے ۔ یہ دیکھ کر مولانا خوش ہوئے ۔ صحن میں کھڑے رہے اور دیر تک استاد اور شاگرد کی باہمی بحث سماعت فرماتے رہے ۔ بالآخر مولوی قمرالدین سے ملاقات فرمائی ۔ مولوی صاحب نے بھی حضرت شاہ عبدالقادر سے نہایت عزت و احترام سے ملاقات کی اور اپنے پاس مہمان رکھ لیا ۔ ساتھ ہی شہر اورنگ آباد میں اس بات کا چرچا ہوگیا کہ ایک نئے عالم ، مولوی صاحب کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں ۔ شدہ شدہ اس کی اطلاع صوبہ دار اورنگ آباد عبداللہ خاں کو ہوئی ۔ اس زمانہ میں منجانب بادشاہ دکن صوبہ دار کو حکم تھا کہ اگر کوئی صاحب علم و فضل شخصیت وارد ہوتو اس کی اطلاع فوری سرکار میں ہوا کرے ۔ لہذا مولانا کی اورنگ آباد میں آمد کی اطلاع شاہ دکن کو دی گئی ۔ تاریخ لچھمن لال صفحہ ٣٧ پر آپ کے ورود و ملازمتِ سرکار عالی میں داخل ہونے کی تفصیل اس طرح درج ہے ۔

" نواب صلابت جنگ مرحوم کے عہد میں جب کہ غفراں مآب (نظام علی خان) صوبہ داری برار کے کاموں میں مشغول تھے ، عبدالقادر نامی طالب علم جید ہم عزت یار خاں بندر سورت سے اورنگ آباد میں آئے اور شاہ محمود صاحب کے تکیہ میں فروکش ہوئے اور محمد حوث خاں بخشی کے ذریعہ سے برار میں آپ نے حضرت غفراں مآب کی ملازمت حاصل کی اور قضا یائے لشکر کی خدمت سے سرفراز فرمائے گئے اور جب غفراں مآب ، صلابت جنگ کے دیوان ہوئے تب عبدالقادر حکیم قادر یار خاں کے خطاب سے ممتاز کرائے گئے ۔ اس کے بعد غفراں مآب نے اپنے عہد ریاست میں خدمت صدارت و احتساب بلدہ حیدرآباد سے سرفراز فرمایا ۔

نگارستان آصفی مؤلفہ منشی التفات حسین مرحوم میر منشی رزیڈنسی تحریر کردہ ١٢٢٨ ھ صفحہ ٤٣ ، سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔

صوبہ دار صاحب کی لڑکی سے عقد

اسی زمانہ میں صوبہ دار عبداللہ خان صاحب اپنی لڑکی کی شدید علالت کے باعث سخت پریشان تھے اطباء وقت کو لڑکی کی صحت سے نا امیدی ہوچکی تھی ۔ ایک روز مولانا ، صوبہ دار صاحب سے ملنے گئے ان کو متفکر دیکھ کر سبب دریافت کیا ۔ صوبہ دار صاحب نے مریض و مرض کے تعلق سے تفصیلات بیان کیں ۔ اس پر مولانا نے مریضہ کو ایک نظر خود بھی دیکھنے کی خواہش کی ۔ صوبہ دار صاحب نے کہا " کیا آپ کو فن طب میں بھی دخل ہے " ؟ مولانا نے جواب دیا " ہاں کچھ جانتا ہوں " صوبہ دار صاحب نے مریضہ کو دکھلایا ۔ مریضہ نے کہا " حکیم صاحب اگر میں زندہ رہ سکتی ہوں تو علاج کیجئے ۔ ورنہ بے فائدہ ہے ۔

مولانا جوان تھے ہنستے ہوئے ان کو ظرافت آمیز انداز میں فرمایا " تم زندہ رہوگی ، صحت ہوگی اور مجھ جیسا بوڑھا تم کو ملے گا " ۔ اور تشخیص کے بعد علاج شروع کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ صحتیاب ہوگئیں ۔ صوبہ دار صاحب کو اپنی لڑکی کی صحتیابی سے نہایت مسرت ہوئی ۔ مولانا سے وہ واقف ہو ہی گئے تھے چاہا کہ لڑکی کا عقد جن کا نام جمیلہ بیگم تھا مولانا ہی سے ہوجائے ۔ چنانچہ مولانا نے لڑکی سے عقد فرمالیا

ایک روایت یہ بھی ہے کہ صوبہ دار صاحب کی دختر جمیلہ بیگم صاحبہ کی شادی مولانا عبدالقادر صاحب کے ساتھ نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے اصرار پر ہوئی ۔

عطائے خطابات و جاگیرات

جب نظام علی خان بہادر سریر آرائے دولتِ آصفیہ ہوئے تو مولانا کو محتسب و صدرالصدور بلدہ حیدرآباد مقرر فرماکر حکیم الحکماء قادر یار خاں محی الدولہ بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور جاگیرات مواضع چلکوروتر کاپلی و گرم چرو اور گنڈم گوڑہ عنایت فرمائے ۔ جاگیر کی سند ۱۱۸۰ھ کی ہے جس میں حکیم الحکماء کا لفظ بھی درج ہے ۔ اور ہر بادشاہ کے عہد میں اس کی تجدید بھی ہوتی رہی ۔

وصال

حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر کے حقیقی چچازاد بھائی مولوی محمد شمس الدین صدیقی منصف و مؤلف تاریخ شمسیہ کی تحریک پر جملہ حصہ داران جاگیر کی جانب سے مولانا کا سالانہ فاتحہ بھی ہوا کرتا ہے ۔ جس کے مصارف درج موازنہ جاگیر رہا کرتے تھے ۔

مولانا کے مرید و خلیفہ شاہ معین الدین صاحب نے مولانا کے وصال پر جو تاریخ منقبت کہی تھی درج ذیل ہے ۔

آنکہ سلطان واصلین بودہ — ہم سراج محققین بودہ
گویم از خوش اولیاء ہرجا — کہ بد او شاہ و سرور عرفا
نام او عبدِ قادر است عیاں — چینی الاصل صاحبِ وجداں
ہفدہم از جمادی الاخری بود — روز جمعہ کے انتقال نمود
صد و ہشتاد وہشت بعدِ ہزار — بود از ہجر احمدِ مختار
روح اللہ روحہ ابدا — بنبی والہ السعدا

صدارتِ بلدہ پر چھوٹے بھائی کی تعیناتی

مولانا کے انتقال کر جانے کا شاہِ وقت نواب نظام علی خاں بہادر کو بیحد ملال ہوا ۔ پسماندگان سے ہمدردی فرمائی ۔ چونکہ بوقت انتقال مولانا کے دونوں صاحبزادے نابالغ تھے اس لئے مولانا کے چھوٹے بھائی حکیم محمد جعفر جن کو مولانا ہی کی سفارش پر حکیم جعفر یار خاں کے خطاب سے سرفرازی ہوئی تھی ۔ مولانا کی جگہ خدمت صدارت پر فائز کیا گیا اور بعد میں محی الدولہ دوم کے خطاب سے سرفراز بھی کئے گئے ۔

اس واقعہ کے متعلق تاریخ گلشن لال ۳۷ میں حسب ذیل تفصیل درج ہے ۔

" محمد جعفر والد عزت یار خاں نے اپنے بھائی قادر یار خاں کے پاس آکر حضرت غفراں مآب کی ملازمت حاصل کی ۔ قادر یار خاں نے اپنی بیماری میں حضور پرنور کی پیشگاہ میں سفارش کی تو حکیم جعفر یار خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے ۔ اور بعد انتقال قادر یار خاں کی خدمتِ صدارت حکیم جعفر یار خاں سے متعلق کی گئی ۔ اور محی الدولہ کا خطاب بھی عطا ہوا " ۔

تزکِ آصفیہ میں مذکور ہے " حکیم قادر یار خاں کہ حاوی علوم صوری و معنوی بود با ستقلال تعلقہ احتساب فرخندہ بنیاد سرفراز شدند " ۔

اور اسی کتاب سے پایا جاتا ہے کہ ربیع الاول ۱۱۸۲ ھ میں یہ سرفرازی ہوئی صفحہ ۱۹۵

اولاد

جمیلہ بیگم صاحبہ کے بطن سے مولانا کو دو صاحبزادے (۱) محمد علی قادر یار خاں ثانی (۲) محمد حسین قادر نواز خاں اور دو صاحبزادیاں ہوئیں ۔ دونوں صاحبزادیوں نے اپنی والدہ کے حینِ حیات انتقال کیا ۔

مولانا نے ایک نکاح اور فرمایا تھا ۔ چنانچہ منکوحہ کے بطن سے ایک لڑکی امۃ السلام بیگم تولد ہوئیں جن کو دو لڑکے ہوئے ۔

مولانا کی جملہ اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

حضرت شاہ محمد علی الخاطب بہ قادر یار خاں ثانی

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر قادر یار خاں محی الدولہ اول کے فرزند اکبر شاہ محمد علی صدیقی چینکی الخاطب بہ قادر یار خاں ثانی ہیں۔ ان کی عمر والد ماجد کے انتقال کے وقت صرف نو (۹) سال تھی۔ نواب نظام علی خاں بہادر آصفجاہ ثانی کے دربار میں ابتداءً اپنے عم بزرگوار حکیم جعفر یار خاں کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔ اس کے بعد نواب سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث کے دربار میں بطور خود جانے لگے۔

نواب نظام علی خاں نظام الملک آصفجاہ بہادر اور علیا حضرت تہنیت النساء بیگم نے جو مکاتیب حضرت قادر یار خاں کو لکھے تھے ان کے نقول تاریخ شمسیہ کے ضمیمہ اول میں مندرج ہیں۔ ان سے نہ صرف حضرت قادر یار خاں کی عظمت اور قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ نظام الملک آصفجاہ اور علیا حضرت تہنیت النساء بیگم کی اس عقیدت کا بھی پتہ چلتا ہے جو ان دونوں کو حضرت قادر یار خاں اور ان کے بھائی سے تھی۔

مسجدِ قادر یار خاں حضرت محمد علی قادر یار خاں اور ان کے برادر خرد محمد حسین قادر نواز خاں ہر دو نے مل کر محلہ پتھر گٹی میں سرِ راہ مسجد بنائی تھی جو آج بھی موجود ہے۔ اور شاہراہ کے درمیان واقع ہے۔ اس مسجد کی استرکاری کے لئے پیشگاہ نواب سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث سے سیپ کا چونہ بھی عطا ہوا تھا۔

گلزار آصفیہ ۹۰ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب نظام علی خاں آصفجاہ ثانی کا مقبرہ اور جالی کی تیاری ان دونوں بھائیوں کے زیر اہتمام ہوئی تھی۔

بیعت و خلافت حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم فاضل اور زبردست صاحب دل بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی۔ ونیز آبائی سلسلہ کی اجازت سے بھی سرفراز رہے۔ مگر حضرت قادر یار خاں کے پیر بیعت و صحبت حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی نگاہ کیمیا اثر نے ان کو پروان چڑھایا اور کمال پر پہنچا دیا۔ اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کیا۔

سلاسلِ بیعت سلاسلِ بیعت حسب ذیل ہیں:۔

نقشبندیہ:۔ حضرت بہاء الدین محمد نقشبند۔ علاء الدین غجدوانی۔ محمد یعقوب چرخی۔ خواجہ عبید اللہ احرار۔ محی الدین۔ محمد یحییٰ۔ امیر عبداللہ احراری۔ میر ابوالعلا نقشبند۔ سید دوست محمد۔ مرزا شاہ محمد فرہاد۔ برہان الدین۔ محمد عزت اللہ۔ محمد قاسم شیخ جی حالی۔ شاہ محمد علی قادر یار خاں۔

چشتیہ:۔ خواجہ اعظم معین الدین چشتی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر۔ نظام الدین محبوب الٰہی۔ سراج الدین۔ علاء الحق والدین۔ نور الدین نور قطب عالم۔ شیخ حسام الدین مانکپوری۔ احمد مانکپوری۔ حداد مانکپوری۔ معروف جونپوری۔ نظام الدین۔ عبدالرزاق۔ نظام الدین احمد۔ مرزا شاہ محمد فرہاد۔ برہان الدین۔ محمد عزت اللہ۔ محمد قاسم شیخ جی حالی۔ شاہ محمد علی قادر یار خاں۔

حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک محمد قاسم تھا شیخ جی پکارنے کی وجہ شیخ زادہ انصاری ہوتا ہے۔

قادریہ :۔ حضرت عبدالقادر جیلانی ۔ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی ۔ شہاب الدین سہروردی ۔ سید محمد بغدادی ۔ شرف الدین ۔ مخدوم حسین ۔ میاں بایزید ۔ شیخ قطب ۔ شیخ سعدی ۔ شاہ صفی ۔ عبدالواحد ۔ عبدالجلیل ۔ سید اویس ۔ شیخ رکن الدین ۔ جمال الدین ۔ حسام الدین ۔ محمد علی ۔ شاہ عبدالغفور ۔ شاہ عبدالقادر قادر یار خاں محی الدولہ اول ۔ محمد علی قادر یار خاں۔

دلچسپ واقعہ حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کی مریدی کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے ۔ اور سبق آموز بھی ہے ۔ حضرت قادر یار خاں اپنے ایک کمسن فرزند محمد طاہر کے انتقال کی وجہ سے بے حد رنجیدہ تھے ۔ سکون قلب کی خاطر درگاہ حسین شاہ ولی میں نقل مقام کیا تھا ۔ ایک روز افسردہ دل سیر راہ تشریف فرما تھے کہ ایک قافلہ جو شمالی ہندوستان سے آرہا تھا درگاہ کے سامنے سے گزرا ۔ اس قافلہ میں حضرت شیخ جی حالی

محفل سماع میں آپ پر وجد و حال بیحد غالب رہتا تھا اس لئے آپ کا لقب حالی ہوگیا ۔ اور دنیا آپ کو شیخ جی حالی کے نام سے جانتی ہے ۔ اصل اسم گرامی سے بہت کم لوگ واقف ہیں ۔ سنہ ولادت ۱۱۷۵ھ ہے ۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت غلام محمد تھا ۔ جو خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں تھے ۔ شیخ جی حالی کا مقام پیدائش قصبہ جھونجھوں (راجستان) ہے ۔ چودہ سال کی عمر میں شاہ عزت اللہ ابوالعلائی عرف میاں صاحب قبلہ سے بیعت فرمائی ۔ شاہ عزت نے اپنے وصال کے وقت آپ کو سینہ سے لگا کر نعمت باطنی کی امانت حوالے کی ۔ مرشد کی فاتحہ سیوم کے بعد مرشد کے حکم کی تعمیل میں ۱۲۰۹ھ میں بعہد نواب نظام علی خاں نظام الملک آصفجاہ دوم حیدرآباد میں رونق افروز ہوئے ۔ اور ابتداءً منڈی میر عالم کے قریب مسجد ایلچی بیگ میں قیام فرمایا ۔ بعد میں حضرت نے اردو شریف میں ایک مکان خریدا اور اس میں فروکش ہوگئے ۔ مکان کے متصل جو اراضی تھی بعد وصال اسی زمین میں تدفین عمل میں آئی ۔ سنہ وصال ۲۹ ۔ ربیع الثانی ۱۲۳۸ھ ہے ۔ آپ نے شادی نہیں کی ۔ اپنے ہمشیرزادہ سید عمر علی شاہ ابن سید ناصر علی صاحب کو آغوش میں لے کر اپنا وارث قرار دیا اور خرقہ خلافت سے سرفراز کرکے بذریعہ وصیت نامہ اپنا جانشین مقرر فرمایا ۔

حضرت خواجہ حسین شاہ ولی قدس سرہ :۔ آپ کا اسم گرامی " حسین " عرف حسین شاہ ولی کنیت " ابو عبداللہ " اور لقب نصیر الدین ہے ۔ سلسلہ نسب چھٹی پشت پر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے ۔ جو حسب ذیل ہے ۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ۔ سید شاہ محمد اکبر حسینی ۔ سید صفی اللہ ۔ سید عسکر اللہ ۔ سید صفی اللہ ثانی ۔ میاں اسد اللہ ۔ حضرت خواجہ حسین شاہ ولی ۔

والی گولکنڈہ ابراہیم قطب شاہ جب گلبرگہ گئے وہاں حسین شاہ ولی سے ملاقات ہوئی ۔ جب حضرت گلبرگہ سے گولکنڈہ تشریف لائے تو بادشاہ وقت ابراہیم قطب شاہ نے آپ کے استقبال کے لئے امراء و وزراء سلطنت کو بھیجا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ دربار شاہی میں لائے گئے ۔ آپ کے تقدس اور صاحب کشف و کرامات ہونے کی وجہ سے متاثر ہوکر عقیدت مندی سے اپنی لڑکی پیر ماں صاحبہ کا بیاہ آپ سے کردیا ۔ جن کے بطن سے ایک صاحبزادہ تولد ہوا تو سلطان نے نومولود کو امام الملک کے خطاب سے موسوم کیا ۔ صاحبزادے جوان ہوئے تو ان کا رجحان امارت و حکومت کی طرف بڑھنے لگا ۔ یہ بات حضرت کو ناگوار ہوئی اور شہزادی یعنی بیوی سے ناراض ہوگئے ۔ اور اس وقت تک راضی نہ ہوئے جب تک کہ انھوں نے سابقہ شان و شوکت کو خیرباد نہیں کیا ۔ مگر افسوس اس بات کا

رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے ۔ جب ان کی نظر قادر یار خاں صاحب پر پڑی تو دیکھتے ہی فرمایا " قادر یار خاں دل لگی اس سے کرنی چاہئیے جو ہمیشہ کے لئے اپنا رفیق ہو ۔ ایسے سے محبت کرنا کیا فائدہ دے سکتا ہے جو خود فانی ہو " ۔ جب قافلہ آگے بڑھ گیا تو قادر یار خاں کو حیرانی ہوئی کہ آخر یہ صاحب ہیں کون ؟ جن سے نہ تو میں واقف ہوں اور نہ وہ مجھ سے واقف ۔ پھر میرے نام اور حالِ دلی سے ان کو واقفیت کیسے ہوئی ؟ یہ سوچ کر فوراً بلدہ روانہ ہوئے اور حضرت شیخ جی حالی کی خدمت میں پہنچے اور ان کی بزرگی سے بیحد متاثر ہوئے ۔ اور مرید ہونے کی خواہش ظاہر فرمائی ۔ شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو ٹال دینا چاہا ۔ ان کی جانب سے جب اصرار بڑھا تو فرمایا " تم اپنے درباری لباس میں مع سامان مریدی پاپیادہ آؤ تو البتہ میں تم کو مرید کرسکتا ہوں " ۔ چنانچہ مرید صادق نے اپنی ارادت کا مظاہرہ کیا ۔ اور حسب ارشاد درباری لباس میں سر پر کشتی لے کر پاپیادہ درِ دولت پر پہنچے شیخ جی حالی نے ان کو مطابق ارشاد آتا ہوا دیکھا تو فرمایا " قادر یار خاں بیڈھب پیچھے پڑے ہیں ۔ اور ہمارے امتحان میں کامل اترے " ۔ چنانچہ ان سے بیعت لی فیضان باطنی سے فیضیاب کیا اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز فرمایا ۔

بیعت و خلافت قادر یار خاں صاحب کو شیخ جی حالی صاحب سے جو سلسلہ طریقت حاصل ہے اس کا تذکرہ بھی گلزار آصفیہ صفحہ ۳۳۹ پر درج ہے ۔

مرتبہ ولایت حضرت قادر یار خاں قدس سرہ کے مرتبہ ولایت پر فائز رہنے اور ان کی عظمت و بزرگی کا اندازہ کرنے کیلئے صرف ایک ہی واقعہ کا تذکرہ کافی ہے ۔ جو ذیل میں مندرج ہے ۔

کرامت منجھلی بیگم صاحبہ کے فرزندان دلاور پاشاہ اور سنگی پاشاہ ، حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کے بیحد معتقد تھے اور ہمیشہ حاضر خدمت ہوا کرتے تھے ۔ ایک روز حالت بیماری میں حضرت قادر یار خاں نے سنگی پاشاہ سے فرمایا " جس طرح ہم آپ سے زندگی میں ملتے ہیں انتقال کے بعد بھی ملیں گے ۔ سنگی پاشاہ نے عرض کیا کہ کس طرح ملاقات ہوسکے گی ؟ اور ذریعہ ملاقات کیا ہوگا ؟ فرمایا " تم اس راز کو کسی سے نہ کہنا ، شب جمعہ ہماری قبر پر آیا کرنا ہم تم سے اسی طرح ملاقات کریں گے جیسے ہم اب زندگی میں تم سے ملاقات کیا کرتے ہیں " ۔ چنانچہ بعد وصال سنگی پاشاہ شب جمعہ قبر پر جاتے ۔ قادر یار خاں قدس سرہ حسب وعدہ قبر سے برآمد ہوتے اور ملاقات فرماتے ۔ کچھ مدت

ہے کہ امام الملک عین نوجوانی میں داغ مفارقت دے گئے ۔ ابراہیم قطب شاہ کی دختر حضرت کی دوسری بیوی تھیں ۔ پہلی بیوی سے آپ کا سلسلہ اولاد چلا شہزادی کی کوئی اولاد بقید حیات نہ رہی ۔

ابراہیم قطب شاہ نے حضرت کی نگرانی میں ایک تالاب بنوایا اور اس کا نام ابراہیم ساگر تجویز کیا لیکن باوجود انتہائی کوشش کے نام نہ چل سکا اور حسین ساگر ہی مشہور ہوگیا ۔

حضرت حسین شاہ ولی کے آثار متبرکہ سے عصاء تلوار ، خرقہ ، اور ٹوپی آج تک محفوظ ہیں ۔

حضرت کے دو عرس ہوتے ہیں ایک آپ کے وصال کی تاریخ ۱۴ ۔ جمادی الثانی کو اور دوسرا عرس خواجہ بندہ نواز کے عرس کے موقع پر ۔ اس دوسرے عرس کا مقصد یہ ہے کہ جو حضرات بندہ نواز کے عرس میں شرکت سے قاصر رہے یہاں کے عرس میں شریک ہوکر سعادت حاصل کریں ۔ آپ کی درگاہ پر بموقع عرس شاہِ دکن نظام رابع نواب ناصر الدولہ نے بھی شرکت کی ۔

حضرت حسین شاہ ولی کی مزار اور متعلقہ مسجد قطب شاہی دور کی یادگار ہیں ۔ حضرت کی مزار کے علاوہ اندرون گنبد جو مزارات ہیں وہ محل محترمہ ، پیر ماں صاحبہ ۔ اور صاحبزادہ امام الملک کی ہیں ۔ ایک خانقاہ بھی ہے جہاں دن میں حضرت کی گدی لگی رہتی ہے یہ خانقاہ سکندر جاہ بہادر کی والدہ تہنیت النساء بیگم کی تیار کردہ ہے ۔

گزرنے کے بعد دلاور پاشاہ نے اپنے چھوٹے بھائی سنگی پاشاہ سے دریافت کیا کہ آخر تم ہر شب جمعہ کہاں جایا کرتے ہو؟ سنگی پاشاہ نے ظاہر کرنے سے انکار کردیا۔ اس طرح کئی مہینے گزر گئے۔ اور ادھر سے اصرار بھی حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ مجبور ہوکر سنگی پاشاہ نے سارا راز بھائی سے بیان کردیا۔ اس تاریخ سے سنگی پاشاہ کو حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نصیب نہ ہوسکی۔

یہ روایت مؤلف تاریخ شمسیہ کو نواب تہنیت یاورالدولہ، نواب نصیر جنگ اور حضرت حبیب علی شاہؒ سے براہ راست پہنچی ہے۔ کہ اس واقعہ کو ان سہ حضرات نے خود سنگی پاشاہ کی زبانی سنا تھا۔ چنانچہ مؤلف نے اس واقعہ کو تاریخ شمسیہ صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے۔

مرض استسقاء اور وفات حضرت قادر یار خاں اپنی عمر کے آخری زمانہ میں تقریباً دو سال مرض استسقاء میں مبتلا رہے۔ ایک شب خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قادر یار خاں ہم تمہارے منتظر ہیں۔ قادر یار خاں صاحب نے عرض کی کہ سرکار دو عالم مجھ ناچیز کے لئے تشریف لائے ہیں۔ ارشاد ہوا" رحمۃ للعلمین کا منشاء یہی ہے"۔ انھوں نے عرض کیا "غلام حاضر ہے" نیند سے نہایت شاداں و فرحاں بیدار ہوئے۔ اپنے چچازاد بھائی نواب عزت یار خاں بہادر محی الدولہ ثالث کو طلب کیا اور اپنے تیسرے صاحبزادے مولوی محمد فضل اللہ صدیقی کے فوری عقد کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ جس کی تفصیل آگے خود ان کے حالات کے ضمن میں آئے گی۔

حضرت قادر یار خاں قدس سرہ نے ۲۰۔ ربیع الاول ۱۲۳۹ھ میں انتقال فرمایا۔ بود علی شاہ صاحب کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔
حضرت محمد علی قادر یار خاں بہادر کے انتقال پر حضرت الحاج حافظ سید غلام غوث شطاری نے حسب ذیل منظوم تاریخ وصال کہی۔

آنکہ قادر یار خانِ بے بدل — عالم و عارف ز اسرارِ ازل
بد بہ باطن در طریقت پیش رو — گرچہ در ظاہر شد از اہلِ دول
ایں چنیں زیبا روش کمتر بود — دل بیار و دست مشغولِ عمل
کرد چوں از دارِ فانی انتقال — زاں حزیں شد ہر غنی و جبل
بہرِ سالش آمد از ہاتف ندا — شد وفاتِ منبعِ علم و عمل
۱۲۳۹ھ

حضرت قادر یار خاں کی پہلی بی بی کے انتقال کے بعد شمس النساء بیگم بنت خواجہ غلام سرور اکرام جنگ بہادر سے شادی کی تھی جو نواب فتح الدولہ بہادر کی پوتی تھیں اور جن کا سلسلہ نسب بتوسط امام حسن عسکری حضرت علی مرتضیٰ تک پہنچتا ہے۔ ان کے علاوہ دو منکوحات اور بھی تھیں۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

حضرت الحاج حافظ شاہ محمد فضل اللہ صدیقی قدس سرہ

ولادت حضرت محمد علی قادر یار خاں کے فرزند سوم - حضرت محمد فضل اللہ صدیقی - شمس النساء بیگم (بنت خواجہ غلام سرور اکرام جنگ بہادر ابن نواب فتح اللہ بہادر) کے بطن سے ہیں ۔ جن کی ولادت باسعادت ۱۲۲۰ ہجری میں ہوئی ۔

حضرت فضل اللہ صدیقی کی ولادت کے تعلق سے ایک پیش گوئی لائق ذکر ہے ۔ اللہ جس کو چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے ۔ حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز خلاف عادت رات کے نو بجے تشریف لائے اور قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ کو بشارت دی کہ تمہارے صلب سے ایک صالح لڑکے کا حمل قرار پانے والا ہے اور ایک شیریں انار عنایت فرمایا اور کہا کہ تم اس کو اپنی بی بی کو کھلاؤ ۔ جب یہ لڑکا تولد ہوگا تو ہم اس کا نام ابوالعلا رکھیں گے ۔ حسب ارشاد استقرار حمل ہوا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔ جب مولوی فضل اللہ صاحب تولد ہوئے تو حضرت شیخ جی حالیؒ نے ابوالعلا کے نام سے موسوم فرمایا

مولوی فضل اللہ صدیقی نے حضرت حکیم غلام حسین خان صاحب ناظم عدالت دیوانی کے زیر نگرانی تعلیم پائی ۔

حکیم صاحب ایک جید عالم ، نہایت متقی اور پرہیزگار شخص تھے ۔ مؤلف تاریخ شمسیہ نے حکیم صاحب کے حالات پر ایک مستقل رسالہ موسوم بہ " یادگارِ شمسیہ " لکھا ہے ۔ نیز حکیم صاحب کے حالات گلزار آصفیہ میں بھی مذکور ہیں ۔

حکیم غلام حسین خاں صاحب دہلی سے جب حیدرآباد تشریف لائے اور حضرت قادر یار خاں صاحب نے حکیم صاحب کے علم و فضل اور تقوے کی شہرت سنی تو ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے ۔ آپس میں محبت بڑھی تو ایک دوسرے کے پاس آمد و رفت شروع ہوگئی ۔ ایک روز قادر یار خاں صاحب نے حکیم صاحب سے فرمایا آپ اس طرح تنہا کب تک رہیں گے ۔ اپنے اہل و عیال کو یہیں بلوالیں تو ٹھیک رہے گا ۔ اور رہائش کی سہولت کے مد نظر اپنے مکان میں قیام کرنے کا پیشکش بھی کردیا ۔ حکیم صاحب نے قادر یار خاں صاحب کے اصرار پر اپنے اہل و عیال کو طلب کرلیا اور قادر یار خاں کے پیشکش کے مطابق ان کے مکان واقع پتھر گٹی میں فروکش ہوگئے ۔

حضرت غلام حسین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حکیم غلام حسین خان صاحب بروز چہار شنبہ ۱۷ ۔ رجب ۱۱۹۲ ھ تولد ہوئے آپ کا مولد خاص دہلی ہے آپ کا سلسلہ خاندانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے آپ کے والد عبدالقادر صاحب مخاطب بہ معرفت خاں خلف میمنت خاں صاحب طبیب خاص محمد شاہ بادشاہ تھے ۔ آپ کی والدہ دردانہ بیگم تھیں ۔ آپ کو صغرسنی سے علوم کا شوق اور عبادت الٰہی کا ذوق رہا ۔ تقریباً دو ہزار کتابیں آپ کے زیر مطالعہ تھیں ۔ ان میں بیشتر کتابیں حکیم صاحب کی قلمی تھیں ۔ یا پھر کتابوں پر حضرت ممدوح کے حاشیے تھے آپ کے دولت خانہ پر صدہا آدمی جمع رہتے تھے اور انھوں نے آپ کے علوم و ہدایت پر عمل پیرارہ کر غیر معمولی استفادہ کیا تھا ۔ حکیم صاحب مختلف علوم و فنون میں تبحر رکھتے تھے ۔ حافظ قرآن تھے ۔ نسخ و نستعلیق میں اچھا دخل تھا خوش قلم تھے ۔ تیر اندازی اور بندوق چلانے میں بھی مہارت حاصل تھی ۔

قادر یار خاں کے علم میں جب یہ بات آئی کہ حکیم صاحب کو ایک لڑکی بھی ہے تو اپنے لڑکوں میں سے جس کو مناسب خیال کریں اس سے عقد کردینے کی تحریک پیش کی اور اپنے لڑکوں کو حکیم صاحب کی خدمت میں لاکھڑا کیا۔ پہلے تو وہ مسکرائے پھر کہا " اپنے لڑکوں کو آپ بہتر جانتے ہیں " اور انتخاب قادر یار خاں صاحب ہی پر چھوڑ دیا۔ موصوف نے فرمایا بچے تو سب ہی میرے ہیں اور سب ہی الحمد للہ اچھے ہیں مگر آپ کی دامادی کے لائق میں محمد فضل اللہ کو سمجھتا ہوں۔ یہ رشتہ منظور کرلیا گیا۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد بے حد وسیع ہے۔ ان کے منجملہ چند نام یہاں پیش کردئے جاتے ہیں۔

حضرت مولوی محمد فضل اللہ صدیقی۔ محمد عبدالرحیم۔ حکیم احمد یار خاں محی الدولہ بہادر (چہارم) محمد یار خاں محی الدین۔ قطب یار جنگ۔ تہنیت یاور الدولہ بہادر۔ نواب باقر نواز جنگ بہادر۔ نواب محترم جنگ بہادر نبیرہ اعتصام الدولہ بہادر۔ حکیم میر لطف علی شفائی خاں بہادر۔ ان حضرات کو حضرت حکیم صاحب سے نہ صرف تلمذ حاصل تھا بلکہ غیر معمولی عقیدت بھی تھی۔

تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں ۱۲۲۰ھ میں برار میں آپ داخل ہوئے۔ جہاں عدالت دیوانی کی خدمت آپ کے تفویض ہوئی۔ سترہ سال تک آپ کا وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد آپ اورنگ آباد تشریف لائے اور راجہ گوبند بخش بہادر کے پاس پانچ سو روپیہ تنخواہ پر آپ کا تقرر ہوا اور ان کے مصاحب و مقرب خاص تھے۔ راجہ گوبند بخش کو آپ سے خاص عقیدت تھی۔ چنانچہ وہ تحریر میں آپ کو "مرشدی" سے خطاب کرتے تھے۔ تقریباً دس سال اورنگ آباد میں قیام رہا پھر وہاں سے حیدرآباد تشریف لائے ابتداءً یہاں راجہ چندو لعل کے مصاحب رہے۔ ۱۲۵۳ھ میں شرف الدین صاحب کی موقوفی کی وجہ سے راجہ چندو لعل نے غلام حسین صاحب اور مولوی محمد مظہر صاحب کو عدالت دیوانی کی نظامت کے لئے منتخب کرکے پیشگاہ نواب ناصر الدولہ بہادر میں پیش کردیا۔ نواب ناصر الدولہ نے حکیم صاحب کو پسند کیا اور تقرر منظور فرما کر خلعت سے سرفراز کیا۔ خلعت میں جامہ، کمربند، دستار عنایت ہوئی تھی۔ تادم زیست آپ عدالت دیوانی کے ناظم رہے۔ بزمانہ نظامت عدالت، سرکاری قلم دوات و کاغذ سے اپنا ذاتی لکھنے کا کام نہیں لیا۔ نہایت متشرع و پرہیزگار تھے۔ بازار کا دودھ، دہی بالائی، مسکہ اور شیرینی کبھی استعمال نہیں کیا۔

ایک وقت آپ نے ایک مقطعہ کسی شخص کا بطور تعہد چند سالہ اس کا محاصل بالمقطع قرار دے کر اس شخص سے لیا اور کچھ رقم بطور قرض حسنہ بھی دی تھی۔ جب تعہد کی مدت ختم ہوگئی تو مالکِ مقطعہ کو بالاصرار فرمایا کہ تمہارا مقطعہ واپس لے لو۔ اس شخص نے عرض کی سردست اتنی رقم نہیں ہے جس سے ادائی قرض کرسکوں۔ اس پر حکیم صاحب نے مقطعہ کا تفصیلی حساب بتلا کر فرمایا کہ ان سالوں میں تمہارے مقطعہ کا محاصل اس قدر حاصل ہوا ہے کہ ایصال شدہ رقم اس قدر زائد ہے لہذا اس کا مقطعہ اس کو واپس کردیا۔

حکیم صاحب نے ایک جیبی گھڑی نیلام میں ارزاں خریدی تھی۔ بعد معلوم ہوا کہ وہ طلائی اور بہت قیمتی گھڑی ہے۔ لہذا وہ گھڑی آپ نے مالک کو واپس دے دی اور فرمایا کہ دھوکے سے وہ گھڑی نیلام میں ارزاں آگئی ہے۔ مالک نے ہر چند اس کے لینے سے انکار کیا۔ لیکن آپ نے باصرار اس کو واپس کردیا۔

حکیم صاحب نہایت گورے، متوسط جسم اور کلاں چشم تھے۔ عمر بھر آپ نے آئینہ نہیں دیکھا۔ دستار بھی بغیر آئینہ دیکھے باندھ لیتے تھے۔ اس لئے اس کی بندش میں صفائی نہیں رہتی تھی۔ گھر میں معمولی لباس، سفید ٹوپی ململ یا جگتانی کی پہنتے۔ فواکہ میں آم بہت

عقدِ مبارک حضرت قادر یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے جب وہ خواب دیکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ " قادر یار خاں ہم تمہارے منتظر ہیں " ۔ اس خواب سے بیدار ہوتے ہی مولانا نے اپنے چچازاد بھائی نواب عزت یار خاں محی الدولہ ثالث کو طلب کر کے کہا کہ " میں فضل اللہ کا عقد اسی وقت کردینا چاہتا ہوں " انھوں نے جواب دیا " شام تک یہ کارِ خیر انجام پاجائے گا ۔ اس پر مولانا نے فرمایا " میں شام تک زندہ نہیں رہوں گا " ۔ چنانچہ حکیم غلام حسین صاحب فوری بلائے گئے اور مولوی فضل اللہ صدیقی کا عقد حکیم صاحب کی صاحبزادی عائشہ بیگم صاحبہ سے چند معززین کی موجودگی میں بہ عجلت ممکنہ کردیا گیا ۔ وداعی کی تقریب بعد میں انجام پائی ۔

مرغوب تھا ۔ اس لئے اس کے تخم دوسرے مقامات سے حاصل کر کے اپنے مقطعہ میں لگوائے تھے ۔ اور ان آموں کے نام اعزالشر ۔ سلطان الشر تجویز کئے تھے ۔ چنانچہ اس قسم کے آم اب تک دستیاب ہو سکتے ہیں ۔ اس وقت کے رزیڈنٹ صاحب نے اس آم کا نام " غلام حسین خاں پسند " رکھا تھا ۔ اور نہایت خواہش سے کھاتے تھے ۔

حکیم صاحب نے کالی کمان کے متصل ایک دیوڑھی خریدی تھی بعد انتقال یہ دیوڑھی ان کی صاحبزادی عائشہ بیگم صاحبہ نے خریدلی تھی ۔

بعمر ۷۰ سال بعد نماز صبح ۱۲ ۔ جمادی الاول ۱۲۶۲ یوم شنبہ بمرض ہیضہ آپ کا انتقال ہوا ۔ بعد انتقال آپ کے جسم پر مکھی نہیں بیٹھی ۔ آپ کا دفن بود علی شاہ صاحب (بودلے شاہ صاحب) کے مقبرہ کے متصل سید جعفر صاحب کے مقبرہ میں ہوا ۔ تاریخ گلزار آصفیہ کے صفحہ ۳۴۰ پر بھی آپ کا تذکرہ ہے ۔

مولوی محمد شمس الدین صاحب صدیقی مؤلف تاریخ شمسیہ نے حکیم صاحب کے حالات پر ایک رسالہ یادگارِ شمسیہ کے نام سے لکھا ہے جو مطبوعہ ہے ۔ مندرجہ بالا حالات اسی رسالہ کے اقتباسات ہیں ۔

حکیم غلام حسین خاں صاحب (فاروقی) کی اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ ذیل

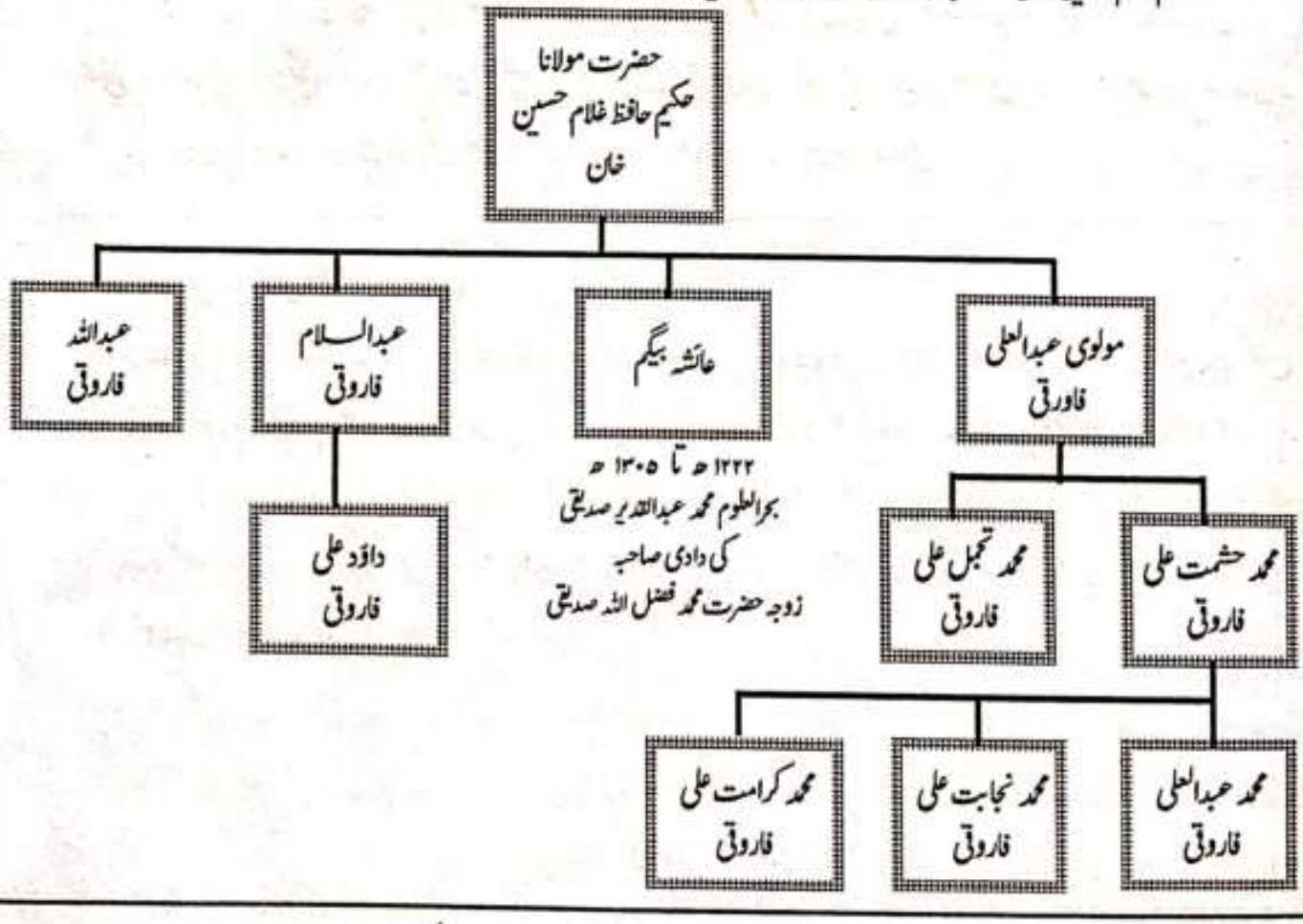

مولوی فضل اللہ صاحب نے اپنے خسر و استاد محترم کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ۔ حکیم صاحب نے بھی اپنے داماد و شاگرد کی تعلیم و تربیت میں کچھ فروگذاشت نہ کی ۔

میر مجلس عدالت العالیہ مولوی فضل اللہ صاحب نے خسر محترم کے علاوہ مولوی کرامت علی صاحب اور مولوی نیاز محمد صاحب سے متعدد علوم حاصل کئے ۔ حکیم صاحب کے انتقال کے بعد بلحاظ علم و فضل ، پرہیزگاری ، دیانت داری و فراست مولوی فضل اللہ صاحب ہی کو حکیم صاحب کی جگہ ناظم عدالت دیوانی مقرر کیا گیا ۔ ۱۲۸۱ ہجری میں نواب مختار الملک اول وزیر اعظم حیدرآباد نے عدالتوں کی تنظیم اور عدالت العالیہ کے قیام کا ارادہ کیا تو عدالت العالیہ کی میر مجلسی کے لئے مولوی فضل اللہ صدیقی سے بہتر اور موزوں کسی اور کو نہ پایا اور پیشگاہ اقدس و اعلیٰ میں موصوف ہی کا نام پیش کر کے منظوری حاصل کرلی ۔ چنانچہ مولانا تادم زیست میر مجلس عدالت العالیہ (Chief Justice) رہے ۔

حفظ قرآن آبائی سلسلہ کی اجازت کے علاوہ مولوی فضل اللہ صدیقی کو بیعت و خرقہ خلافت حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا ۔ اپنے پیر و مرشد کی خدمت بابرکت میں ہر روز حاضری دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ شاہ سعد اللہ صاحبؒ کی ان پر بڑی عنایت رہی ۔ اور پیر کے فیضان باطنی کا انجذاب کا فضل اللہ صاحب کو بہت موقع ملا ۔ شاہ سعد اللہ صاحبؒ کی خانقاہ سے متصلہ مسجد میں ہر سال ماہ رمضان المبارک میں محراب بھی سنایا کرتے تھے ۔ شاہ سعد اللہ صاحبؒ شریک جماعت رہتے اور اقتداء فرماتے ۔

سلاسل بیعت سلاسل بیعت حسب ذیل ہیں ۔

نقشبندیہ ۔ حضرت بہاء الدین محمد نقشبند ۔ علاء الدین عجد وانی ۔ محمد یعقوب چرخی ۔ خواجہ عبید اللہ احرار ۔ شرف الدین زاہد ۔ درویش محمد اسفرانی ۔ خواجگی امکنگی ۔ باقی باللہ ۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی ۔ خواجہ محمد سعید ۔ شاہ گل عبدالاحد ۔ محمد عابد سنامی ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ عبداللہ غلام علی علوی ۔ سید شاہ سعد اللہ احمدی ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

نصر اللہ خاں تاریخ دکن صفحہ ۲۸ و صفحہ ۵۷ ـــ تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۶۲۶

حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت کا اسم مبارک " سعد اللہ " ولادت اوائل ۱۱۹۹ ھ مطابق ۱۷۸۴ ء اور مقام پیدائش قصبہ اچڑی ملک پکل پنجاب ہے جو سرحد افغانستان پر واقع ہے ۔ آپ کے آباء و اجداد نسلِ عرب سے تھے ۔ علوم ظاہری میں اکابر علماء سے استفادہ کیا اور عبور حاصل فرمایا ۔ مگر طبیعت کا رجحان فقیری کی طرف تھا ۔ ایک رات خواب میں اشارہ ہوا کہ " دہلی جاؤ اور غلام علی شاہ نقشبندی سے فیض حاصل کرو " ۔ چنانچہ آپ دہلی تشریف لائے اور شاہ عبداللہ عرف غلام علی شاہ نقشبندی دہلوی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوکر بیعت کی اور لگاتار بارہ برس ریاضت اور مجاہدہ فرمایا ۔

حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند ۔ علماء الدین عطار ۔ محمد یعقوب چرخی عبید اللہ احرار ۔ محمد شرف الدین زاہد ۔ محمد درویش ۔ خواجہ محمد کلنگی ۔ خواجہ باقی باللہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ۔ خواجہ محمد معصوم ۔ شیخ سیف الدین ۔ حافظ محمد محسن ۔ سید نور محمد بدایونی ۔ حبیب اللہ شمس الدین ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ شاہ عبداللہ المعروف غلام علی شاہ دہلوی ۔ شاہ سعداللہ ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

چشتیہ صابریہ ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ۔ علاء الدین صابر کلیری ۔ شمس الدین ترک پانی پتی ۔ جلال الدین عثمانی کبیر الاولیاء ۔ احمد عبدالحق ردہولی ۔ شیخ احمد مصطفیٰ عارف ۔ محمد جیو عیسیٰ روحی ۔ احمد عبدالقدوس گنگوہی ۔ علامہ رکن الدین گنگوہی ۔ مخدوم عبدالاحد ۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی ۔ خواجہ محمد سعید ۔ شاہ گل عبدالاحد ۔ محمد عابد سنامی ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ عبداللہ غلام علی علوی ۔ شاہ سعد اللہ احمدی ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

قادریہ ۔ غوث صمدانی قطب ربانی ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانی ۔ عماد الدین ابو نصر ۔ محمد محسن ۔ عبدالقادر ۔ سید موسیٰ ۔ احمد جیلی ۔ ابراہیم ایرچی ۔ احمد عبدالقدوس گنگوہی ۔ علامہ رکن الدین گنگوہی ۔ مخدوم عبدالاحد ۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی ۔ خواجہ محمد سعید ۔ شاہ گل عبدالاحد ۔ محمد عابد سنامی ۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید ۔ عبداللہ غلام علی علوی ۔ سید شاہ سعد اللہ ۔ محمد فضل اللہ ۔

کرامت حضرت بحرالعلوم کے دادا مولانا فضل اللہ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نماز میں ہوتے ۔ بچے دوڑتے بھاگتے کھیلتے رہتے ۔ بعض وقت بچے کھیلتے کھیلتے مولانا کے پاس پہنچ جاتے ۔ ایک بچہ حضرت کا ایک پیر پکڑ لیتا اور دوسرے سے کہتا یہ پیر میرا ہے اور پیر کو اٹھانے کی کوشش کرتا ۔ مولانا دوران نماز پیر زمین سے اٹھالیتے ۔ دوسرا بچہ دوسرے پیر سے لپٹ جاتا اور کہتا یہ پیر میرا ہے اور پیر کو اٹھانے کی کوشش کرتا دوسرا پیر بھی زمین سے اٹھالیتے اور نماز جاری رہتی ۔ اس وقت تک حالت قیام میں رہتے جب تک بچے خود سے چلے نہ جاتے ۔

اور متعدد طریقوں نقشبندیہ ۔ مجددیہ ۔ قادریہ ۔ چشتیہ ۔ سہروردیہ ۔ اور کبرویہ کے سلوک طے کئے ۔ اور مرشد کی خلافت اور اجازت بیعت سے سرفراز ہوئے ۔ حضرت غلام علی شاہ نقشبندی کے وصال ۲۲ ۔ صفر ۱۲۴۰ ھ م ۱۸۲۰ ء کے بعد بغرض حج و زیارت حرمین شریفین کا سفر فرمایا ۔ بعد حج وزیارت بر بناء حکم نبویؐ جو آپ کو باطناً ہوا تھا ہندوستان واپس آئے اور ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء بزمانہ ناصرالدولہ بہادر آصفجاہ رابع حیدرآباد تشریف لائے ۔ اور مسجد الماس اندرون دروازہ علی آباد فروکش ہوئے ۔ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا ۔ دو سال یہاں مقیم رہنے کے بعد جیون خاں قلعدار گولکنڈہ کے باغ واقع مغلپورہ میں منتقل ہوئے یہاں بھی دو سال قیام رہا ۔ اسی عرصہ میں آپ نے اردو شریف میں نواب جہاں کے باغ کا ایک حصہ خرید لیا ۔ اور اس حصہ میں منتقل ہوکر مستقل سکونت اختیار کرلی ۔ ابتداءً حافظ مولوی عبدالرحیم صاحب (فرزند قادر نواز خاںؒ نے جو حضرت کے مرید تھے) اسی حصہ میں ایک سفالی مسجد اور ایک حوض بنوا دیا تھا ۔ جہاں حضرت سعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجوقتہ نماز باجماعت ادا فرماتے تھے ۔ بعد میں حضرت نے اس کو پختہ اور خوبصورت مسجد میں تبدیل فرما دیا ۔ اور اپنے لئے رہائشی مکان اور مریدوں کے لئے خانقاہ بنوائی جو خانقاہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہوئی ۔ حضرت بالکل متوکل تھے ۔ ہر وقت ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے ۔ حضرت کے توکل اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ چندو لعل دیوان ریاست حیدرآباد اور دوسرے نوابوں اور امیروں نے گزر بسر کے لئے تنخواہ اور یومیہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت نے قبول نہیں فرمایا ۔ اس قدر توکل کے باوجود ایک

حضرت (بحرالعلوم عبدالقدیر) بطور اظہار تشکر فرمایا کرتے تھے ۔ "میرا ننھیال اگر اچھا ہے تو میرا دادھیال بھی اچھا ہے ۔ کیسے کیسے لوگ گذرے ہیں "۔

انتقال حضرت مولوی فضل اللہ صدیقی کا انتقال مرض ہیضہ میں بتاریخ ۱۵ ۔ ذیقعدہ ۱۲۸۳ ھ روز جمعہ بوقت ظہر ہوا ۔ کثرت باراں کے باوجود مولانا کی تجہیز و تکفین میں خلائق کی کثرت تھی ۔

حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی گنبد کے بیرونی گوشہ میں گنبد سے ملحق مدفون ہیں ۔

مندرجہ ذیل تاریخ انتقال مولوی حافظ الحاج سید غلام غوث صاحب شطاری نے کہی ۔

حضرتِ مولوی فضل اللہ — آنکہ بد ناظمِ عدالتہا
عالم و حافظِ کلامِ حق — زاہد و متقی و مردِ خدا
زود ناحق زحق جدامیشد — پیشِ انصاف و عدل اوقضا
حیف صد حیف ایں چنیں عادل — گشت پنہاں زچشم ہائے ما
بہر سالِ وفاتِ او گفتم — از جہاں رفت عادلِ یکتا

ولـہ ایضا

بود جناب فضل اللہ — والہ حضرت سعد اللہ
دیدہ نہ دیدہ مانندش — عالم و حافظ حق آگاہ
میرِ عدالتہا دکن — ملک نظام آصفجاہ
خلق خدا شد از عدلش — از باطل ہا سوئے راہ
عاش تقیا فی الدنیا — حتی اذاجآء امر اللّٰہ
راح الی دار الخلد — صارلہ فیھا مثواہ
بہر سنش ہاتف گفتہ — رہنمائے فضل اللہ

"مولوی حاجی محمد فضل اللہ "۔ ۱۲۸۳ ھ

"حافظ مرحوم " ۱۲۸۳ ھ

سو نفوس مریدین و معتقدین حضرت کے دستر خوان پر ہم طعامی کا شرف حاصل کرتے تھے ۔ حضرت کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی اپنے مریدوں کو روزانہ دو وقت بعد نماز فجر اور بعد نماز عصر حلقہ بنا کر بٹھاتے اور مراقبے کی تعلیم دیتے تھے ۔ حضرت دونوں پاؤں کے معذور تھے اس لئے چل پھر نہیں سکتے تھے ۔ خاص خاص موقعوں پر جب کبھی باہر نکلتے تو اپنے کسی مرید کی پیٹھ پر سہارا لے کر نکلتے تھے ۔ شاہ صاحب اپنے وقت کے صاحب کمال بزرگ گزرے ہیں ۔

۲۸ ۔ ماہ جمادی الاول ۱۲۷۰ ھ / ۱۸۵۴ء بعہد آصفجاہ رابع انتقال فرمایا اور اردو شریف ہی میں دفن ہوئے ۔ مزار پر حضرت کے مرید و خلیفہ مولوی محمد حسین مرحوم نے عالیشان گنبد بصرفہ ذاتی تعمیر کروایا ۔ حضرت کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے ۔

سلسلہ مادری حضرت محمد فضل اللہ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا مادری سلسلہ حسب ذیل ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ ۔ حضرت امام حسین ۔ حضرت امام علی زین العابدین ۔ حضرت امام محمد باقر ۔ حضرت امام جعفر صادق ۔ حضرت امام موسیٰ کاظم ۔ حضرت امام علی رضا ۔ حضرت امام محمد تقی ۔ حضرت امام علی نقی ۔ حضرت امام حسن عسکری ۔ خواجہ ابراہیم ۔ خواجہ عبید اللہ ۔ خواجہ مودود چشتی ۔ شیخ محمد حسین ۔ شیخ محمد تاج ۔ شیخ محمد ۔ شیخ محمد حسین ۔ شیخ محمد تاج ۔ خواجہ فتح اللہ نظام بدوی ۔ خواجہ محمد عیسیٰ تاج ۔ خواجہ احمد عیسیٰ تاج ۔ محمد صدر خواجہ حسین ۔ خواجہ محمد ۔ شیخ فضل اللہ ۔ شیخ محمد ۔ شیخ فضل اللہ ۔ شیخ محمد وارث ۔ محمد فضل اللہ ۔ شیخ محمد وارث ۔ محمد فضل اللہ ۔ فتح الدولہ ۔ غلام خواجہ سرور (اکرام جنگ) شمس النساء ۔ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

حضرت محمد فضل اللہ صدیقی کو عائشہ بیگم بنت حضرت حکیم غلام حسین خان صاحب فاروقی کے بطن سے چھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بوقت وصال موجود تھے۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ۔

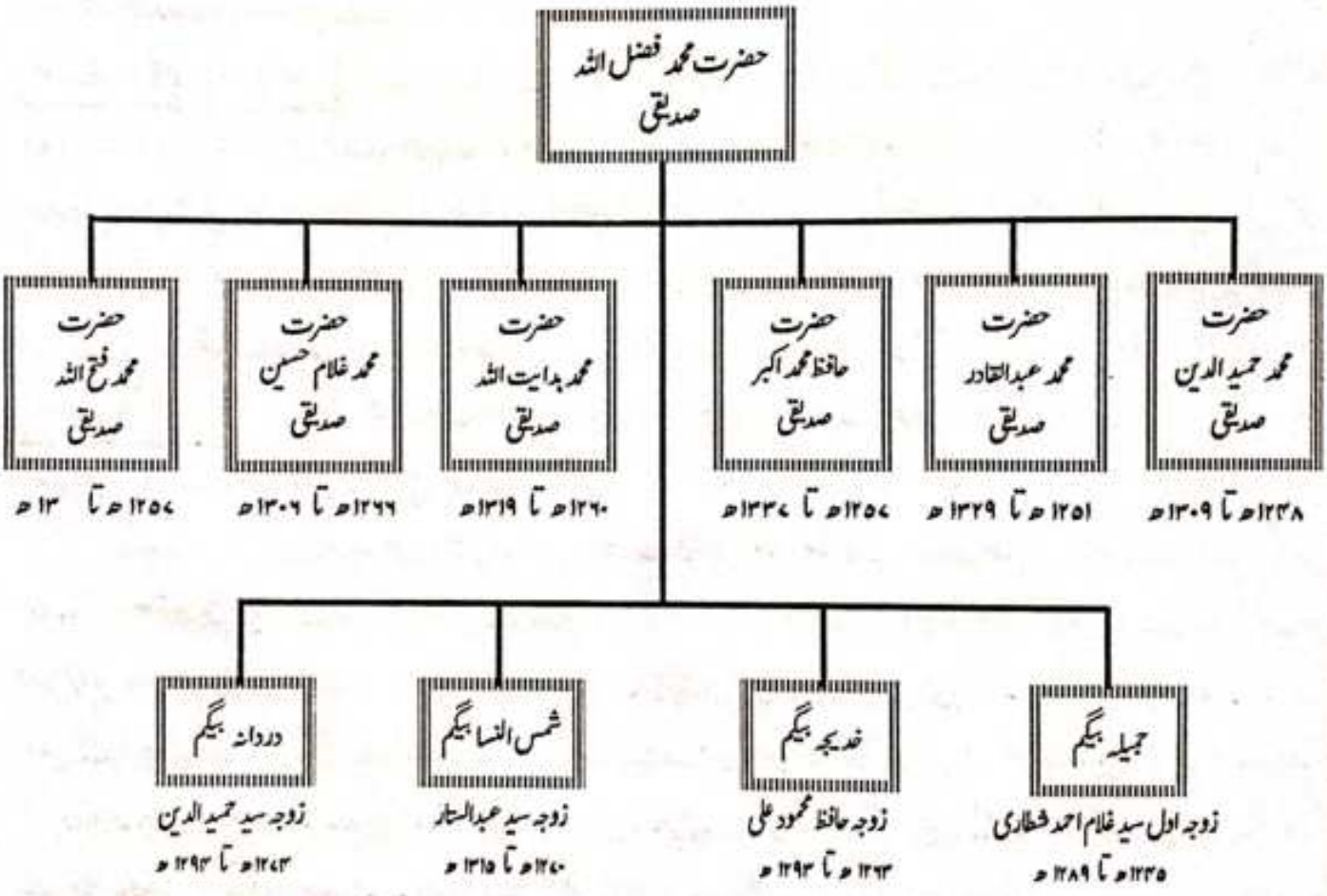

حضرت الحاج مولانا شاہ محمد عبدالقادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد فضل اللہ صدیقی قدس سرہ کے فرزند دوم حضرت مولانا شاہ محمد عبدالقادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ بیگم بنت حکیم غلام حسین خان صاحب فاروقی کے بطن سے ہیں ۔ ولادت ۹ ۔ ربیع الآخر ۱۲۵۱ ہجری میں ہوئی ۔

ذوقِ تعلیم و مطالعہ ابتدائی تعلیم اپنے برادر اکبر محمد حمید الدین صدیقی کے ساتھ مولوی عبداللہ خان صاحب سے پائی ۔ مولانا کے اساتذہ میں مولوی محمد زماں خاں صاحب شاہجہاں پوری ، مولوی نیاز محمد صاحب اور حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ قابلِ ذکر ہیں ۔ جن سے مولانا نے علوم مشرقیہ کی تعلیم حاصل کی ۔ بالخصوص حدیث ، فقہ اور تفسیر کی تکمیل کی ۔

مولانا کو حصولِ علم کا ذوق اور مطالعہ کتب کا بے حد شوق تھا ۔ رفتہ رفتہ اتنی کتابیں خریدیں اور فراہم کیں کہ مختلف علوم و فنون پر حاوی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ۔ جس میں نایاب اور بیش قیمت کتابیں تھیں ۔ چنانچہ ایک بڑے کتب خانہ کی شکل پیدا ہوگئی ۔

مولانا کے برادر نسبتی حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے یہاں بھی بڑا کتب خانہ تھا پھر بھی وہ مولانا کے کتب خانہ سے کتابیں مستعار لے جاتے اور مطالعہ فرماتے تھے ۔

علمائے اسلام سے روابط بلا دالسلامیہ کے نامور علماء و فضلاء بھی مولانا سے بخوبی واقف تھے چنانچہ شرعی مسائل میں اشکال پیدا ہوجاتا اور اس سلسلہ میں علمائے اسلام سے رجوع کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی تو باہر کے علماء کے پاس سے مختلف استفتاء مولانا کی خدمت میں بھی آتے رہتے اور مولانا اپنی رائے سے ان کو مطلع بھی فرمایا کرتے ۔ جب کوئی تصنیف شائع ہوتی تو مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی جاتی ۔ چنانچہ حضرت کے چھوٹے فرزند مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی نے فرمایا ۔ ایک دفعہ میرے والد ماجد نے مجھے ایک کتاب دے کر فرمایا کہ " یہ کتاب تمہارے بڑے ماموں (یعنی خواجہ میاں صاحبؒ) کو دے کر کہو یہ کتاب مصر سے آئی ہوئی ہے " ۔

تصنیف و تالیف مولانا خود بھی صاحب تصنیف و تالیف تھے ۔ چنانچہ ان کی مؤلفہ و مصنفہ کتابیں حسب ذیل ہیں جن کا ذکر تاریخ شمسیہ میں موجود ہے ۔ مگر افسوس کہ یہ کتابیں اب ناپید ہیں ۔

تذکرہ قادریہ ۔ چہار گلزار شہداء ۔ منازل السالکین ۔ مقامات شاکرین تحفہ نقشبندیہ ۔ صد پند نعمان ۔ چراغ ہدایتِ نسوان ۔ گوہر مقصود ۔ رد معقولات مجمع الحسنات ۔ شمس الضحیٰ ۔ بدرالدجیٰ ۔ تحفۃ العاشقین ۔ نور الہدیٰ ۔ تبلیغ الاحکام فی مسائل آداب الطعام ۔ کوکب آسمانجاہی المعروف بہ مونس الاحناف ، آخر الذکر کتاب سترہ (۱۷) جلدوں میں ترتیب دی گئی تھی جو تشنۂ تکمیل رہی ۔ مؤلفِ تاریخ شمسیہ نے جو مولانا کے حقیقی بھتیجے تھے لکھا ہے کہ " اس کتاب کی تالیف میں مولوی صاحب نے اس قدر محنت اٹھائی کہ آپ کی بصارت نہایت کمزور ہوگئی ۔ جس کی وجہ سے باقی حصہ کتاب کا ملتوی رہ گیا ۔ تاریخ ہذا (تاریخ شمسیہ) کی ترتیب کے وقت مجھ کو مولوی صاحب مرحوم سے بہت مدد ملی ۔ آپ کو نہ صرف ہمارے خاندان سے متعلق معلومات عامہ حاصل تھے بلکہ ہمارے ملک کے حالات سے بھی آپ کو پوری واقفیت حاصل تھی " ۔

کتاب " مونس الاحناف " کی ایک نقل رہ گئی ہے جو ترکہ میں آدھی کتاب حضرت بحرالعلوم کے حصہ میں آئی اور آدھی کتاب مولانا عبدالمقتدر صاحب صدیقی کے حصہ میں گئی ۔

مولانا عبدالمقتدر صاحب کے فرزند اکبر محمد عبدالغفور صدیقی مرحوم نے خود بیان کیا تھا کہ " حیدرآباد کے ایک اسکالر دورانِ تعلیم یا دورانِ تحقیقات علمیہ جرمنی پہنچے تو جرمنی کے کتب خانہ میں ایک شوکیس میں بڑے اہتمام سے ایک ضخیم کتاب رکھی دیکھی ۔ تعارفی کارڈ کو دیکھا تو کتاب کا نام "کوکب آسمانجاہی " المعروف بہ موئد الاحناف " مؤلفہ مولانا محمد عبدالقادر صدیقی لکھا ہوا تھا ، اور صراحت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب حیدرآباد انڈیا کے ایک زبردست عالم کی مرتب شدہ اور خود ان کی قلمی ہے "۔

نہ معلوم وہ کتاب یہاں سے کس طرح غائب ہوئی اور شدہ شدہ جرمنی کے کتب خانہ میں کیونکر پہنچی ۔ اس بات کو سننے کے بعد اتنا تو اندازہ ہوا کہ باہر کے لوگوں میں علم اور علماء کی کس حد تک قدردانی ہے ۔

مزاج ، شخصیت ، فنونِ سپہ گری مولانا کو فنون سپہ گری میں بھی کافی دسترس تھی ۔ نہایت شجیع اور بہادر تھے ۔ ہاتھ میں تلوار ہمیشہ مسلح ، مرد مجاہد ، بارعب چہرہ ، متاثر کن شخصیت ، بڑی سے بڑی طاقت مولانا کی نظروں میں ہیچ تھی ۔ صاحبانِ ثروت اور امرائے وقت کو خاطر میں نہ لاتے ۔ حق بات کہہ دینے میں بڑے بے باک ۔ کسی کی امارت کی پروا کئے بغیر حق بات منہ پر کہہ دیتے ۔ مزاج میں گرمی تھی ۔ مولانا کے ان اوصاف نے جہاں انھیں فائدہ پہنچایا وہیں خود ان کے لئے نقصان کا باعث بھی ثابت ہوئے ۔ چنانچہ آنے والے واقعات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوگا ۔

اپنے والد بزرگوار کی موجودگی ہی میں نواب سر سالار جنگ بہادر سے اپنے امور شخصی طور پر بلا واسطہ خود طے کرلیا کرتے ۔ نواب صاحب کو مولانا کی ہمت و شجاعت اور مستعدی بہت پسند تھی ۔ وہ اس بات کے متلاشی تھے کہ کوئی مناسب خدمت مولانا کے تفویض کی جائے ۔ چنانچہ جب حالاتِ سلطنت کے مدنظر محکمہ قضایائے عروب کے قیام کی ضرورت لاحق ہوئی تو مولانا ہی کو اس محکمہ کا ناظم مقرر فرمایا۔

مولانا کے اجلاس پر قتل کے مقدمات پیش ہوتے ۔ ان مقدمات کی سماعت کرنا ، فیصلہ دینا ، اور مطابق فیصلہ عمل آوری کروانا مولانا کے حصہ کی بات تھی ۔ اجلاس پر جاتے تو دونوں جیبوں میں لوڈکئے ہوئے پستول ساتھ رہتے ۔ بھرے اجلاس پر بعض وقت دورانِ سماعتِ مقدمہ یا بموقع فیصلہ مجرمین کی جانب سے مولانا پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے ۔ باوجود اس کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آسکی ۔ عروب کی جہالت محتاج بیان نہیں ۔ مولانا نے نہایت جرأت اور بہترین صلاحیت کا مظاہرہ کیا ۔ سر پھرے اور حد درجہ بے قابو عروب کو مطیع کیا ۔ ان سرکش جاہل عربوں کو جو ذرا ذرا سی بات پر لڑنے بھڑنے اور مارنے مرنے پر تل جاتے تھے اپنے اثر سے قابو میں کیا ۔

ایک خاص واقعہ یہاں ایک واقعہ قابل ذکر ہے جس سے مولانا کی شجاعت ، دلیری ، مردانگی اور بلند حوصلگی کا ثبوت ملتا ہے ۔

عبداللہ بن علی جمعدار جو قبیلہ عولق کے سرداروں میں سے تھا ۔ اور جس کی دیوڑھی قاضی پورہ میں واقع تھی ، اس کے ماتحت ہزار سے زائد عروب تھے ۔ جن میں سے ہر روز دو سو عروب پہرہ پر حاضر رہا کرتے ۔ ایک مرتبہ جمعدار مذکور نے ایک قاتل کو پناہ دی ۔ حکومت نے قاتل کو طلب کیا ۔ اس نے حوالہ کرنے سے انکار کردیا ۔ بہت کوشش کی گئی مگر بے سود ۔ اس پر زیادہ سختی عروب کے اشتعال کا باعث بنتی ۔ مصلحت سے کام نکالنے کی غرض سے یہ مہم مولانا کے سپرد کی گئی کہ مولانا قاتل کو جمعدار کی تحویل سے حاصل کرکے حکومت کے

حوالے کردیں ۔ چنانچہ مولانا اس کی دیوڑھی پر گئے اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی ۔ جمعدار نے مولانا کو دیوڑھی میں بلایا ۔ مولانا تنہا اس کے پاس پہنچے ۔ اچانک اور بے وقت آنے کا سبب پوچھا ۔ مولانا نے ارشاد فرمایا ۔ میں قاتل کو تمہاری تحویل سے گرفتار کرکے لے جانے آیا ہوں ۔ اتنا سننا تھا کہ وہ لال پیلا ہوگیا ۔ پھر طنزیہ ہنسا اور درشت لہجہ میں کہا ۔ بھلا عبداللہ بن علی کی دیوڑھی سے گرفتار کرکے لے جانے کا کس میں حوصلہ ہے ۔ اور اشارہ سے پہرہ کے عروب کی طرف مولانا کو متوجہ کیا ۔ مولانا نے دیکھا کہ دو سو عرب مولانا کا محاصرہ کئے کھڑے ہیں اور بندوقوں کی نالیاں مولانا کی طرف ہیں ۔ مولانا پر فائر کرنے صرف حکم کی دیر ہے ۔ مولانا نے نہایت لا پروائی اور حقارت سے ان کی طرف دیکھا اور جذبہ میں آکر جمعدار سے کہا ۔ میں ایسی باتوں سے گھبرانے والا نہیں ۔ میں بادشاہ کا نمک خوار ہوں ۔ اس کو یہاں سے لئے بغیر نہ جاؤں گا ۔ عبداللہ بن علی مولانا کے خسر محترم حضرت بادشاہ میاں صاحبؒ کا بے حد معتقد تھا ۔ مولانا کی ہمت ، عزم اور استقلال دیکھ کر کہنے لگا ۔ کیا کروں بادشاہ میاں کی صورت آڑے آرہی ہے کیونکہ آپ ان کے داماد ہیں ۔ قاتل کو مولانا کے حوالے کردیا ۔ مولانا نے وہیں اس کو ہتکڑی پہنائی اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس کو دیوڑھی سے باہر لے آئے اور حکومت کے حوالے کردیا ۔

اسی قبیل کے کتنے ہی خطرناک موقعوں پر مولانا نے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر وہ حیرت انگیز کام انجام دیئے کہ شاہ و گدا سب نے آفریں و مرحبا کی صدائیں بلند کیں ۔ رعایا امراء اور عہدہ داران ریاست کی نظروں میں مولانا کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا ۔

خدمت سے سبکدوشی ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مدار المہام سرکار عالی سے کسی بات میں مولانا کا شدید اختلاف ہوگیا ۔ بات آگے بڑھ گئی ۔ ادھر کرسی حکومت کا زور اور ادھر استغناء و بے باکی کا مظاہرہ بات بگڑتی گئی نوبت بہ انجار سید کہ مولانا کو طبیعت کے غصہ کی بناء پر خدمت ہی سے ہاتھ دھونا پڑا ۔ مدار المہام کے عہدہ کے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت نے ۱۲۹۰ ہجری میں مولانا کو خدمت سے سبکدوش کردیا ۔ مگر ساتھ ہی ان کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے سرکار کی جانب سے ماہانہ دو سو چلنی منصب ان کے فرزندوں کے نام اجراء کردیئے گئے ۔

سفرِ حرمین شریف خدمت سے ہٹنے کے بعد مولانا کی ساری توجہ تصنیف و تالیف اور خدمتِ دین کی طرف منعطف ہوگئی ۔ چنانچہ جب خوشدامن صاحبہ (محل مبارک حضرت میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینیؒ) اپنے شوہر کے وصال کے بعد دوسری مرتبہ اپنے فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے ہمراہ عازم سفر حرمین شریفین ہوئیں تو اس سفر میں حضرت خواجہ محبوب اللہ کی اہلیہ محترمہ اور برادرِ خورد حضرت سید عمر قادری ۔ بہن اور بہنوئی (یعنی مولانا محمد عبدالقادر صدیقی) اور دونوں خرد سال صاحبزادگان یعنی حضرت بحرالعلوم اور مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی سفر میں ساتھ ہوگئے ۔ مولوی محمد فتح اللہ صدیقی بیان فرماتے ہیں کہ صغر سنی سے ہی اپنے برادر محترم مولانا محمد عبدالقادر صدیقی کے زیر پرورش تھا اس لئے اس سفر میں بھی ساتھ تھا ۔

سلاسلِ بیعت و خلافت مولانا محمد عبدالقادر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو حسب ذیل شیوخ سے مختلف سلاسل میں بیعت و خلافت حاصل تھی ۔

۱ ۔ والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد فضل اللہ صدیقی ۔

۲ ۔ حضرت شاہ فضلِ رسول صاحبؒ (مولانا کے استاد بھی تھے)

۳ ۔ حضرت سید شاہ سعد اللہ صاحبؒ ۔ ۴ ۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ (بزمانہ حج)

وصال و تدفین مولانا کا وصال ۳ ۔ ذی الحجہ ۱۳۲۹ ہجری کو ہوا ۔ آپ کے داماد حضرت سید شاہ اصغر حسینیؒ کے منشاء کی بناء پر احاطہ درگاہ شاہ خاموشؒ میں مدفون ہوئے ۔

مولانا کی جملہ اولاد کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ ذیل۔

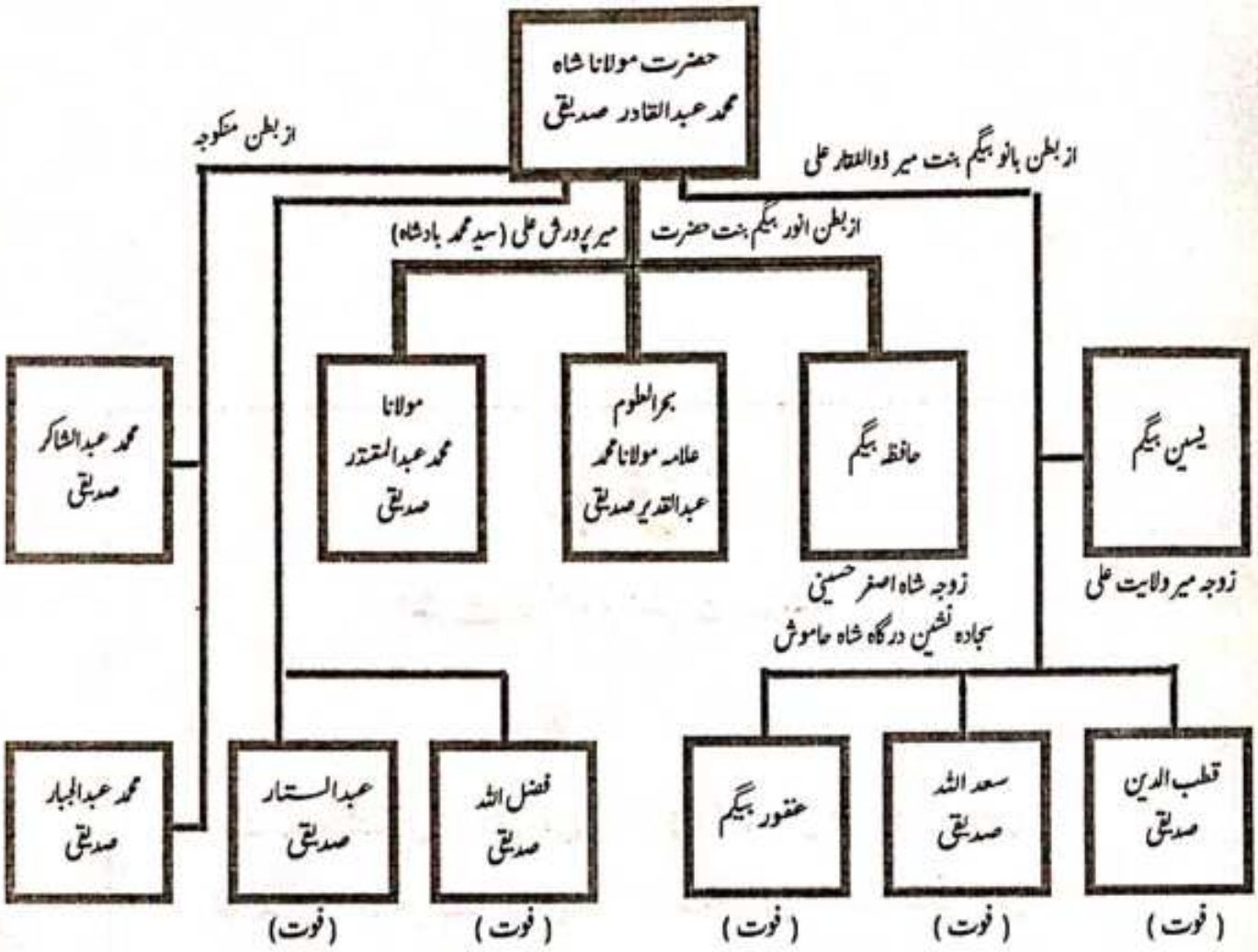

رباعی

حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ

دست رب العلےٰ میں کٹھ پتلی ہوں — چلتا پھرتا ہوں اور مردہ بھی ہوں
دادا صدیقؒ اور مرشد صدیقؒ — صدیقی ہوں جناب صدیقی ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحرالعلوم علاّمہ مولانا محمدّ عبدالقدیر صدیقی کا

ننھیال

حضرت کے ماموں اور مرشد

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے

خاندان کی خدمات

ننھیال

صفحہ

حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ کے جدِ اعلیٰ کی ہند میں آمد ۳۳

حضرت خواجہؒ کے جدِ امجد کی برہان پور سے دکن میں آمد ۳۴

برہان پور سے دکن میں طلبی ۔ وصال ۔ اولاد ۳۴

حضرت میر پرورش علیؒ (سید محمد بادشاہ حسینیؒ) ۳۵

وظیفۂ سرکار ۔ حج و زیارت ۔ لیاقت ۔ قاضی پورہ میدانِ کارزار ۳۵

درسِ تفسیر و حدیث ۔ مسجد النور ۔ رحم دلی ۔ بے نفسی ۔ شعر گوئی ۳۶

بیعت و خلافت ۔ پابندیٔ شریعت و اتباعِ سنت ۳۷

وصال ۳۸

حضرت سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ ۴۰

''ہمارا بچہ'' ۔ دربارِ رسالتؐ سے عطائے خطابات ۔ حلیۂ ۔ رعب داب ۔ لباس ۔ مسلک ۴۰

مطالعہ اور تبحرِ علم ۔ حفظِ قرآن ۔ خداداد حافظہ ۔ شریعت کی پابندی ۔ مقامِ غوثیت اور سیرِ باطنی ۴۱

معاصرین کی نظر میں مرتبہ ۴۲

جامعیت ۴۳

ارشاداتِ عالیہ ۴۴

وصال ۴۵

حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ کی اولاد ۴۷

حضرت سید محمد عثمان حسینیؒ ۴۷

حضرت سید محمد یحییٰ حسینیؒ ۴۸

حضرت سید محمد باقر حسینیؒ ۵۰

حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ کے بھائی اور اُن کی اولاد ۵۳

حضرت سید احمد علی شاہؒ ۵۳

حضرت سید شاہ محمود ملکیؒ ۵۴

حضرت سید عمر حسینی قادریؒ ۵۹

شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادریؒ (فرزند حضرت سید عمر حسینیؒ) ۶۳

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ کے جدّ اعلیٰ کی ہند میں آمد

حضرت خواجہ محمد صدیق قدس سرہ کے جد اعلیٰ حضرت سید محی الدین قدس سرہ ، بعہد اورنگ زیب عالمگیر بغداد سے واردِ ہندوستان ہوئے اور ایک عرصہ تک آپ کا خاندان برہان پور میں مقیم رہا ۔ چنانچہ حضرت سید محی الدین قدس سرہ کے پوتے حضرت سید اولیاء ابن سید معین الدین قدس سرہ کا مزار مبارک برہان پور میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ جو مقبرہ سید اولیاء کے نام سے مشہور ہے ۔ اور ہر سال بڑے پیمانہ پر عرس بھی ہوتا ہے ۔

حضرت سید محی الدین کا سلسلہ نسب بیس واسطوں سے امام محمد تقی تک پہنچتا ہے ۔ اس طرح حضرت خواجہ سادات حسینیہ سے ہیں ۔

شجرہ نسبی حسب ذیل ہے ۔

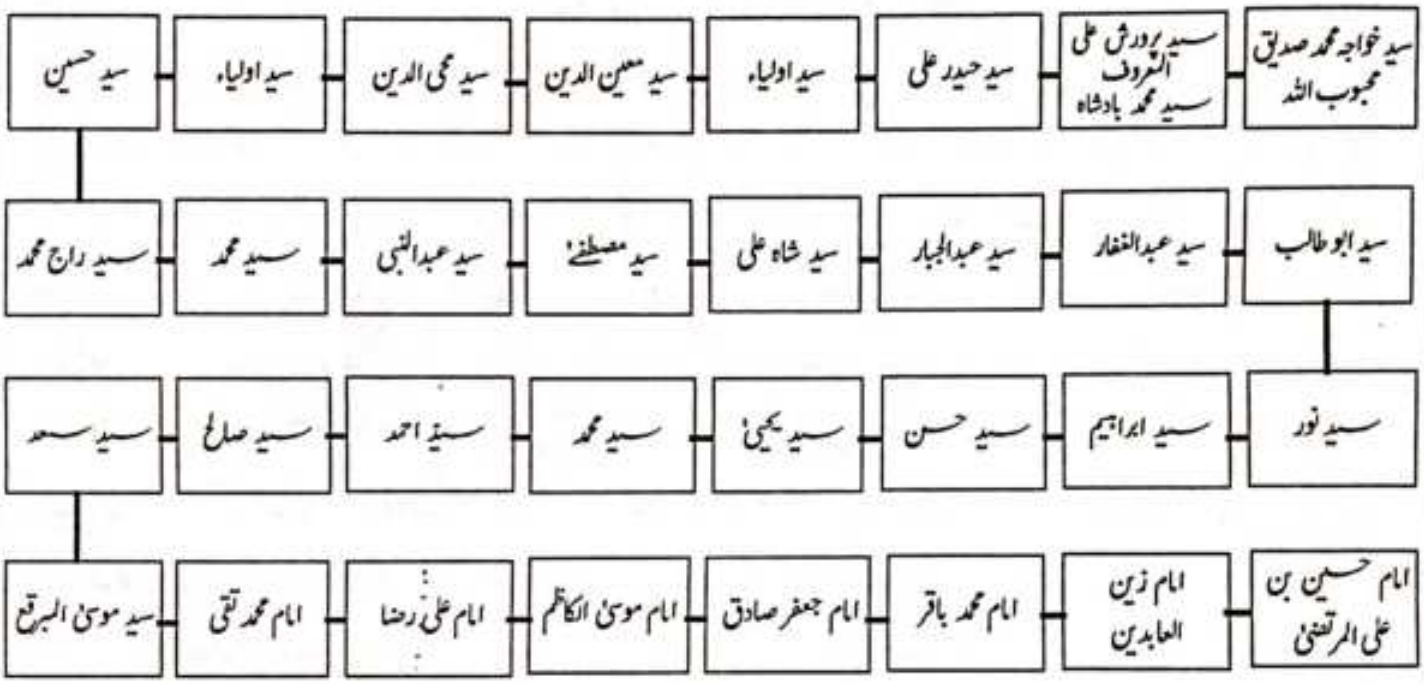

حضرت خواجہ کے جدِ امجد کی برہان پور سے دکن میں آمد

حضرت خواجہ محمد صدیق کے جد امجد حضرت میر حیدر علی ابن سید اولیاؒ عربی اور فارسی کے جید عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ ان کو ورثہ میں علم و فضل اور تقویٰ اور طہارت کے ساتھ ساتھ شجاعت و سخاوت کے جوہر بھی ملے۔ بڑے بہادر تھے۔ اور فنون سپہ گری میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

برہان پور سے دکن میں طلبی دشمنانِ سلطنت آصفیہ کی سرکوبی کے لئے اطراف و اکناف سے مسلمان بہادر افسر لے جانے لگے تو والی دکن نواب میر نظام علی خان نے حضرت میر حیدر علی خان کو برہان پور سے طلب فرمایا۔ ان کے ساتھ خاندان پنج بھیا بھی واردِ دکن ہوا۔ پنج بھئیوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان میں چار حقیقی بھائی حضرت زید شہید بن سیدنا امام زین العابدین کی اولاد سے تھے۔ اور ایک ان چاروں کے دوست تھے۔ جن سے کوئی نسبی تعلق نہ تھا صرف آپس کے برادرانہ تعلقات کی وجہ سے (پنج بھئیے) پانچ بھائی سمجھے جاتے تھے۔ اور پنج بھیوں کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ یہ پانچوں تختِ دہلی کے ملازم اور اپنی شجاعت و جوانمردی میں شہرہ آفاق تھے۔ حضرت میر حیدر علی خان کے ساتھ یہ حضرات سرزمین دکن پر قدم رکھتے ہی دشمنانِ سلطنتِ آصفیہ کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف ہوگئے فتح و ظفر ان پانچ بہادروں کے ہمرکاب تھی۔ پنج بھیوں میں کے ایک نواب باقر علی خان کے تفصیلی کارنامے تواریخ رشید الدین خانی و گلزار آصفیہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ دشمنوں کی سرکوبی اور امن و امان کی بحالی کی خوشی میں ان پانچ بہادروں کے نام شاہ وقت کی جانب سے بڑے بڑے مناصب اجراء ہوئے۔ خان بہادر کے خطابات، سلحداریاں اور میانے بھی عطا ہوئے۔ علاوہ ازیں تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت میر حیدر علی خان کے علم و فضل اور خدارسی اور بزرگی کی دکن میں شہرت ہوگئی۔ اور لوگ حضرت سے بیعت کرنے لگے۔ انھیں اوصاف کی بناء پر آپ کو ولیعہد وقت شہزادہ نواب افضل الدولہ بہادر کی اتالیقی کی خدمت بھی سپرد کی گئی۔ اور سرکاری تحریرات میں آپ کو میر حیدر علی اکبر۔ سیادت پناہ "کے خطاب سے مخاطب کیا جانے لگا۔ نام کے ساتھ اکبر کا لفظ اس لئے بڑھایا گیا کہ پنج بھیوں میں میر حیدر علی خان نامی ایک اور صاحب بھی موجود تھے جو چھوٹے میر حیدر علی خان کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔

مخفی مباد کہ اس زمانہ میں ذاتی اعزاز کا اعتبار کرتے ہوئے سرکاری تحریرات میں سیادت پناہ، شجاعت شعار، رفعت پناہ، حقائق آگاہ جیسے خطاب سے صاحبان فضل و کمال کو مخاطب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اور بھی حضرات سیادت پناہ کے خطاب سے مخاطب کئے جاتے تھے۔

حضرت کو بیعت و خلافت سلسلہ عالیہ قادریہ، نقشبندیہ ورفاعیہ میں اپنے والد ماجد سے تھی۔

وصال ۲۰ جمادی الاخری ۱۲۵۸ ہجری کو واصل بحق ہوئے۔ حضرت کا مزار قریب درگاہ حضرت برہنہ شاہؒ، مقبرہ حضرت سید عبداللہ شہید واقع ہے۔ جو مقبرہ شہداء کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت عبداللہ شہیدؒ اور حضرت میر حیدر علی خانؒ کا مزار ایک ہی چبوترہ پر واقع ہے۔

اولاد آپ کی زوجہ محترمہ الفت النساء بیگم بنت سید باقر علی خاں ابن سید غلام حسین خاں شہید تھیں۔ جن کے بطن سے آپ کے بوقت وصال ایک صاحبزادہ میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی اور ایک صاحبزادی وقار النساء بیگم بقید حیات تھے۔

ملاحظہ ہو شجرہ

حضرت میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی المتخلص بہ شاہ

حضرت میر حیدر علی خاں قدس سرہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادہ میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی اپنے والد کے جانشین ہوئے ۔ یہ بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح متقی و پرہیزگار تھے ۔ اس لئے مناصب اور سرکاری اعزازات کی برقراری کے ساتھ ساتھ شہزادہ صاحب کی اتالیقی کی خدمت پر بھی اپنے والد کی جگہ فائز کئے گئے ۔ اس خدمت کو انھوں نے ایک عرصہ تک انجام دیا ۔ جب ارض مقدس حجاز کا سفر کیا اور دربار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو اتالیقی کی خدمت سے یہ کہہ کر مستعفی ہوگئے کہ - ایسی بڑی سرکار میں ہاتھ باندھنے کے بعد اب میں کسی اور کے سامنے ہاتھ باندھنا نہیں چاہتا - اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی ۔

وظیفہ سرکار نواب افضل الدولہ بہادر نے اپنے دور حکومت میں حضرت کی گزر بسر کے لئے از خود کچھ وظیفہ مقرر فرما دیا تھا جس کو حضرت نے قبول فرمالیا اور قوت بسری کے لئے اسی وظیفہ پر اکتفا کیا ۔ اس طرح فکر معاش سے آزاد ہوکر مجاہدات ، عبادات ، خلق اللہ کی خدمت وابستگان سلسلہ کی روحانی تربیت اور تشنگانِ علم و معرفت کی فیض رسانی میں مصروف ہوگئے ۔

حج وزیارت حضرت سید محمد بادشاہ حسینی نے بارہ یا تیرہ حج وزیارت کا شرف حاصل فرمایا ۔ ایک مرتبہ مع زنانہ بھی تشریف لے گئے تھے ۔ چنانچہ ایک صاحبزادہ حضرت سید محمود مکی مکہ معظمہ ہی میں تولد ہوئے ۔

لیاقت حضرت بادشاہ حسینی عربی ادب میں فرد فرید اور فارسی کے بہترین انشاپرداز تھے عربی اور فارسی میں بے تکلف گفتگو فرماتے تھے ۔ اس زمانے میں دکن میں عربوں اور سدیوں کی کثرت ہوگئی تھی ۔ کیونکہ شاہانِ وقت کو انھیں ملازم رکھنے کا بے حد شوق تھا ۔ چنانچہ یہاں کے عربوں اور سدیوں کا سب سے بڑا جمعدار عبداللہ بن علی مدبر جنگ تھا جو قبیلہ عولق کے بڑے سرداروں میں سے تھا ۔ اس کے متعلقین اور ماتحتین کی تعداد کم و بیش ایک ہزار تھی ۔ قاضی پورہ کے جانبِ غرب ہنج بھیوں کی اولاد مقیم تھی ۔ اور شمال مغرب میں سکھ قوم کی آبادی ترقی کرگئی تھی ۔ درمیانی حصہ میں عبداللہ بن علی مدبر جنگ مع عربوں اور حبشیوں کے ساتھ مقیم تھا ۔ اس سے یہ حصہ عرب کا ایک خطہ نظر آتا تھا ۔ اس طرح قاضی پورہ جنگجو اقوام کا مرکز بنا ہوا تھا ۔

قاضی پورہ میدانِ کارزار عرب اور ہنج بھیے حضرت سید محمد بادشاہ حسینی سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور ان میں سے اکثر کو آپ سے بیعت حاصل تھی ۔ جب کبھی ان جنگجو اقوام میں فساد برپا ہوتا تو اس سے تمام شہر خطرے میں پڑجاتا ۔ ان میں باہم تصفیہ کے لئے حضرت ہی مقرر ہوتے اور ایک فریق کو سمجھا بجھا کر فساد کو دفع فرمادیتے ۔ اس زمانہ میں سب سے بڑا فساد سکھوں اور عربوں کے درمیان برپا ہوا ۔ جس میں فریقین کی بہت ساری جانیں تلف ہوئیں ۔ کہتے ہیں کہ یہ جھگڑا نماز کے وقت باجا اور گھنٹے بجانے پر شروع ہوا عربوں نے سکھوں کو بہت کچھ فہمائش کی مگر انھوں نے اپنی کثرت کے گھمنڈ میں ایک نہ مانی ۔ اطراف و اکناف سے سکھ جمع ہونے لگے آخر لڑائی چھڑگئی ۔ عربوں نے حضرت کو اپنا قائد مقرر کیا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت حرب کرکے سکھوں کے مقابلہ میں آکھڑے ہوئے ۔ ان ہر دو مسلح قوموں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی ۔ آخر میں سکھوں نے شکست کھاکر بھاگنا شروع کیا اور عربوں نے تعاقب کیا ۔ قاضی پورہ اور شاہ علی بنڈہ کے محلے میدانِ کارزار بن گئے ۔ ہر طرف لاشے پھڑکتے نظر آنے لگے ۔ بالآخر عربوں کو فتح نصیب ہوئی ۔

حضرت نے اپنے وقت میں بہت ساری ملکی و قومی خدمتیں انجام دیں ۔ اس زمانے کے طبقۂ علماء و مشائخین میں بہت ممتاز تھے ۔ سرزمین دکن میں کون تھا جو حضرت کے اسم گرامی سے واقف نہ تھا ۔

دُرسِ تفسیر و حدیث حضرت بادشاہ حسینی کے حلقۂ درسِ تفسیر و حدیث میں جو روزانہ بعد نمازِ فجر ہوا کرتا تھا عربوں کی کثیر تعداد حاضر رہا کرتی اور حضرت ان کو عربی میں تفہیم فرماتے عربوں میں حضرت کی مقبولیت کا اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جمعدار عبداللہ بن علی بھی حضرت کے بے حد معتقد تھے ۔ ان کی عقیدت کی یادگار " مسجد النور " حضرت کے دولت خانہ سے متصل آج بھی موجود ہے ۔

مسجد النور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن علی جمعدار نے خواب میں دیکھا کہ اپنی دیوڑھی کے شرقی جانب زمین سے آسمان تک ایک نورانی ستون کھڑا ہوا ہے ۔ صبح کو بیدار ہوتے ہی انھوں نے حضرت کو بلاکر خواب بیان کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ وہاں ایک مسجد تعمیر کروں ۔ حضرت نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ " ہماری اولاد کا نور شہرہ آفاق ہوگا ۔ مگر حضرت نے عبداللہ بن علی جمعدار کے خیال کو بھی رَد نہ فرمایا اور اس مقام پر مسجد بنانے کی اجازت دے دی ۔ اور ان مکانات کو جو حضرت کی ملک تھے اور جن سے ماہانہ کرایہ وصول ہوتا تھا تعمیر مسجد کے لئے پیش کردیا ۔ چنانچہ ان مکانات کو توڑ کر اسی جگہ یہ مسجد تعمیر ہوئی ۔ جس کی تکمیل ۱۲۰۲ ہجری میں ہوئی ۔ اس مسجد کی تولیت حضرت ہی کے خاندان میں چلی آرہی ہے اور حضرت نے جو تعبیر لی تھی وہ بھی الحمد للہ پوری ہوتی چلی جارہی ہے ۔

رحم دلی اور ہمدردی حضرت بادشاہ حسینی قدس سرہ، کی طبیعت میں بے حد استغناء تھا جو فقیری کا لوازمہ ہے ۔ فطرةً حلیم الطبع ، رحم دل اور ہمدرد تھے ۔ اہل محلہ ، قرابت دار ، مریدین ، معتقدین اور ملنے جلنے والوں کا بڑا خیال رکھتے ۔ ان کی بذات خود خبر گیری فرماتے ۔ ان کی خوشی اور غمی میں برابر کے شریک رہتے ۔ ضرور تمندوں کی تابمقدور مدد فرماتے ۔

بے نفسی حضرت کی بے نفسی اور ہمدردی کا اس واقعہ سے بڑا اندازہ ہوتا ہے ۔ ایک مرتبہ رات دیر گئے اپنے مکان کو لوٹ رہے تھے راستوں پر دورِ حاضر کی طرح روشنی کا معقول انتظام نہ تھا ۔ راستہ میں ایک ضعیفہ چکی کے پاٹ لئے بیٹھی تھی اور کسی مزدور کی فکر میں تھی تاکہ اس کے ذریعہ ان کو اپنے گھر لے جائے ۔ اتنے میں اس کی نظر حضرت پر پڑی ۔ صاحب الغرض مجنون ، غور کئے بغیر اس نے حضرت کو آواز دی اور خواہش کی کہ یہ چکی کے پاٹ اس کے گھر تک پہنچادیں تو وہ مزدوری دے دے گی ۔ حضرت نے خاموشی سے چکی کے پاٹ سر پر اٹھالئے اور ساتھ ہوگئے ۔ گھر پہنچنے پر جب چکی کے پاٹ اتارنے اس نے مدد دینا چاہا تو دیکھا کہ چکی کے پاٹ خود اس کے پیر و مرشد سر پر لئے کھڑے ہیں ۔ قدموں پر گرگئی ۔ روتی جاتی تھی اور معافی مانگتی جاتی تھی ۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا ، کیا حرج ہے ۔ انسان سے انسان ہی کو سابقہ پڑتا ہے ۔

شعر گوئی حضرت کو شعر و سخن سے بھی خاص دلچسپی تھی ۔ شاہ تخلص فرماتے تھے ۔ آپ کا کلام " دیوان سیادت پناہ المعروف بہ کلام شاہ " کے نام سے طبع ہوچکا ہے ۔ جو غزل ، قصیدہ ، مثنوی اور رباعی سب ہی اصناف پر مشتمل ہے ۔

بیعت و خلافت حضرت کے پیر بیعت، قطب وقت حضرت الحاج مولوی میر شجاع الدین حسین قدس سرہ ہیں • جن سے انھیں قادریہ، چشتیہ، رفاعیہ، سہروردیہ، مداریہ، شاذلیہ، اکبریہ اور غزالیہ طریقوں میں خلافت اور اجازت حاصل تھی۔ مولوی شجاع الدین حسین قدس سرہ، حضرت (سید محمد بادشاہ حسینی) کو بیحد چاہتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے "مجھے جو کچھ دینا تھا وہ میں نے بادشاہ میاں (سید محمد بادشاہ حسینی) کو دے دیا ہے۔ اب جس کسی کو ضرورت ہے وہ ان سے رجوع ہوسکتا ہے۔

پابندی شریعت و اتباع سنت حضرت کی زندگی میں شریعت مطہرہ و سنت نبوی کی اتباع کا گہرا رنگ جھلکتا ہے ان کی تعلیم کا اصل اصول یہی تھا۔ ان کی اولاد بھی خصوصاً ان کے فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ میں اتباع سنت کا شدید شوق و شغف نظر آتا ہے۔

عبداللہ بن علی جمعدار کے خواب کی جو تعبیر حضرت نے لی تھی اس کی تکمیل خود حضرت اور ان کے فرزند اکبر کے مزارات کی صورت میں ہوئی جو مسجد کے بیرونی صحن میں ہیں۔ اور طالبانِ نور معرفت کا مرجع بنے ہوئے ہیں۔

• حضرت مولوی میر شجاع الدین حسین قدس سرہ العزیز سادات علوی سے تھے۔ برہان پور میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب میر جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچتا ہے۔ جو حضرت خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں سے تھے اور شہنشاہ اکبر کے عہد میں قضاءت جلیلہ پر مامور تھے۔ والد بزرگوار حافظ میر کریم اللہ خاں کا وصال کمسنی میں ہوجانے سے اپنے نانا خواجہ صدیق عرف غلام محی الدین خاں متولی جامع مسجد برہان پور کی نگرانی اور سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل فرمائی چنانچہ قرآن پاک حفظ کرلینے کے بعد بہت جلد قراءت سبعہ کی سند حاصل کی بیس سال کی عمر میں حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۱۲۱۶ ہجری میں بعمر ۲۵ سال مع اہل و عیال بلدہ حیدرآباد تشریف فرما ہوئے۔ یہاں سے قندھار ضلع ناندیڑ جاکر حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے بیعت فرمائی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے علاوہ چشتیہ، نقشبندیہ، رفاعیہ اور دیگر سلسلوں میں خلافت اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اور حیدرآباد لوٹ آئے اس زمانہ میں حضرت نے قرآن شریف کا ہندی میں ترجمہ فرمایا تھا۔ نواب سکندر جاہ آصف جاہ سوم کو حضرت سے بیحد عقیدت تھی حضرت کے حالات مناقب شجاعیہ میں قاضی امیر اللہ صاحب نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ مولانا شجاع الدین علیہ الرحمہ شہر حیدرآباد میں چارمینار سے قریب کی جامع مسجد میں فروکش ہوئے اور اس مسجد کو آباد کیا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ حضرت کے شاگردوں اور مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ سینکڑوں غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے آپ کے لنگر خانہ سے روزانہ دو وقت ہزاروں آدمی مستفید ہوتے تھے۔ جن میں مرید، معتقد، شاگرد اور دیگر مسافر و غریب کھانا کھاتے تھے۔ حضرت کی کئی تصانیف مشہور ہیں جن میں کشف الخلاصہ آج تک مقبول ہے۔ ۴/ محرم الحرام ۱۲۶۵ھ م ۱۸۴۸ء روز جمعہ چوہتر (۷۴) سال کی عمر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا ہوئی۔ میر جملہ تالاب کے مشرقی کنارے مدفون ہیں۔ جس پر عالیشان گنبد بنوائی گئی جو آج تک موجود ہے۔ سالانہ عرس ہوا کرتا ہے۔ حضرت کے اکلوتے فرزند حاجی عبداللہ کے شہید ہوجانے سے حضرت نے ان کے بیٹے یعنی اپنے پوتے میر محمد دائم کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرماکر اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ وہی آگے چل کر سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت کی زوجہ محترمہ عوض بیگم مولوی شجاع الدین حسین کی پوتی تھیں ۔ جو سید عبداللہ شہید کے صلب اور حیدرآباد کے مشہور و معروف خاندان صوفیہ کی خاتون حافظہ لطف النساء بیگم بنت قادر نواز خان کے بطن سے تھیں ۔ •

وصال حضرت پیر و مرشد شمس علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی کا وصال ۲۲ / ربیع الآخر ۱۳۸۹ کو ہوا ۔ سنہ وصال لفظ ۔ مقصور ۔ سے نکلتا ہے ۔ روضہ ۔ مسجد انور ۔ قاضی پورہ میں مدفون ہیں ۔ عرس نہایت سادہ طریقہ سے منایا جاتا ہے ۔ جس میں حضرت کے متوسلین شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔

رحلت کے وقت چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی زندہ تھیں ۔ جن میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت سیدی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ ہیں جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

• قادر نواز خاں حیدرآباد کے جید عالم و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہا بزرگ اور جلیل القدر عہدہ صدر الصدوری پر فائز تھے ۔ حضرت قادر نواز خاں ۱۱۸۱ ہجری میں تولد ہوئے ۔ آپ کا نام محمد حسین ہے ۔ قادر نواز خاں خطاب ہے ۔ حضرت محمد علی قادر یار خاں کے آپ حقیقی چھوٹے بھائی تھے ۔ نہایت مقدس بزرگ تھے ۔ حضرت شاہ عیسیٰ صاحب قادری مجددی قدس سرہ سے بیعت کا افتخار حاصل تھا ۔ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوچکے تھے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ راہ میں خضر علیہ السلام سے آپ نے شرف ملاقات حاصل کیا اور علوم لدنی سے فیضیاب ہوئے ۔ آپ نے بزمانہ قیام مدینہ منورہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و سلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ فدوی کے تین معروضے ہیں اس کی قبولیت کا امیدوار ہوں ۔

پہلا معروضہ یہ کہ ۔ ہمارے بادشاہ نواب نظام علی خان بہادر آپ کی زیارت اور دیدار سے سرفراز ہوں ۔

دوسرا یہ کہ ۔ فدوی کی والدہ جو مبروص ہیں ان کی یہ شکایت دفع ہوجائے ۔

تیسرا یہ کہ ۔ انتقال کے وقت سرکار کے دیدار سے غلام سرفراز ہو ۔

یہ تینوں معروضے پیشگاہِ رسالت سے منظور فرمائے گئے ۔ اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ جب آپ حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہوکر گھر واپس آئے تو آپ کی والدہ صاحبہ نے کہا ۔ میاں ! تم نے تو اپنی والدہ کا حق خوب ادا کیا ۔ آپ کا خیال ہوا شاید مفارقت کے رنج سے ایسے کلمات فرماتی ہیں ۔ لیکن اس کے بعد آپ کی والدہ نے کہا ۔ سرکار عالم صلی اللہ علیہ و سلم میرے خواب میں تشریف لائے تھے ۔ اور لبِ مبارک سے کوڑھ کے دھبوں کو دور فرمادیا ۔ اس کے بعد نذر کے لئے غفراں مآب نے نذر لیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ۔ تابعدار اس کا مطلب نہیں سمجھا ۔ تابعداری کا حق تو قادر نواز خاں تم ہی نے ادا کیا آپ نے عرض کی کہ ۔ تابعدار اس کا مطلب نہیں سمجھا ۔ غفراں مآب نے فرمایا کہ ۔ سرکار عالم صلی اللہ علیہ و سلم میرے خواب میں تشریف لائے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ ۔ قادر نواز خاں کی تمنا اسی میں تھی کہ میں تمہارے خواب میں آؤں ۔

غفراں مآب قادر نواز خاں سے فرماتے تھے کہ ۔ مجھ کو اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر حیدرآباد کے برابر ایک اور ملک مل جاتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی ۔

غرض شعبان ۱۲۳۸ ہجری میں آپ کا انتقال ہوگیا اور پتھر گٹی کی مسجد کے صحن کے ایک گوشہ میں آپ دفن ہوئے ۔ (تاریخ شمسیہ ۷۹ ۔ ۸۰)

آپ کی اولاد کی تفصیل حضرت بحرالعلوم کے اجداد کے ضمن میں آئے گی ۔

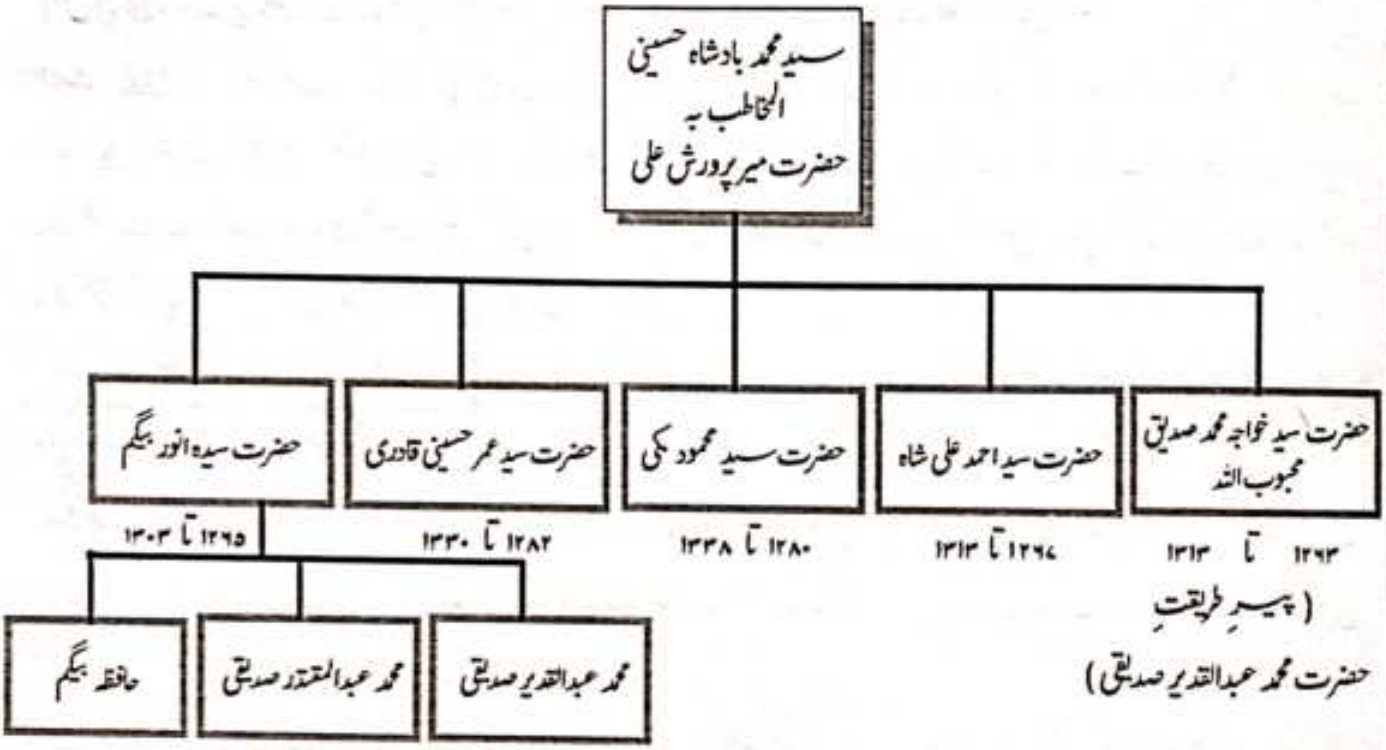
سید محمد بادشاہ حسینی
الخاطب بہ
حضرت میر پرورش علی
حضرت سید خواجہ محمد صدیق
محبوب اللہ
۱۲۹۳ تا ۱۳۱۳
حضرت سید احمد علی شاہ
۱۲۹۷ تا ۱۳۱۳
حضرت سید محمود مکی
۱۲۸۰ تا ۱۳۳۸
حضرت سید عمر حسینی قادری
۱۲۸۲ تا ۱۳۳۰
حضرت سیدہ انور بیگم
۱۲۹۵ تا ۱۳۰۳
(پیرِ طریقتِ
حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی)
محمد عبدالقدیر صدیقی
محمد عبدالمقتدر صدیقی
حافظہ بیگم

حضرت سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ

"یہ ہمارا بچہ ہے" حضرت کی ولادت سے قبل والدہ ماجدہ نے بزمانہ حمل خواب دیکھا کہ جھولے میں ایک لڑکا ہے جس کی ڈوری سیدۃ نساء العالمین بی بی فاطمۃ الزہراؓ کے دست مبارک میں ہے اور وہ اس کو ہلا رہی ہیں۔ حضرت خواجہ کی والدہ فرماتی ہیں کہ مجھے دیکھ کر حضرت سیدہ نے بلایا، اس جھولے کی ڈوری میرے ہاتھ میں دی اور ارشاد فرمایا "یہ ہمارا بچہ ہے" اس کی چند روز خدمت کرکے ہمارے پاس چلے آؤ" سیدہ کے حکم کی تعمیل میں جھولا جھلانے لگیں۔ جب خواب سے بیدار ہوئیں تو اپنے شوہر حضرت سید محمد بادشاہ حسینی سے خواب عرض کیا۔ حضرت نے خواب سن کر تعبیر دی کہ تم کو لڑکا ہوگا، جس کے جھولے کی ڈوری سیدہ نے تمھیں سرفراز فرمائی ہے اور ہم اس بچہ کی خدمت پر مامور کئے گئے ہیں چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ حضرت کی ولادتِ باسعادت ۲۹ / شعبان ۱۲۶۳ھ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ ولادت "چراغ ہند" اور لطف یہ ہے کہ "چراغ مدینہ" سے ۱۳۱۳ھ وصال نکلتا ہے حضرت کا اسم مبارک سید محمد صدیق حسینی عرف خواجہ میاں، کنیت ابوالفرح، تخلص خلق، المخاطب من اللہ، محبوب اللہ، حضرت کو بذریعہ کشف دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و دربار خوشیت سے مختلف خطابات محبوب اللہ، تاج الاولیاء، رحمۃ اللہ، برکت اللہ، حجۃ اللہ، نفس رحمانی، قبلہ عالم، غوث الاعظم، سرکار مختار، عبدالقادر ثانی، جیسے تقریباً پچیس خطابات سرفراز ہوئے۔

دربار رسالت سے عطائے خطابات عبدالقادر ثانی کا خطاب جب دربار رسالت سے سرفراز ہوا تو حضرت کو تھوڑی بے چینی ہوئی۔ حضرت روزانہ بارگاہ غوث الاعظم میں بہ باطن حاضری دیا کرتے تھے۔ اس خطاب کے ملنے پر حضرت شرما کر تشریف نہیں لے گئے۔ غوث الاعظم نے اپنے دربار میں خواجہ میاں حضرت کو نہ دیکھا تو فرمایا "آج خواجہ میاں نہیں آئے" حضرت غوث الاعظم خود تشریف فرما ہوئے۔ مولانا عبدالقدیر صدیقی فرماتے ہیں کہ "غوث پاک نے ہمارے حضرت سے فرمایا، ابی ہمارا بچہ ہمارے ویسا ہوگیا تو کیا ہم کو خوشی نہیں" اس ارشاد کو سن کر خواجہ میاں حضرت کو بیحد مسرت ہوئی۔

حلیہ مبارک حضرت خواجہ کا سر مبارک بڑا تھا، میانہ قد، جسم اطہر متوسط، نہ دبلے نہ موٹے، رنگ چمپئی آنکھیں بڑی بڑی متوالی، کتابی چہرہ، پیوستہ و خمیدہ ابرو، بلند بینی، کشادہ پیشانی، سر میں زلفیں، گرد داڑھی، ٹھوڑی کے پاس بال کم تھے۔

رعب داب حضرت مولانا عبدالقدیر نے فرمایا "ہمارے حضرت کی نظر بے حد وسیع تھی۔ اگر کسی خیال میں خاموش تشریف فرما رہتے تو ہم کو یہ محسوس کرنے میں دقت ہوتی کہ حضرت کدھر ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ہم جس جانب بھی خیال کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت ادھر ہی متوجہ ہیں۔ حضرت کے چہرہ مبارک پر اس قدر رعب تھا کہ کوئی شخص بھی حضرت سے یک بیک ہمکلام نہ ہوسکتا تھا"۔

لباس لباس نہایت سادہ ہوا کرتا۔ عام طور پر چوبغلہ، اور سر پر کپڑے کی ٹوپی جمعہ، عیدین یا خاص تقاریب میں عمامہ بھی باندھتے تھے۔ پیر میں چرائوں جوتا، کاندھے پر رومال، ہاتھ میں اکثر چھوٹی سی تسبیح رہا کرتی۔

مسلک حضرت کا فقہی مسلک حنبلی تھا۔ ابتداء میں حنفی المشرب تھے لیکن بعد میں بر بناء حکم باطنی حضرت نے تبدیل مسلک فرمایا۔ چنانچہ فقہ حنبلی میں ایک کتاب موسوم بہ "زاد آخرت" لکھی جو طبع ہوچکی ہے۔

مطالعہ اور تبحر علمی حضرت مولانا عبدالقدیر فرماتے ہیں کہ " میں حاضر خدمت ہوتا رہتا جب کبھی حضرت مسائل تصوف پر تقریر فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔ بعض اوقات مجھ سے ارشاد ہوتا " مولوی! فلاں مسئلہ کے متعلق فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے "۔ میں عرض کرتا اس طرح لکھا ہے۔ پھر آپ اس مسئلہ کی تفہیم فرماتے اور ایسے ایسے نکات بیان فرماتے کہ کسی کتاب میں کسی مصنف نے نہیں لکھے۔

فرمایا " ہمارے حضرت نہایت کثیر المطالعہ تھے۔ والد مرحوم فرماتے تھے میں نے اپنے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہمارے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا خواجہ میاں یعنی حضرت نے مطالعہ کیا ہے۔ خود حضرت کے کتب خانہ میں ہر قسم اور مختلف فنون کی کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا۔ حضرت سید عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عالم تھے اور یہ فقیر بھی کچھ پڑھا لکھا ہے مگر جب ہم حضرت کے سامنے جاتے تو معلوم ہوتا کہ ہم کچھ نہیں جانتے "۔

حفظ قرآن خواجہ میاں حضرت قبلہ کے حافظہ کے تعلق سے فرمایا " آپ حافظ قرآن بھی تھے اور نہایت اچھے قاری بھی تھے۔ محراب بھی پڑھاتے تھے۔ حافظہ کا یہ عالم کہ جو لوگ مرثیہ خوانی میں گئے ہیں وہ بتائیں گے کہ گھر آنے کے بعد کسی کو مصرعے دو مصرعوں سے زیادہ یاد نہیں رہتا مگر حضرت نے ایک دفعہ میر انیس کا مرثیہ سنا تو کئی بند آکر سنا دیئے "۔

خداداد حافظہ بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی کے برادر خورد مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی فرماتے ہیں۔ " ایک دفعہ میرے والد ماجد نے مجھے ایک کتاب دے کر فرمایا یہ کتاب تمہارے ماموں کو دے کر کہو کہ مصر سے آئی ہوئی ہے آپ ضرور دیکھئے۔ حضرت نے دوسرے یا تیسرے روز کتاب میرے ہاتھ سے واپس فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ " میں نے پوری کتاب دیکھ لی "۔ غالباً کتاب مطبوعہ مصر دو سو اور تین سو صفحات کے درمیان تھی۔ جب ملاقات ہوئی تو والد نے فرمایا کہ " کیا آپ نے فلاں فلاں مسائل دیکھے؟ تو حضرت نے ان مقامات کی عبارت سنا دی۔ حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ " تمہارے بڑے ماموں کا حافظہ خداداد ہے "۔

شریعت کی پابندی حضرت خواجہ کے زمانہ میں بدعتوں کا بہت زور تھا۔ حضرت پہلے فرد ہیں جنھوں نے ان کو توڑنے کے لئے کمر ہمت باندھی اور ان ہی کی بدولت اکثر فقراء و مشائخین نے اپنا رنگ بدلا۔ خلاف احکام شرع جو بیجا رسوم جاری ہوگئے تھے ان کو سخت ناپسند فرماتے۔ پابندی شریعت کے تعلق سے حضرت نے اشارہ فرمایا تھا " یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں "۔ تاکید فرماتے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرو اس کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ حدودِ شریعت سے ذرا سا تجاوز بھی ناگوار خاطر گذرتا "۔

حضرت کے والدین کے مزار پہلے کچ کے پختہ بنے ہوئے تھے بعد میں حضرت نے ان کو توڑ کر مٹی کے بنوادیا۔

زمانہ قیام حجاز میں بزبان عربی متعدد مواعظ بھی ہوئے۔ جس میں اہل حجاز بے حد شوق سے شریک رہا کرتے اور استفادہ کرتے۔

مقام غوثیت اور سیر باطنی حضرت خواجہ کو غوث الاعظم سے خاص عشق تھا۔ چنانچہ حضور غوث پاک ہی کی باطنی تعلیم و سرفرازیوں سے وہ کمالات حضرت خواجہ کو حاصل ہوئے کہ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ حضرت کو مقام غوثیت سے سرفرازی حضرت غوث پاک ہی کی تائید کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

حضرت خواجہ محبوب اللہ اپنی مدینہ طیبہ میں حاضری کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں۔ " جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت تک مجھ پر کشف باطنی نہ ہوا تھا ایک دفعہ اپنی قیام گاہ کی چھت پر جہاں سے روضہ اطہر صاف نظر آتا تھا بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوا۔ پچاس

مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا تھا کہ انشراح قلب ہوکر سیر باطن سے سرفراز ہوا "۔

آپ کا مرتبہ معاصرین کی نظر میں ہمعصر شیوخ کے ساتھ بھی حضرت کے روابط نہایت مشفقانہ تھے ۔ ایک دفعہ حضرت ایک محفل سماع میں تشریف لے گئے ۔ حضرت مرزا سردار بیگ صاحب" بھی تشریف رکھتے تھے ۔ مرزا صاحب کے ایک مرید نے حالت وجد میں اپنے مرشد کے سامنے نذر پیش کی مرزا صاحب" اس کا ہاتھ اسی طرح تھامے ہوئے حضرت خواجہ کی خدمت میں لے آئے ۔ محفل برخواست ہوئی تو انہوں نے فرمایا " جس محفل میں خواجہ میاں صاحب موجود ہوں اس محفل میں کسی دوسرے کو نذر لینے کی مجال نہیں ۔ یہ تھی اس دور کے بزرگوں کی رتبہ شناسی حقانیت ، بے نفسی اور للہیت ۔

محمد شاہ صاحب" سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش" جو خود بھی بسا بزرگ تھے ● ۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ ان کے پاس کی محفلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ جب کبھی حضرت خواجہ ان کے پاس کی محفلوں میں تشریف لاتے تو حضرت محمد شاہ صاحب" سروقد تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے اور چند قدم آگے بڑھ کر استقبال کرتے ۔ اکثر فرمایا کرتے کہ " حضرت خواجہ میاں صاحب بڑے زبردست شیخ ہیں "۔

حضرت مولانا احمد خیر الدین صدیقی" صاحب نسبت و صاحب حال ، عالم و فاضل بزرگ تھے ۔ حضرت خواجہ ان کے پاس کی محفلوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ جب کبھی بی خانہ پتھر گٹی میں ان کے مواعظ ہوتے بڑا کثیر مجمع رہتا ۔ انھیں حضرت مسکین شاہ صاحب" ● سے بیعت تھی ۔ مسکین شاہ صاحب کا بڑا چرچہ تھا ۔ مولانا کے وعظ میں وہ خود تشریف لاتے حضرت محبوب اللہ بھی اکثر مولانا کے وعظ میں شرکت

● حضرت محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سید شاہ محمد ہاشم حسینی نام اور محمد شاہ عرف تھا ۔ شہر حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے ۔ اور والد بزرگوار حضرت سید شاہ پیراں حسینی" کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پاکر معقول و منقول میں دستگاہ حاصل کی ۔ اپنے حقیقی چچا حضرت سید خواجہ معین الدین شاہ خاموش (بیدری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہوئے ۔ اور طریقہ چشتیہ و صابریہ میں انہی کے مرید و خلیفہ تھے ۔ ابتداء میں حضرت سلاطین آصفی کے دربار میں سندھی افواج کے صدر جمعدار ، ہاتھی ، گھوڑا ، پالکی اور میانہ سے سرفراز تھے ۔ لیکن مرید ہوکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد ملازمت چھوڑدی اور تمام عمر صوفیانہ اور فقیرانہ سیرت و صورت پر گزار دی ۔ حضرت سرخ و سفید اور دبلے پتلے متوسط قد و قامت کے تھے ۔ چہرہ سے رعب و جلال ٹپکتا تھا ۔ جسم پر سفید یا گیروے رنگ کا کرتہ اور تہمد ، سر پر کپڑے کی ٹوپی استعمال فرماتے ۔ آخر عمر میں تمام دنیوی تعلقات سے کنارہ کش ہوکر وعظ و نصیحت اور حاجت روائی خلق اللہ میں مصروف ہوگئے تھے ۔ ہزاروں لوگ حضرت کے مرید اور حضرت کے فیض روحانی سے فیضیاب ہوئے ۔

۲۳ / محرم الحرام ۱۳۳۹ ھ (۱۹۲۰ ء) کو ۸۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور درگاہ حضرت شاہ خاموش" واقع ناملی حیدرآباد میں مدفون ہیں ۔ حضرت کے تین صاحبزادے تھے ۱ ۔ سید اکبر حسینی ۲ ۔ سید اصغر حسینی ۳ ۔ سید بندہ نواز حسینی ۔ بعد وفات حضرت کے منجھلے فرزند سید شاہ اصغر حسینی (جو حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر کے حقیقی بہنوئی تھے قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے)

● حضرت مسکین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محمد نعیم نام اور مسکین شاہ لقب تھا ۔ بمقام شاہجہان آباد ۱۲۰۰ ھ میں تولد ہوئے ۔ قادریہ و نقشبندیہ سلسلہ کے زبردست شیخ تھے ۔

فرمایا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ (مسکین شاہ صاحب اور خواجہ محبوب اللہ) وعظ میں تشریف فرما تھے ۔ وعظ ہو رہا تھا ۔ اثنائے وعظ خواجہ محبوب اللہ نے اپنے چوبغلہ کے بند کو حرکت دینی شروع کی ۔ محفل کی حالت متغیر ہونے لگی ۔ کیف بڑھتا گیا ۔ چیخ و پکار مچ گئی حتیٰ کہ خود واعظ صاحب پر کیفیت سے یہ حال ہوا کہ روتے روتے بیہوش ہوگئے ۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی حضرت خواجہ وہاں سے لوٹ گئے ۔ ختم وعظ کے بعد مولانا نے اپنے مرشد مسکین شاہ صاحب" سے عرض کیا ۔ " حضرت آج کی کیفیت تو بہت ہی خاص تھی " ۔ تو مسکین شاہ صاحب نے جواب دیا " یہ تمام خواجہ میاں کی برکت تھی جو اس طرح محسوس ہو رہی تھی ۔

خواجہ محبوب اللہ کے وصال کے بعد فاتحہ سیوم کے موقع پر حضرت سید غلام شیخن احمد شطاری جو سلسلہ شطاریہ کے ایک ممتاز بزرگ تھے بچشم پرنم مزار کی جانب دیکھ کر فرمایا " آہ ! خواجہ میاں تم کو کوئی سمجھ نہ سکا " ۔

جامعیت حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ جامع الکمال تھے ۔ جید عالم تھے ۔ حافظ قرآن تھے ۔ بہت اچھے قاری تھے ۔ رمضان میں محراب بھی سناتے تھے ۔ عربی ، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں مہارت تھی ۔

شاعری میں حافظ شمس الدین صاحب فیضؔ کے شاگرد تھے ۔ پر گوئی کا یہ عالم تھا کہ ایک مشاعرہ کے لئے ،، مطلع اور تین سو (۳۰۰) شعر کہہ دیئے ۔ کلام کا مجموعہ " افکار غیب " کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

طب میں حکیم رضا علی صاحب کے شاگرد تھے ۔ پتوں کو جوش دے کر اس کے پانی سے علاج حضرت کی ایجاد تھی ۔ آخر میں معالجات چھوڑ کر تعویذ دینے لگے تھے ۔ چلیپہ کی تعویذ حضرت ہی کی ایجاد ہے ۔ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے ۔ فارسی خط میں باقر صاحب کا تتبع فرماتے ۔ فنِ سپہ گری تو اس خاندان کا امتیاز خاص تھا ۔ جوانی میں سات سو ڈنڈ نکالتے تھے ۔ بہت اچھے پیراک تھے ۔ بندوق کا نشانہ اچھا لگاتے تھے ۔

حضرت کے سلوک کے تعلق سے " گلدستہ تجلیات " کے مقدمہ میں بحرالعلوم عبدالقدیر لکھتے ہیں :-

" میرے خیال میں ان کا مابہ الامتیاز ہمیشہ تحتِ امر رہنا اور قربِ فرائض میں جاگزیں ہونا ہے ۔ دوامِ حضور تو ان کا خاصہ تھا ۔

حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی سے بیعت و خلافت حاصل تھی ۔ جو شاہ غلام علی دہلوی کے خلیفہ تھے اور یہ خلیفہ تھے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ۔ شاہ صاحب بعہد نواب ناصر الدولہ (۱۲۴۴ تا ۱۲۷۳ ھ ۳ صفجاہ رابع بلدہ حیدرآباد تشریف لائے اور محلہ علی آباد میں سکونت پذیر ہوئے ۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے کافی شہرت حاصل ہوئی تھی ۔ ہزاروں آپ کے مرید اور معتقد تھے ۔ آپ کی تصنیفات میں " مراقبات سلوک " مشہور تصنیف ہے ۔ ۳ صفجاہ سادس نواب میر محبوب علی خان کو شاہ صاحب سے شرف بیعت حاصل تھا وہ متعدد مرتبہ خدمت میں حاضر ہو چکے تھے ۔ ۱۴ ۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۴ ھ (۱۸۹۵ ء) کو بعمر ۱۱۴ سال وفات پائی ۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا ہوئی ۔ ہزاروں آدمی جنازہ کے ساتھ تھے ۔ ۳ صفجاہ سادس نے بھی دور تک حضرت کے جنازہ کو کندھا دیا ۔ اندرون دروازہ علی آباد مسجد الماس کے صحن میں مدفون ہوئے ۔

(دیکھو تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر سوم ۔ تذکرہ مخطوطات جلد اول ۲۰۴ ۳ صفجاہ سادس ۲۹) مولانا سید شخین احمد شطاری کامل کے جد امجد ۔

ایک دفعہ آسمان سے اولے برسے ۔ مسجد میں حضرت سید محمود مکی صاحب ، فقیر اور دیگر حضرات بھی تھے ۔ اولے کیا تھے ایک سنگباری تھی کہ ہورہی تھی ۔ حضرت نے فرمایا ۔ تجھے معلوم ہے کہ میں نے پانی بھی بغیر تیرے حکم کے نہیں پیا ۔ اب کیا کرتا ہے کر ۔ اور صحن مسجد میں نکل آئے ۔ ژالہ باری فوراً موقوف ہوگئی ۔ استخارے سے کام کرنے والے حضرات ، تحت امر رہنے والے قرب فرائض کے مدعی اپنے اپنے سینوں پر ہاتھ رکھیں اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا وہ بھی ایسے ہیں ؟ یہ رحمت خاص کی جلوہ گری ہے و اللہ یختص برحمتہ من یشاء یہی فضل مولیٰ ہے ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور یہی اس کا کرم و عنایت ہے جو بدرجہ غایت ہے و اللہ ذو الفضل العظیم

أعـد ذكر نعمان لنا ان ذكره

هو المسک ماكررته يتضرع

ارشاداتِ عالیہ خود حضرت خواجہ محبوب اللہ فرماتے ہیں ۔ جس طرح نوافل اور فرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل اور قرب فرائض میں فرق ہے ۔ اگر کوئی کام استخارہ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا ورنہ قرب نوافل میں ۔ پس ہر کام میں استخارہ کرلیا کرو ۔

اس ارشاد کی توضیح میں اس قدر صراحت کافی ہے کہ قادری دو (۲) قسم کے ہوتے ہیں ۔ ایک وہ جو اپنے مقاصد ، نسبت عالیہ قادریہ کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں ۔ ان کی توجہ فرمان غوثیہ ان لم یکن مریدی جیدا فانا جید پر ہے یعنی اگر میرا مرید قوی نہ ہو تو کیا ہوا میں تو قوی ہوں لوکشفت جیدا فانا عورۃ مریدی بالمغرب وانا فی المشرق لسترتہ ۔ یعنی اگر میرا مرید مغرب میں ہو اور میں مشرق میں رہوں اور مرید کا عیب کھل جائے تو میں اس کو ڈھانک دوں گا ۔ ایسے لوگ قربِ نوافل کے قادری ہیں ۔

دوسری قسم کے قادری وہ ہیں جو بے حکم کوئی کام نہیں کرتے ۔ ان کا ہر فعل تحتِ امرالہٰی ہوتا ہے ۔ خواہ حکم الہٰی معصوم یعنی پیغمبر کے ذریعہ سے معلوم ہو خواہ بذریعہ الہام و امر قلبی ۔ یہ لوگ صاحبِ قرب فرائض ہیں ان کا مرجع حضور غوث پاک کا فرمانِ واجب الاذعان ہے کن کالمیت فی ید الغسال کالکرۃ تحت صولجان الفارس و کالولد الرضیع فی حجر ظئرہ ۔ یعنی خدا کے ہاتھ میں ایسا ہوجا جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں یا گیند پولو کھیلنے والے شہسوار کے چوگان کے نیچے یا شیر خوار بچہ انا کی گود میں ۔ ان پر وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کا پرتو پڑتا ہے ۔ وہ بے ارادہ رہتے ہیں ۔ بے خواہش جیتے ہیں ۔ ان کا عمل مافعلت عن امری پر رہتا ہے ۔

سلسلہ عالیہ قادریہ جاری تھا لیکن صرف قرب نوافل کا سلوک ہی مقبول و مروج تھا لوگ قرب فرائض کو بھول گئے تھے ۔ اس تعلیم کو حضرت نے زندہ کیا ۔ لوگوں کو بے ارادہ جینا سکھایا ۔ حکم پر چلنے کی تعلیم دی ۔

حضرت خواجہ محبوب اللہ کی زوجہ محترمہ ۔ قمر النساء صفیہ ۔ ● حضرت غلام شیخن احمد شطاری کی صاحبزادی تھیں جو خاندان شطاریہ کے مشہور و معروف بزرگ گذرے ہیں ۔

● حضرت قمر النساء صفیہؒ کی والدہ حضرت سعد و بنے صاحبؒ کی صاحبزادی تھیں ۔ جو خاندان شطاریہ کے ممتاز بزرگ گذرے ہیں ۔ آپ کا کوٹلہ اب تک مشہور ہے آپ کا مزار بیرون دروازہ دبیر پورہ لب سڑک واقع ہے ۔ حضرت سعد و بنےؒ کا اصلی نام حضرت سید شاہ غلام حسن ثانی شطاری تھا ۔ جن کے والد ماجد کا نام سید شاہ عسکری شطاری عرف پیراں صاحب شطاری تھا جو حضرت سید شاہ غلام حسن

وصال حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ ۱۸ ۔ ذیقعدہ ۱۳۱۳ ہجری روز شنبہ کی شب میں یعنی انیسویں شب بوقت سحر اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اور اپنے پیر اور والد بزرگوار کے پہلو میں بمقام مسجد النور قاضی پورہ حیدرآباد دکن آرام فرما ہیں ۔

شطاری (اول) عرف سید شاہ ابن صاحب شطاری کے اکلوتے فرزند تھے ۔ حضرت سید شاہ ابن شطاریؒ حضرت سید احمد گجراتی کی اولاد سے تھے نواب نظام الملک آصفجاہ اول کے عہد میں اورنگ آباد سے بلدہ حیدرآباد تشریف لائے اور ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے ۔ سنہ وفات ۱۸ / شوال ۱۲۰۹ ھ ہے ۔ حضرت کا مزار اندرون حویلی قدیم گول مقبرہ کے اندر واقع ہے ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تنہائی پسند تھے ۔ عوام سے بہت کم ملتے اور بات چیت بھی بہت کم کرتے تھے ۔ سارا وقت ذکر و شغل اور یادِ الٰہی میں گذرتا تھا ۔ اہل و عیال کی طرف بھی بہت کم متوجہ ہوتے تھے ۔ نواب نظام علی خان آصفجاہ ثانی اور بخشی بیگم صاحبہ والدہ محترمہ آصفجاہ ثانی کو حضرت سے گہری عقیدت تھی بخشی بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ موجودہ مشائخین میں جو بھی بزرگ خواب میں آکر مجھے مرید کریں گے میں ان کی مرید ہوں گی ۔ چنانچہ حضرتؒ نے ان کے خواب میں پہنچ کر ان کو مرید کر لیا ۔ چنانچہ خواب دیکھتے ہی بخشی بیگم صاحبہ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت سے شرفِ بیعت حاصل کیا ۔

(ماخوذ از تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم ۶۵)

حضرت چاندنی بیگم صاحبہ محل نواب افضل الدولہ بہادر بھی حضرت ابن صاحب شطاری کے فرزند و جانشین حضرت پیر اں صاحب شطاری کی مرید تھیں ۔

حضرت شیخن احمد شطاری رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ شطاریہ کے بانی اول مولانا سید عبداللہ صاحب قادری کو ان کے شیخ طریقت مولانا عبدالوہاب نے " شطار " سے ملقب فرمایا تھا ۔ موجودہ سلسلہ شطاریہ کے مورث اعلیٰ حضرت سید احمد قادری گجراتی تھے حضرت کا مزار شہر اورنگ آباد میں ہے ۔ ممدوح کا سالانہ عرس ۱۲ ۔ صفر المظفر کو اہتمام سے ہوتا ہے ۔ اس سلسلہ میں حضرت غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو گوالیار میں مدفون ہیں اور جن کا گنبد فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ حضرت سید احمد گجراتی کے فرزند اکبر مولانا سید شہاب الدین محمود المعروف بہ گونگے صاحب کے فرزند حضرت شیخن احمد شطاری اولیٰ بلدہ حیدرآباد میں تشریف فرما ہوئے ۔ اندرون دروازہ دبیر پورہ (حیدرآباد دکن) ایک مسجد تعمیر کروائی جو مسجد شطاریہ کے نام سے موسوم ہے ۔ حضرتِ شیخن احمد شطاری رحمۃ اللہ علیہ اسی مسجد کے صحن میں مدفون ہیں ۔ حضرت کے مزار کے بازو مشرقی حصہ کا مزار آپ کے فرزند حضرت حافظ عسکری شطاری کا ہے ۔ عسکری شطاری کے مزار کے پائیں میں حضرت کے فرزند اکبر حضرت حافظ غلام شیخن احمد شطاری کا مزار ہے جو حضرت خواجہ محبوب اللہ کے خسر محترم ہیں (ملاحظہ ہو شجرہ)

وصال کے وقت تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حینِ حیات تھے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔ (اگلے صفحہ پر)

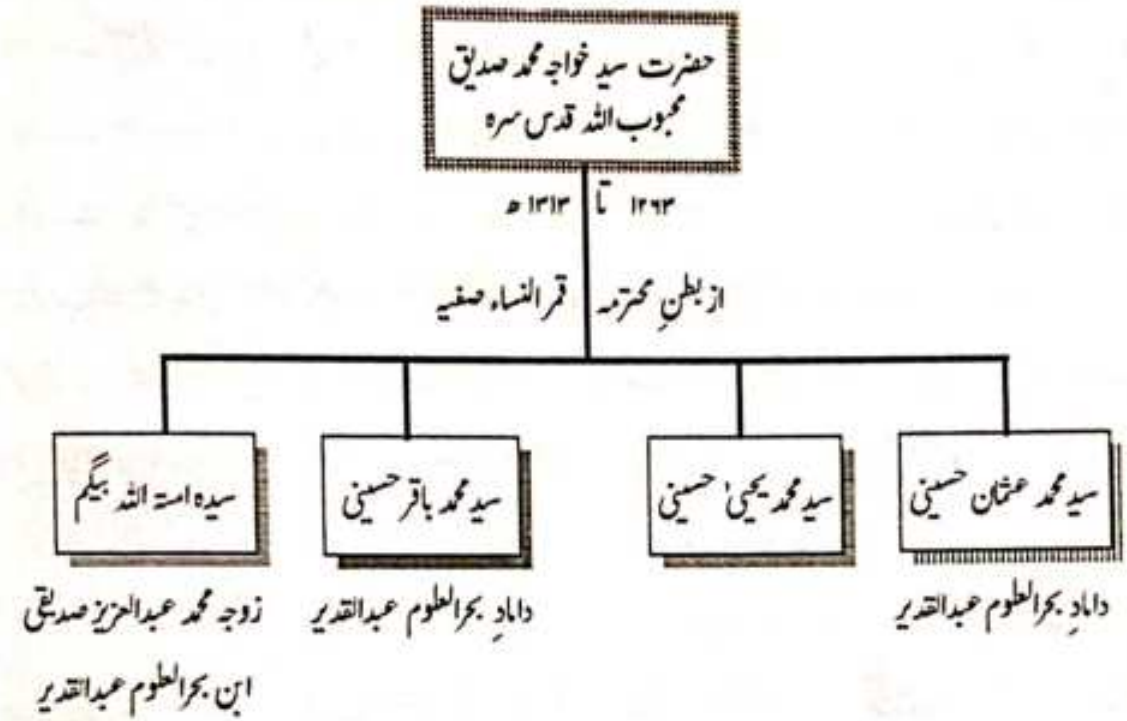

حضرت سید خواجہ محمد صدیق
محبوب اللہ قدس سرہ
۱۲۹۳ تا ۱۳۱۳ ھ
ازبطنِ محترمہ قمرالنساء صفیہ
سید محمد عثمان حسینی
داماد بحرالعلوم عبدالقدیر
سید محمد یحییٰ حسینی
سید محمد باقر حسینی
داماد بحرالعلوم عبدالقدیر
سیدہ امۃ اللہ بیگم
زوجہ محمد عبدالعزیز صدیقی
ابن بحرالعلوم عبدالقدیر

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کی اولاد

۱۔ حضرت سید محمد عثمان حسینیؒ

حضرت کے فرزند اکبر حضرت سید عثمان حسینی رحمۃ اللہ علیہ ماہ صفر ۱۲۹۰ھ میں تولد ہوئے۔ والد محترم کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

عربی، فارسی اور اردو میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ ان کی مجالس وعظ میں لوگ کثرت سے شریک ہوتے۔ زمانہ دراز تک مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے۔

شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ فائقؔ تخلص فرماتے تھے۔ ان کا کلام "اذکار غیب" کے نام سے طبع ہوچکا ہے۔

طبیعت میں سادگی بہت تھی دیسی پارچہ خصوصاً کھادی کے استعمال کو سب سے پہلے حضرت عثمان حسینی ہی نے رواج دیا۔ زمانہ دراز کے بعد کانگریسی قائدین نے اس کے استعمال پر زور دیا۔

اتباع سنت کے نہ صرف شدت سے پابند تھے بلکہ اپنے مریدین معتقدین اور متوسلین کو بھی سختی سے پابندی کی تاکید کیا کرتے تھے۔ اگر مریدین میں کوئی نماز تہجد کا پابند نہ ہوتا تو اس سے کوئی کام لینے یا بات کرنے سے احتراز فرماتے تاکہ اس میں احساس ندامت پیدا ہو اور پابند ہوجائے۔

اتباع سنت کا اس قدر خیال تھا کہ حضرت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین کے نمونہ پر نعلین بنوائی۔ پہلے نعلین کا رواج نہ تھا۔

اتباع سنت کا نتیجہ تھا کہ کثرت سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سے مشرف ہوتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے تھے کہ "اگر چار روز اس طرح گذر جائیں کہ سرکارؐ کا جمال مبارک نہ دیکھوں تو جی بے چین ہو جاتا ہے"۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ "ایک عرصہ سے میری ہر نماز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ادا ہورہی ہے۔ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو آقائے نامدارؐ کو امام پاتا ہوں"۔

طبیعت میں استغناء بہت تھا۔ امراء اور رؤسا سے زیادہ میل جول ناپسند تھا۔ نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ سادس نے متعدد مرتبہ آپ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔

۲۱۔ شعبان ۱۳۲۶ ہجری کو حسب عادت کچھ مریدین کے ساتھ پاپیادہ پہاڑی شریف (بابا شرف الدین) فاتحہ کی غرض سے حاضر ہوئے۔ آصفجاہ سادس اس زمانہ میں سرکاری باغ واقع پہاڑی شریف ہی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت واپسی میں جب بنگلہ کے سامنے سے گزرے، اس وقت اعلیحضرت سامنے برآمد تھے۔ جوں ہی ان کی نظر حضرت پر پڑی مصاحبین سے دریافت کیا کہ "کیا حضرت عثمان میاں صاحب قبلہ یہی ہیں؟ تصدیق کے ساتھ ہی نکل پڑے چوبدار نے دوڑ کر حضرت سے عرض کیا سرکار تشریف لارہے ہیں۔ حضرت نے خیال کیا کہ شاید بازو ہٹ کر چلنے کہہ رہا ہے کنارے ہٹ کر چلنے لگے اور رفتار تیز کردی۔ چوبدار پر چوبدار دوڑایا گیا کہ حضرت سے معروضہ کریں کہ سرکار ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ محبوب علی پاشا نے حضرت کو تیزی سے چل کر ملانے کا جو ارادہ کیا تو ایک پیر کا جوتا بھی پیر سے نکل گیا۔ اطلاع ملنے پر عثمان میاں حضرت ٹھیر گئے۔ اور اعلیحضرت اسی حالت میں قریب آگئے۔ مؤدبانہ سلام عرض کیا اور حضرت کا دست مبارک لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تھوڑی دیر خاموشی میں گزری۔ عثمان میاں حضرت نے پوچھا کچھ فرمائیں گے؟ اعلیحضرت نے عرض کیا قدمبوسی کا اشتیاق تھا آج خوش نصیبی سے پورا ہوا، میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا دی

اور آگے بڑھ گئے ۔ اس ملاقات کے دسویں روز طغیانی رودِ موسیٰ کا واقعہ پیش آیا الحمد للہ کہ اعلیحضرت مع رعایا اس آفتِ عظیم سے بچ گئے ۔ •

حضرت عبدالقدیر فرماتے ہیں " عثمان میاں صاحب اور مجھ میں بے حد محبت تھی "۔

فرمایا ۔ " مسجد کے ایک کونے میں عثمان میاں صاحب اور دوسرے کونے میں میں بیٹھ جاتا اور ہم دونوں ذکر جہر کرتے مسجد نج نج بولتی تھی "۔

فرمایا " ایک مرتبہ ہم دونوں ورنگل گئے معشوقِ ربانی کی درگاہ پر پہنچے درگاہ میں کوئی نہیں تھا اور قفل لگا ہوا تھا ۔ میں نے کہا ہم آگئے ہیں تو زیارت کرکے جائیں گے ۔ قفل پکڑ کر کھینچا تو قفل کھل گیا ۔ ہم اندر پہنچے بعد زیارت واپسی میں قفل پھر سے لگا دیا "۔

عثمان میاں صاحب نے ارض مقدس حجاز کا سفر فرمایا ۔ آخری مرتبہ واپسی میں اثنائے راہ بمقام جدہ بیالیس سال کی عمر میں ۱۵ ۔ صفر ۱۳۳۲ ہجری واصل بحق ہوئے ۔ اس روز حیدرآباد میں اختلاف مطالع کی بنا پر ۱۴ ۔ صفر تھی ۔ اس بنا پر حضرت کا عرس یہاں پر صفر کی تیرہ (۱۳) ۔ چودہ (۱۴) ۔ پندرہ (۱۵) تاریخ ہوتا ہے ۔ اور ماہانہ فاتحہ ہر ماہ ۱۴ تاریخ ہوتی ہے ۔

حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ عزیز النساء بیگم تھیں جن کے بطن سے ایک صاحبزادی امۃ المحبوب ، مولانا حافظ سید شاہ عبدالوہاب شطاری ابن علامہ سید شاہ محمد علی شطاری کی زوجہ ہیں ان کے علاوہ تمام نرینہ اولاد کمسنی میں انتقال کرگئی ۔ اب صاحبزادی صاحبہ ہی سے آپ کی آل کا سلسلہ جاری ہے ۔

پہلی زوجہ محترمہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی آخری سفرِ حج و زیارت سے پہلے محترمہ فاطمہ بیگم بنت بحرالعلوم مولانا عبدالقدیر صدیقی سے فرمائی ۔ جن کا وصال حضرت کے وصال سے پانچ روز قبل جدہ ہی میں ہوا ۔ دونوں میاں بیوی جدہ ہی میں دفن ہیں ۔

(آل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

۲ ۔ حضرت سید محمد یحییٰ حسینیؒ

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید محمد یحییٰ حسینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے برادر معظم کے بعد جانشین ہوئے ۔ ان کی کنیت ابو السعادات تھی ۔ یحییٰ پلشاہ کے عرف سے مشہور تھے ۔ حاذقؔ تخلص فرماتے تھے ۔ صفر ۱۳۰۳ ہجری میں تولد ہوئے اور ۳ ۔ صفر ۱۳۷۳ ہجری کو وصال فرمایا ۔

نو یا دس سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ برادرِ معظم سید عثمان حسینیؒ کے زیر سرپرستی پرورش پائی ۔ مدرسہ دارالعلوم میں مولوی عالم تک تعلیم حاصل کی پھر اپنے عم محترم حضرت سید عمر حسینیؒ سے قرآن کی روایت اور فن تجوید میں سند حاصل کی ونیز تفسیر ، حدیث ، فقہ ، ادب اور منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی ۔ اور خسر محترم علامہ سید غلام غوث شطاری اور برادر بزرگ بحرالعلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی سے علوم متذکرہ صدر کی تکمیل فرمائی ۔ والد ماجد کے ساتھ حجاز کا سفر کیا اور ایک سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا ۔ تو وہاں بھی علامہ حسین احمد مدنی اور دیگر اساتذہ سے استفادہ فرمایا ۔

خوشنویسی و خطاطی میں نسخ و نستعلیق ہر دو سے واقف تھے ۔ اس فن کو مولوی ہاشم علی صاحب سے سیکھا تھا ۔

• یکم رمضان ۱۳۲۶ ہجری

شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی ۔ ابتداءً اپنے برادر معظم حضرت فائق سے پھر استاد جلیل سے • اور پھر ثاقب بدایونی سے تلمذ حاصل کیا ۔

شرف بیعت اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ سے تھا ۔ خلافت بڑے بھائی نے عطا کی ۔

طبیعت میں بہت سادگی تھی ۔ تکلفات سے ہمیشہ تنفر رہا ۔ اپنے نام کے ساتھ صرف یحییٰ قاضی پورہ والا تحریر فرمایا کرتے ۔ نمود و نمائش سے احتراز کرتے ۔ لوگ قدمبوسی کرنا چاہتے ۔ پیر کو ہاتھ لگانے نہ دیتے ۔

لوگوں کے قلبی کیفیات حضرت یحییٰ پاشاہ کے سامنے مثل آئینہ تھے ۔ شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادری نے فرمایا کہ متعدد مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ رات میں میں نے جو خواب دیکھے صبح ملاقات ہونے پر حضرت نے خود سے بیان کردیئے ۔

حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر صدیقی اکثر فرمایا کرتے " یحییٰ پاشاہ کو دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبت متشکل ہوکر زمین پر اتر آئی ہے ۔ اور فرماتے تھے ۔ " یحییٰ پاشاہ گلاب کا پھول ہیں " ۔

حضرت یحییٰ پاشاہ کی تصانیف میں " نورِ ہدایت " قابل مطالعہ ہے جو طبع ہو چکی ہے ۔ اس رسالہ میں زیارت قبور ، توسل ، ندا ، علم غیب جیسے مختلف فیہ مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

گوشہ نشین رہتے ہوئے بھی سینکڑوں کو فیضیاب کیا ۔ ان کے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے ۔

حضرت یحییٰ پاشاہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت خاص حاصل تھی ۔ انھوں نے ۱۳۳۱ ہجری میں جب دوسری مرتبہ ارض مقدس حجاز کا سفر کیا تو مدینہ طیبہ کی حاضری کے ضمن میں خود ہی فرماتے ہیں ۔

" ایک روز میں نے حرم نبوی میں رات کے قیام کی اجازت لی ۔ میرے ساتھ غلام حسین نامی ایک ساتھی بھی تھے ۔ اس زمانے میں مدینہ طیبہ میں ایک مجذوب رہتے تھے جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ بڑے صاحب باطن اور صاحب حکومت ہیں ۔ اور مجذوب صاحب کو روزانہ حرم اطہر میں رات میں ٹھیرنے کی اجازت تھی ۔ عشاء کی نماز کے بعد حرم شریف سے تمام لوگ برخواست کردیئے گئے ۔ اب صرف میں اور میرے ساتھی غلام حسین صاحب اور مجذوب صاحب رہ گئے ۔ مجذوب صاحب روضہ انور کے بالکل محاذی بیٹھے ہوئے اپنے میں آپ اشارے کرتے اور مسکراتے جاتے تھے ہم بھی ان کے پیچھے بیٹھ گئے ۔ دو تین مرتبہ ایسا ہوا کہ مجذوب صاحب اشارے کرتے کرتے پلٹتے اور جب ہمیں دیکھتے رک جاتے ۔ مجھے خیال ہوا شاید ہماری وجہ سے ان کے اشغال میں فرق آرہا ہے ۔ لہذا غلام حسین صاحب کو ساتھ لے کر ایسے مقام پر جا بیٹھا جہاں سے روضہ انور کا نظارہ تو ہوتا تھا مگر مجذوب صاحب دکھائی نہ دیتے تھے ۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی گہری نیند میں خراٹے لیتا ہے ۔ ہمیں خیال ہوا شاید مجذوب صاحب کی آنکھ لگ گئی ہے ۔ دیکھا تو وہ اپنے راز و نیاز میں مصروف ہیں ۔ خیال ہوا شاید ہماری طرح کسی اور نے بھی قیام کی اجازت لی ہے اگر ایسا ہے تو ان کو بیدار کردینا مناسب ہے کہ یہ مقام ادب ہے ۔ چنانچہ قریب جاکر دیکھا تو ایک صاحب نظر آئے عربی لباس پہنے ہوئے مواجہ شریف کی جانب پیر کئے ہوئے آرام فرما رہے ہیں ۔ میں اس خیال سے لرز گیا کہ اس مقام پر سوجانا ہی بے ادبی ہے اور خراٹے لینا تو بڑی ہی بے ادبی کی بات ہے ۔ اس پر طرہ مواجہ شریف کی جانب پاؤں کرکے سونا

• جلیل مانک پوری فصاحت جنگ بہادر جانشین امیر مینائی ۔

تو قیامت تھا ارادہ کیا کہ فوری جگا دینا چاہیے ۔ چہرہ پر نظر پڑی تو وہ انوار نمایاں ہیں کہ نظر نہیں ٹھیر سکتی ۔ ہم عجب کشمکش میں تھے کہ بیدار کریں یا نہ کریں ۔ کہ کسی اور کی ایسی جرات و ہمت تو ہو نہیں سکتی ، بیدار کرنا بے ادبی ہے اور اگر زائرین میں سے کوئی ہو اور نیند کی غفلت میں پیسر ادھر ہوگئے ہوں تو ہمارا خاموش ہوجانا بھی سوء ادبی ہے اس سوچ بچار میں دس پندرہ منٹ گزر گئے ۔ بالآخر دبی زبان سے دو دفعہ آواز دے دی ۔ مگر وہ بیدار نہ ہوئے تو قدم کو چھو کر آواز دی تو وہ کروٹ بدلتے دکھائی دیئے ۔ دل کا یہ عالم تھا کہ قابو سے باہر ہوا جارہا تھا ۔ عجب کیفیت گزر رہی تھی ۔ ہم اپنے مقام پر واپس آگئے ۔ مگر وہ صورت کچھ ایسی نظر آئی تھی کہ دوبارہ دیکھنے کو دل بیقرار تھا ۔ دل سے مجبور ہوکر چند منٹ کے بعد پھر اٹھا جب اس مقام پر پہنچا تو ان کو نہ پایا ۔ تمام حرم اطہر میں تلاش کیا مگر سوائے میرے اور میرے ساتھی غلام حسین صاحب اور وہ مجذوب صاحب کے چوتھا آدمی حرم اطہر میں نظر نہ آیا ، اس وقت یقین ہوگیا کہ وہ میرے آقا والی دو جہاں روحی فداہی تھے "۔

یہ ہیں یحییٰ پاشا جنہوں نے نہ صرف جمالِ انور کو دیکھا بلکہ جسم اطہر کو ہاتھ سے چھونے کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے ۔

حضرت کی زوجہ محترمہ " میمونہ بیگم صاحبہ " علامہ مولانا سید شاہ غلام غوث صاحب شطاری کی صاحبزادی تھیں ۔ ان کے بطن سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بقید حیات ہیں ۔ ●

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ ذیل ۔

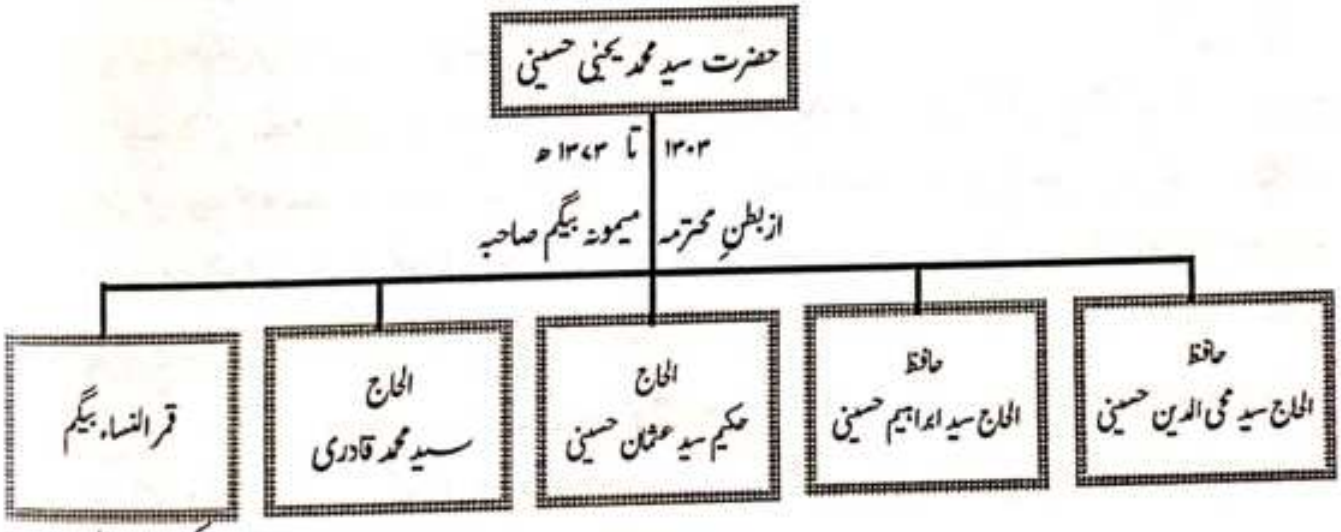

۳ ۔ حضرت سید محمد باقر حسینی"

حضرت خواجہ محبوب اللہ کے تیسرے صاحبزادے حضرت سید محمد باقر حسینی ہیں ۔ جن کا عرف فقیر پاشا اور کنیت ابوالفتح ہے ۔ طارق ۔ تخلص فرماتے تھے ۔ ۱۱ / رمضان ۱۳۰۵ھ میں تولد ہوئے اور ۱۷ / ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ میں وصال فرمایا ۔ مزار باقر نگر نزد عیدگاہ جدید متصل تالاب میر عالم واقع ہے ۔

تعلیم و ذوقِ شعر و سخن عرصہ تک والدہ ماجدہ کے ساتھ حجاز میں قیام رہا ۔ مدرسہ فخریہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم رہے ۔ وہاں سے واپسی کے بعد مدرسہ دار العلوم میں علوم مشرقیہ کی تعلیم پائی ۔ اور عم مکرم حضرت سید عمر صاحب اور برادر بزرگ و خسر محترم حضرت بحرالعلوم

● چاروں صاحبزادے یکے بعد دیگرے وصال فرماگئے اور ریاض مدینہ میں مدفون ہیں ۔ (اکیڈیمی)

محمد عبدالقدیر صدیقی سے آپ نے تکمیل فرمائی۔

شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ ان کا کلام اکثر نعتیہ ہے۔ کچھ حصہ طبع بھی ہوا ہے۔

رسالہ النور ایک عرصہ تک فقیر پاشاہ کے زیر ادارت رسالہ النور شائع ہوتا رہا۔ انہوں نے اس رسالہ کے ذریعہ مسلمانوں میں مذہبی، علمی، ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو پیدا کرنے اور ان میں اولوالعزمی، عالی حوصلگی، جرات، استقامت۔ محنت و جفاکشی، ایثار و قربانی کے اوصاف پیدا کرنے اور ان کو ترقی و کامیابی کے راستہ پر لگانے کی بڑی سعی فرمائی۔

چنانچہ حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر صدیقی نے اس رسالہ کے تعلق سے جو رائے تحریر فرمائی ہے وہ رسالہ النور کی جلد ۶ میں طبع ہوئی ہے، درج ذیل ہے۔

"اس میں علمی، اخلاقی، صوفیانہ اور دیگر مضامین کے نہایت بلند پایہ مضامین درج ہوتے ہیں علاوہ جناب مدیر صاحب کے جو خود بھی ایک فاضل ہیں دیگر افاضل کے رشحات قلم بھی رہتے ہیں۔ اس عرض مدت میں جتنے اور جیسے مضامین رسالہ النور میں شائع ہوئے ہیں وہ باعث امتیاز ہیں۔ جناب مدیر صاحب نے اس طول طویل مدت میں قلم اور رقم دونوں کا بار اٹھایا اور بڑی سینہ زوری سے کام چلایا"۔

حضرت کی رائے کے ساتھ پروفیسر سید مناظر احسن گیلانی کی مندرجہ ذیل رائے بھی شائع ہوئی ہے۔

"جس رسالہ نے دکن کے خورشید مخفی کی شعاعوں کو نہ صرف عہد حاضر کے لئے بلکہ پچھلی نسلوں کے لئے محفوظ کردیا۔ اس کی جلیل خدمات کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ تم نے تو فقط یہ خیال کیا کہ رسالہ النور جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر، شعبۂ دینیات کے صدر، دکن کے عالم و شاعر، صدیقیوں کے گھرانے کے ایک فاضل مولانا عبدالقدیر حسرت کی نظم و نثر کی اشاعت سے سعادت اندوز ہے۔ لیکن عبدالقدیر میں حقیقی قدیر کی قدرت اور کون کے تماشہ کا موقع ملا ہے۔ ان سے پوچھو کہ النور نے کیا کیا اور کیا کر رہا ہے اور کیا کرے گا"۔

حضرت فقیر پاشا کو تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ فن تعبیر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس فن میں بزبان اردو ایک بسیط تصنیف فرمائی ہے جو ہنوز محتاج اشاعت ہے۔ اس کے کچھ حصے رسالہ النور میں شائع ہوچکے ہیں۔ محترم قاری بھی تھے۔ خطاطی میں دخل تھا۔ اچھے طبیب بھی تھے۔ علاج معالجہ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آسیبی علاجات میں حضرت کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ان کے تعویذوں کی بہت شہرت تھی۔ دور دور سے اہل غرض آتے اور مستفید ہوتے تھے۔

طبیعت میں سادگی اور استغناء بہت تھا۔ اچھے اچھوں کا ذکر کیا کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

بیعت بیعت اپنے والد ماجد قدس سرہ ہی سے کی تھی۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا۔ مریدین بھی بکثرت تھے۔

اولاد حضرت سید محمد باقر حسینی کی زوجہ محترمہ، حضرت زینب بیگم صاحبہ، حضرت بحرالعلوم مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بطن سے بوقت وصال ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی بقید حیات تھے۔

زوجہ محترمہ کے وصال کے بعد حضرت نے ایک عقد فرمایا تھا۔ ان کے بطن سے سید حامد حسینی بقید حیات ہیں۔ جو اپنے بڑے بھائی کے وصال کے بعد والد کے جانشین ہوئے ہیں۔ [یہ بھی ۱۳۲۴ھ میں انتقال کرگئے۔۔۔ اکیڈیمی]

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ

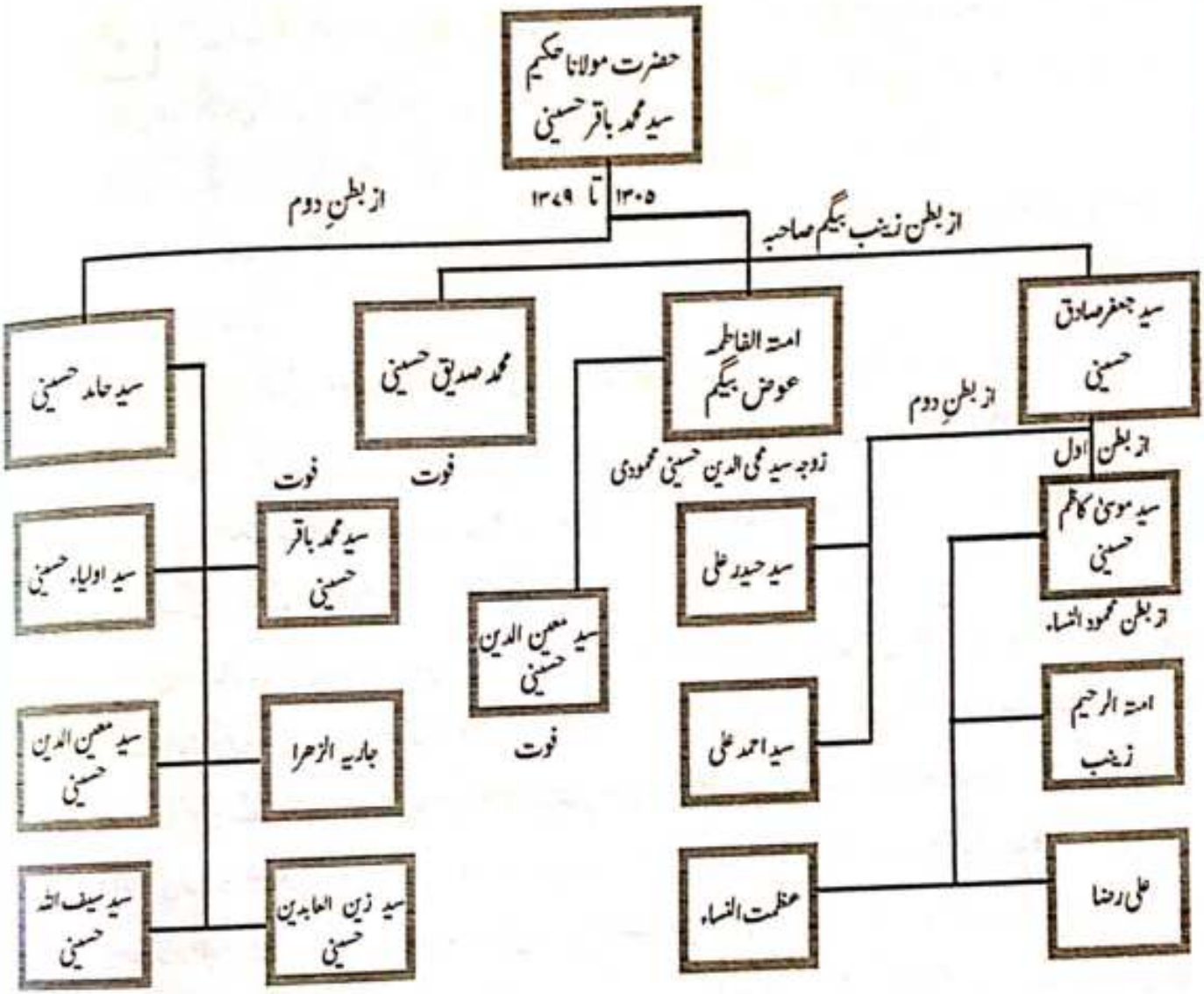

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے بھائی اور ان کی اولاد

۱۔ حضرت سید احمد علی شاہ

حضرت خواجہ محبوب اللہ کے بھائی حضرت سید احمد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ ۲۹ ۔ رمضان ۱۲۷۱ ہجری میں تولد ہوئے اور ۲۵۔ ربیع الآخر ۱۳۳۱ ہجری میں وصال فرمایا ۔

اچھے عالم تھے ۔ حافظ و قاری بھی تھے ۔ ہر سال رمضان المبارک میں محراب سنایا کرتے ۔

شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی لائق — تخلص تھا ۔

فقہ حنبلی میں ایک کتاب موسوم بہ " راہِ عقبیٰ " تحریر فرمائی تھی جو طبع ہو چکی ہے ۔

حضرت کو ابتداء ہی سے فنونِ سپہ گری سے خاص دلچسپی تھی ۔ اس لئے فطرۃً سپاہیانہ جوش تھا ۔ خدا داد قوت کے حامل تھے ۔

دل بہ یار و دست بہ کار حضرت بحرالعلوم مولانا نے بیان فرمایا کہ " فقیر کے منجھلے ماموں صاحب ، چھوٹے ماموں (یعنی سید عمر صاحب) کو اور مجھے کشتی سکھاتے تھے ۔ ہمارے زمانہ میں بناؤٹی یا سیاسی مشائخ نہ تھے ۔ ہنستے بولتے ، کھیلتے کودتے ، پاسِ انفاس بھی کرتے ، ذکر و شغل بھی کرتے ۔ بمصداق دل بہ یار و دست بکار " ۔

غیر معمولی روحانی قوت کے مالک تھے ۔ ضعیفی کے زمانہ میں جب کبھی وجدانی کیفیت طاری ہوتی تو کوئی ان کو سنبھال نہیں سکتا تھا ۔ کشف نہایت عمدہ تھا ۔ جو بات فرماتے وہ اٹل ہوتی ۔ حق گوئی میں لومۃ لائم کا خیال نہ فرماتے ۔ اگر کوئی بات ناگوار گزرتی تو فوراً ٹوک دیتے ۔ خواہ مخاطب کیسی ہی شخصیت کا حامل کیوں نہ ہوتا ۔

بیعت و خلافت بیعت و خلافت برادرِ معظم حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے تھی ۔ حضرت کے ارادتمندوں ، معتقدین اور مریدین کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ۔ ان کا سلسلہ فیض الحمدللہ آج بھی جاری ہے ۔

حضرت کا مزار اولیاء باغ نزد گنبد شریف مولانا میر شجاع الدین حسین قدس سرہ زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

حضرت کی زوجہ محترمہ ولایت النساء بیگم مفتی محمد مسیح الدین محبوب نواز الدولہ کی صاحبزادی تھیں ان کے بطن سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بوقت وصال بقید حیات تھے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ ۔

حضرت شائق حضرت سید احمد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر میر اعظم علی شائق تھے ۔

حضرت شائق ۱۷ ۔ ربیع الاول ۱۲۹۴ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۵ ۔ محرم ۱۳۲۸ھ کو وفات پائی ۔ مادہ تاریخ وفات " عاشق رسول اللہ شائق دکنی " ہے ۔

ابتدائی تعلیم کا انتظام حضرت شائق کے نانا مفتی محبوب نواز الدولہ نے کیا ۔ فن سپہ گری ، فقہ و حدیث اور ادب کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور چچا حضرت سید محمد عمر حسینی سے حاصل فرمائی ۔ مفتی اول بلدہ کی خدمت پر فائز تھے ۔

حضرت شائق کو حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل تھا ۔

شاعری حضرت شائق کے خاندان کا مزاج رہی ہے ۔ چنانچہ اس کا اثر بچپن ہی سے آپ پر بھی ظاہر ہوا ۔ بہت کم عمری سے شعر کہنے لگے ۔ ابتداءً اپنا کلام حضرت سید عثمان حسینی فائق— کو دکھاتے رہے بعد کو ڈاکٹر احمد حسین مائل سے اصلاح لی ۔

حضرت شائق— کا سرمایہ شعری صرف حمد ، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے ۔ موسیقی سے بھی لگاؤ تھا ۔ اس لئے نعتیہ غزلوں کے علاوہ انہوں نے نعتیہ ٹھمریاں اور گیت بھی لکھے ہیں ۔

" کلیات شائق " پہلی بار ۱۳۲۰ ہجری میں شائع ہوا ۔ کلیات شائق کے اتنے ایڈیشن نکلے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے ۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان سے بھی کئی ایڈیشن نکلے ۔

ان کے نعتیہ کلام میں جو اثر انگیزی پائی جاتی ہے اس سے ان کے عشق رسول کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ان کا خلوص ، جوش عقیدت و نسبت اور وارفتگی جذبات ان کی نعتوں کی مقبولیت کا راز ہیں ۔

" ارمان شائق " اس میں خواجہ معین الدین چشتی کی منقبتیں ہیں ۔ یہ کلام ۱۳۱۴ ھ میں شائع ہوا نمونہ قیامت معروف بہ " دریائے غم " ایک منظوم رسالہ ردِ موسیٰ کی طغیانی پر لکھا جو ۱۳۲۶ میں شائع ہوا " یاد محمدی " المعروف بہ " نجات شائق " ہے یہ کلام ۱۳۳۱ ھ میں شائع ہوا ۔

" دعائے سحر " المعروف بہ " مناجات شائق " جو ۱۳۳۰ ھ میں شائع ہوئی ۔

حضرت شائق کی زوجہ محترمہ " فاطمہ بیگم " تھیں ۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بوقت وصال بقید حیات تھے اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

۲ ۔ حضرت سید شاہ محمود مکی

حضرت خواجہ محبوب اللہ کے منجھلے بھائی حضرت سید شاہ محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔

عوام میں مکی میاں کے نام سے مشہور تھے ۔ ۳۰ ۔ ذالحجہ ۱۲۸۰ ہجری مکہ معظمہ میں تولد ہوئے ۔ اور ۵ ۔ محرم الحرام ۱۳۳۸ ھ میں واصل بحق ہوئے ۔ حضرت کا مزار حسینی ٹیکری نزد کشن باغ زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

حضرت حافظ تھے قاری تھے ۔ عربی و فارسی پر خاصا عبور تھا ۔ فقہ حنبلی میں ایک منظوم کتاب موسوم بہ " توشہ عقبیٰ " تحریر فرمائی جو طبع ہو چکی ہے ۔

شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی " ہنر " تخلص فرماتے تھے ۔ ان کی ٹھمریاں بہت مقبول و مشہور ہیں ۔

حضرت میں وضعداری کے ساتھ ساتھ بے حد سادگی تھی ۔ سب سے مستغنی تھے امراء و عہدیداروں سے میل جول ناپسند تھا ۔ کسی کام کو آغاز کرتے تو انجام تک پہنچاتے ۔ بہت رحم دل اور ہمدرد تھے ۔ روحانی کیفیت بھی بہت ممتاز تھی ۔ آسیبی علاجات میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ گھر پر ذکر کے حلقے ہوتے ۔ روزآنہ ارادتمندوں اور حاجتمندوں کا تانتا بندھا رہتا ۔ جو آتا فیضیاب ہوتا ۔

حضرت کو بیعت و خلافت اپنے برادرِ معظم حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے حاصل تھی ۔ کشف و کرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں ۔

حضرت سید شاہ محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ " امیر بیگم صاحبہ " تھیں جو میر ولایت علی ابن میر قربان علی شہید کی صاحبزادی تھیں ۔

جن کے بطن سے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں ۔

امیر بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد آپ نے دوسرا عقد فرمایا جن کے بطن سے ایک صاحبزادہ سید محمد صادق عرف جعفر پاشا ہوئے ۔ جن کی اولاد موجود ہے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

حضرت سید شاہ محمود بکی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر سید محمد مسعود حسینی قادری محمودی تھے ۔

" میاں محمد صاحب " کے عرف سے مشہور تھے ۔ ۲۶ ۔ ذیقعدہ ۱۳۰۸ ہجری میں وصال فرمایا ۔

مولانا اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے ۔ نہایت متشرع تھے چہرہ سے سیادت ٹپکتی تھی ایک چھوٹی سی تسبیح دن رات ہاتھ میں رہتی جس پر درود اور اذکار جاری رہتے ۔ طبیعت میں استغناء حد سے زیادہ تھا ۔ تنہائی پسند تھے ۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے ۔ کسی پر کم زیادہ بار ڈالنے سے احتراز فرماتے ۔ نہایت پاک صاف اور ہمیشہ باوضو رہتے ۔ ان کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا کہ ایک فرشتہ ہے جو زمین پر اتر آیا ہے ۔ چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتے رہتی ۔

سنت کے پیش نظر تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا تھا ۔ ابتداء میں بادشاہی عاشورخانہ کے قریب منیاری سامان کی دوکان شاہ راہ پر لگائی تھی ۔ بعد میں ناملی کی شاہ راہ پر حضرت کی دوکان تھی ۔ اسی دوکان پر حضرت سے نیاز حاصل کرنے کا مجھے دو یا تین بار موقع ملا ۔

گھر کے صحن پر مختلف قسم کے کروٹن اور ہر اقسام کے پودوں کے بے شمار کونڈے قرینے سے جماکر رکھتے تھے ۔ ان پودوں کی پرداخت ان کا تنہائی کا مشغلہ تھا ۔ عمدہ قسم کے انگور کی بیلیں نہایت اہتمام سے لگائی تھیں ۔ عزیز و اقارب ملاقات کے لئے جاتے تو انتہائی شفقت اور محبت سے پیش آتے ۔ باوجودیہ کہ بیوی کا انتقال ہوچکا تھا ۔ مگر سسرال سے تعلقات کو اسی طرح برقرار رکھا جس طرح بیوی کی زندگی میں تھے ۔ چنانچہ عیدین میں مولانا عبدالمقتدر صاحب کے پاس بہ پابندی تشریف لے جایا کرتے ۔ وہ اپنی بیٹی کی زندگی کے زمانہ کی طرح عید کی سلامی پیش کرتے اور داماد کو لینے پر مجبور کرتے ۔ اور فرماتے " پاشا یہ ہماری طرف سے آپ کی خدمت میں حقیر نذر ہے " ۔

مولانا کی اپنی اولاد زندہ نہ رہی تھی ۔ چھوٹے بھائی سید محمد صادق حسینی عرف جعفر پاشاہ کو بڑے ہی نازوں سے اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا ۔ پڑھایا لکھایا ۔ مگر ان سے کسی قسم کی غرض وابستہ نہیں رکھی تھی ۔

جعفر پاشاہ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم ۔ اے کیا ۔ اس کے بعد طبیہ کالج میں شریک ہوئے اور حکمت کا پورا کورس مکمل کیا ۔ بعد میں ملازمت ملی تو تعلیمات کی ۔ ضلع پر کسی سرکاری مدرسہ کے برسوں صدر مدرس رہے ۔

مولانا سید مسعود حسینی محمودی صاحب نے پہلی شادی حضرت غلام غوث شطاری کی صاحبزادی سے کی تھی ان سے اولاد ہوئی مگر کمسنی میں فوت ہوئی ۔ ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی اپنے حقیقی پھوپھی زاد بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب صدیقی کی بڑی صاحبزادی فاطمہ امۃ اللہ سے فرمائی ۔ ان سے دو لڑکیاں ہوئیں جو کمسنی میں فوت ہوئیں ۔ دوسری بیوی کے انتقال کر جانے کے بعد مرنے تک کوئی اور شادی نہیں کی ۔ تجرد کی زندگی بسر فرماتے رہے ۔ بمقام حسینی ٹیکری اپنے والد کے پائیں میں مدفون ہیں ۔

حضرت سید شاہ محمود بکی کے فرزند دوم مولانا سید قطب الدین احمد محمودی تھے ۔ ۶ ۔ ربیع الاول ۱۳۰۷ ہجری بمقام قاضی پورہ تولد ہوئے ۔ سحرؔ تخلص فرماتے تھے ۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے اور مولوی کامل کا امتحان کامیاب کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی کامیاب کئے ۔

مولانا کو بچپن سے حضرت بحرالعلوم مولانا عبدالقدیر صدیقی سے علوم ظاہری و باطنی میں تلمذ اور اکتساب فیض کا موقع حاصل ہوا ۔ چنانچہ مولانا بطور فخر فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے پندرہ سال کی عمر سے پچپن سال کی عمر تک حضرت سے اکتساب فیض کیا تھا ۔ حضرت بحرالعلوم اپنے مخصوص شاگردوں کا ذکر فرماتے تو ان میں مولانا کا نام خصوصیت سے لیتے تھے ۔

چادر گھاٹ ہائی اسکول پر بحیثیت مددگار ، مدرس عربی و دینیات پچپن سال کی عمر تک کارگذار رہے ۔ اور وہیں سے ۱۹۴۳ ء میں وظیفہ حسن خدمت پر ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی ۔

ملازمت کے ابتدائی دور میں چادر گھاٹ ہائی اسکول کے پرنسپل مشہور نومسلم انگریز مارماڈیوک پکتھال تھے جنھوں نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا جو بہت مشہور ہے ۔ محمد پکتھال صاحب ، مولانا کی عربی دانی سے بہت متاثر تھے اور مولانا سے اکثر عربی میں گفتگو کیا کرتے تھے ۔ ●

● پکتھال ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے مطالعہ کے زور سے اسلام کی صداقت پر ایمان لائے تھے ۔ پکتھال کے اسلام لانے سے انگلستان کے ادبی حلقوں میں ہلچل سی مچ گئی تھی وہاں کے ادیبوں کا خیال تھا کہ جس مذہب کو پکتھال جیسا شخص قبول کرسکتا ہے وہ بالضرور قابل احترام ہونا چاہئیے ۔ پکتھال بمبئی آئے اور بحیثیت ایڈیٹر کام کرتے رہے ۔ اگست ۱۹۲۳ ء سے علیحدگی اختیار کی ۔ کچھ دنوں تک اسکول آف آرٹ (بمبئی) کے پرنسپل سولومن گلیڈسٹون کے مہمان رہے پھر نظام دکن میر عثمان علی خان آصفجاہ کے ایما پر حیدرآباد پہنچے اور چادر گھاٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور ریاست کے سول سروس کے اتالیق مقرر ہوئے ۔ دوران ملازمت انھوں نے دو سال کی چھٹی لی اور مصر جاکر قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مکمل کیا ۔ یہ پہلا ترجمہ ہے جسے ایک نومسلم انگریز نے دنیا کے سامنے پیش کیا ۔ تمہید میں انھوں نے لکھ دیا تھا کہ " ایک ایسا شخص جو کسی مقدس کتاب کے الہامی ہونے کا قائل نہ ہو وہ کبھی اس کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتا " ۔ اس لئے عیسائی دنیا اس ریمارک سے بہت چراغ پا ہوئی ۔

وہ اٹھارہ برس کے تھے کہ مشرق اور اسلامی دنیا کی سیر و سیاحت کیلئے نکلے اور مسجد اقصیٰ میں شیخ جامعہ سے عربی پڑھتے پڑھتے انھوں نے تبدیل مذہب کا اشتیاق ظاہر کیا ۔ شیخ معمر تھے اور تجربہ کار انھوں نے انھیں اپنے والدین سے مشورہ کرنے کی رائے دی ۔ پکتھال کہتے تھے کہ " اس مشورہ نے میرے دل پر عجیب اثر کیا اس لئے کہ میں یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ مسلمان دوسروں کو اپنے مذہب میں لانے کے لئے بیتاب رہتے ہیں ۔ مگر اس گفتگو نے میری رائے بدل دی اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا کہ مسلمانوں کو خواہ مخواہ متعصب ظاہر کیا جاتا ہے " ۔ انھوں نے لندن جاکر اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ۔ ان کا انتقال ۶۱ برس کی عمر میں ۱۹۳۶ ء میں بمقام لندن ہوا ۔ (اقتباس از عظمت رفتہ مؤلفہ ضیاء الدین احمد برنی) ۔

مولانا دراز قد تھے ۔ جسم اکہرا ، رعب دار چہرہ ، داڑھی گھنی اور لمبی ، سر میں زلفیں تھیں ۔ گھر پر کرتہ اور پاجامہ پہنتے اور سر پر کپڑے کی گول ٹوپی رہتی تھی ۔ باہر نکلتے تو سر پر عمامہ ، جسم پر انگرکھا جس کو چوبغلہ بھی کہتے ہیں ہوتا ۔ گلے میں تلوار حائل رہتی ۔ پاؤں میں مخصوص وضع کی نعلین پہنے رہتے ۔

مولانا کو تلاوت قرآن اور اس میں غور و فکر کا بے حد شغف تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ بعض وقت قرآن بھی تلوار کے ساتھ گلے میں حائل رہتا تھا ۔ دیکھنے میں بیک وقت مولوی ، مشائخ اور سپاہی نظر آتے تھے ۔

مولانا بلا کے ذہین اور ہرفن مولا تھے ۔ فن بنوٹ ۔ تلوار اور داؤ پیچ کا فن حضرت عبدالقدیر سے سیکھا تھا ۔ مولانا کو ریاضی اور طبیعات سے گہری دلچسپی تھی ۔ نجوم اور جفر کا مطالعہ بھی کیا تھا ۔ چنانچہ خاندان کے اکثر حضرات کے زائچے بنا ڈالے تھے ۔ جو نہایت دلچسپ اور بڑی حد تک درست نکلے ۔ مولانا نے خود میری پیدائش کے بعد زائچہ بنایا تھا اور زائچہ کی بڑی تعریف کی تھی ۔ اس زائچہ کی خاندان تمام میں بڑی شہرت ہوئی ۔ خاندان کے اکثر افراد والد سے ملنے آتے تو زائچہ خصوصیت سے دیکھتے اور خوش ہوتے تھے ۔

طب یونانی سے بھی دلچسپی تھی ۔ نبض شناسی میں غیر معمولی درک حاصل ہوگیا تھا علاج شمسی کے ضمن میں مختلف رنگ کے شیشوں میں پانی بھر کر دھوپ میں رکھتے اور اس پانی سے علاج کرتے اس طریقہ علاج سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی تھی ۔ مختلف قسم کی دوائیں اور تیل بھی تیار کئے تھے ۔ نمائش مصنوعات ملکی میں اسٹال بھی لگوایا تھا ۔ جس میں مختلف دوائیں اور تیل رکھوائے تھے ۔

مولانا نے ۱۹۵۶ء میں ایک کتاب " سائنس و تصوف " کے نام سے شائع فرمائی تھی ۔ جس میں موجودہ دور کے مادہ پرست نوجوانوں کو تصوف کے حقائق سے روشناس کرانے کی خاطر ایک سائنس داں اور ایک مولانا کے باہمی مناظرہ کی شکل میں پیش فرمایا ہے ۔ جس میں سائنس داں ہر مسئلہ پر الجھتا اور سوال پر سوال کرتا ہے اور مولانا اس کو تشفی بخش انداز میں سائنس کی مثالوں کی روشنی میں سمجھاتے جاتے ہیں ۔ (صفحات ۱۲۸)

مولانا کی دوسری کتاب " نماز کا برقی نظام " یہ ۳۰۴ صفحات کی مجلد سرورق والی کتاب ہے اس کے گرد پوش پر مولانا کی تصویر اس حالت میں دی گئی ہے کہ مولانا ہاتھ اٹھائے دعا کر رہے ہیں ۔ یہ دونوں کتابیں مولانا نے پاکستان کراچی سے شائع کی ہیں ۔

مولانا کا ایک مقالہ بہ عنوان " روحانی زندگی " رسالہ القدیر میں بالاقساط شائع ہوا ہے ۔

مولانا کو شعر و سخن ورثے میں ملا تھا ۔ صوفیانہ اور عارفانہ رنگ تغزل کے بعد جو رنگ شاعری سب سے زیادہ پسند تھا وہ اکبر الہ آبادی کا طنزیہ اصلاحی رنگ تھا ۔ انھوں نے اس رنگ کو بڑے سلیقہ اور قرینہ سے اپنا لیا تھا ۔ مولانا کی بعض رباعیات ان کی تصانیف میں شائع ہوئی ہیں ۔

مولانا مشاعروں میں بھی تشریف لے جایا کرتے اور اپنی مزاحیہ نظموں سے سامعین کو اس قدر ہنساتے کہ بعض وقت پیٹ میں بل پڑجاتے ۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا کے ایک پیر میں ناسور ہوگیا تھا ۔ اس کے لئے عمل جراحی ضروری تھا ۔ جس کے لئے بے ہوش کرنا ناگزیر تھا ۔ مولانا بیہوش ہونے تیار نہ تھے ۔ اور حیدرآباد کا کوئی ڈاکٹر بے ہوش کئے بغیر جراحی کرنے تیار نہ تھا ۔ پولیس ایکشن کے بعد وہ اپنے دونوں صاحبزادوں سید ناصرالدین عرف قبلہ پاشا اور سید محمد مدنی کے اصرار پر جو پاکستان منتقل ہوگئے تھے

وہیں ہجرت فرمائی ۔ کراچی میں جب تکلیف بہت بڑھ گئی تو مولانا کا پیر ٹخنے سے کچھ اوپر قطع کردیا گیا ۔ اس کے بعد لکڑی کا مصنوعی پیر بنالیا گیا تھا ۔ اسی کی مدد سے وہ چلتے پھرتے تھے ۔ راضی بہ رضا تھے ۔ اس مصنوعی پیر کے ساتھ وہ پاکستان سے حیدرآباد دوبار تشریف بھی لائے تھے ۔

مولانا کو بیعت و خلافت اپنے والد محترم سے حاصل تھی ۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا ۔

مولانا نے ۲۷ ۔ رمضان المبارک ۱۳۸۲ ہجری بمقام کراچی پاکستان انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں ۔

مولانا کی زوجہ محترمہ ان کی ماموں زاد بہن " دردانہ بیگم " بنت میر امانت علی صاحب تھیں ۔ جن کے بطن سے چار صاحبزادے موجود ہیں ۔

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

حضرت سید شاہ محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سوم " مولانا **سید محمد صدیق محمودی** " تھے آپ کا عرف خواجہ پاشا تھا ۔ محرم ۱۳۱۸ میں تولد ہوئے ۔ رمزؔ تخلص فرماتے تھے ●۔

علوم مشرقیہ میں منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے غیر معمولی ذہانت اور علمی صلاحیت لے کر پیدا ہوئے تھے ۔ آپ کو تعلیم و تعلم دونوں میں مہارت تھی ۔ عربی فارسی اردو تینوں زبانوں پر حاوی تھے ۔ ادیب بھی تھے اور شاعر بھی ، مقرر بھی تھے مگر تقریر بچوں کو پڑھانے کے انداز کی ہوا کرتی ۔ انگریزی سے کورے نہ تھے ۔ سائنس کی نئی تحقیقات پر نظر رکھتے تھے ۔ جوانی میں مختلف مسائل دینیہ میں خوب گرما گرم بحث کیا کرتے تھے ۔ ضعیفی میں حلم اور سنجیدگی کا پیکر بن گئے تھے ۔ خود اعتمادی بلا کی تھی ۔ کسی علمی مسئلہ کی تحقیق کے بعد اپنی رائے کی انفرادیت پر بڑے اٹل رہتے ۔ بحرالعلوم حضرت علامہ عبدالقدیر صدیقی کا علمی رنگ ان میں سرایت کرگیا تھا ۔ برسہابرس حضرت سے علمی و روحانی استفادہ فرمایا تھا ۔ حضرت کے شاگردانِ خاص میں کے ایک تھے ۔

مزاج میں نہایت سادگی تھی ۔ بناوٹ نام کو نہ تھی ۔ کسی عزیز یا دوست سے ملتے تو انتہائی دلی خلوص و محبت سے ملتے ۔ دوستی و قرابت کا بڑا پاس و لحاظ رکھتے تھے ۔ نہایت متواضع ، منکسر المزاج خلیق اور بامروت تھے ۔ کردار نہایت بلند تھا ۔

یوں تو آپ ایسے خاندان کے فرد تھے جن میں عشق رسول ہر فرد کی گھٹی میں پڑا تھا ۔ تاہم آخری زمانہ میں عشق رسول بھڑک اٹھا تو باوجود کثیر العیال ہونے کے حج و زیارت کا ارادہ کرلیا اور ۱۳۸۳ھ میں بغرض حج و زیارت عازم سفر ہوئے ۔

۱۰ ۔ ذیحجہ ۱۳۸۳ ، کو عین حرم کعبہ میں کعبۃ اللہ کے روبرو ، زمزم کے قریب شب جمعہ واصل بحق ہوئے ۔ مزید خوش نصیبی یہ کہ دوسرے دن بعد نماز جمعہ کم و بیش چھ لاکھ حجاج کرام نے نماز جنازہ ادا کی ۔ عاشق رسول کا جنازہ تھا ۔ لاکھوں پروانہ ہائے شمع نبوت کے بے پناہ ہجوم نے مقام مدفن تک پہنچ کر جنت المعلیٰ میں سپرد خاک کیا ۔

آپ کے پدر بزرگوار حضرت سید شاہ محمود مکی مکہ میں پیدا ہوئے تھے ۔ فرزند ارجمند نے مکہ میں وفات پاکر جہاں کی مٹی تھی وہیں پہنچادی ۔ واللہ یختص برحمتہ من یشآء ۔

● آپ کا انتقال میں ہوا اب مولانا محمد صدیق محمودی رمزؔ کے فرزند یوسف پاشاہ صاحب جانشین مقرر ہوئے ہیں ۔

اپنے برادر معظم سید مسعود قادری کے وصال کے بعد اپنے والد بزرگوار کے جانشین قرار پائے تھے ۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے منجھلے بھائی مولانا قطب الدین محمودی کے فرزند اکبر مولوی شجاع الدین حسین محمودی کو جانشین مقرر کیا گیا ۔

مولانا رمز محمودی کی شادی جمال احمد صاحب منصف کی صاحبزادی سے عمل میں آئی ۔ جن کے بطن سے چار فرزند اور پانچ دختران ہیں ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

۳ ۔ حضرت سید عمر حسینی قادریؒ

حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ ۱۲۸۲ ہجری میں تولد ہوئے اور ۱۹ ۔ صفر ۱۳۳۰ ھ کو انتقال فرمایا ۔ آپ کا مزار بمقام قادری چمن نزد فلک نما زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

حضرت بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی نے حضرت ممدوح کے تعلق سے ایک تعارفی مضمون تحریر فرمایا تھا جو رسالہ القدیر کی جلد دوم کے شمارہ ۲ میں طبع ہوا ہے اس سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ۔

" آپ اپنے والد کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے ۔ چار برس کی عمر ہی میں آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا ۔ اس لئے آپ کے بڑے بھائی حضرت خواجہ میاں محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اور دوسرے بھائیوں کے کفیل رہے ۔

حلیہ :۔ بلند قامت ، نہایت خوبصورت ، سڈول ہاتھ پاؤں ، بڑی بڑی آنکھیں ، ستواں ناک ، رنگ گوراگندی ، سر میں پٹے ، بال نہایت سیاہ چمکیلے ، سر میں صلع تھا ۔ (یعنی تالو کے اگلے حصہ پر بال کم تھے) خوبصورتی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ راستے سے گزرتے جسم کے تناسب اور چہرہ کے نورانی پن میں کچھ ایسی دلکشی تھی کہ چلتے لوگ آپ کو گھورتے کھڑے ہوجاتے ۔

لباس :۔ عام طور پر چوبغلہ یا بڑا کرتہ ، صدری ، بعض دفعہ پاجامہ بعض وقت تہبند ، سر پر سفید عمامہ مگر بہت بڑا نہیں ہوتا تھا ۔ اکثر کپڑے کی سفید ٹوپی پہنتے ، کندھے پر رومال ، پاؤں میں آپا شاہی جوتا یا نعلین ۔

تعلیم و تربیت :۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والدہ محترمہ یعنی فقیر (حضرت بحرالعلوم) کی نانی صاحبہ نے دی ۔ بعد ازاں مدرسہ محبوبیہ میں شریک کئے گئے جہاں مولوی امیر احمد صاحب کو ہاطی سے نحو ، صرف ، ادب ، منطق وغیرہ پڑھا ۔ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا منصور علی صاحب سے پڑھیں ۔ حکیم حضرت عبدالوہاب صاحب انصاری نابینا صاحب سے بھی غالباً حدیث کا درس لیا ہے ۔ صحاح ستہ کی تکمیل مولانا عباس علی خان صاحب سرحدی افغانی مقیم حیدرآباد سے کی ۔ آپ کے ہم درس مولانا سید غلام غوث صاحب شطاری ، مولانا محمد علی شطاری ، مولانا اشرف شمسی ، نواب ضیاء یار جنگ ، اور اسد اللہ حسینی صاحب (والد ماجد پروفیسر قاری کلیم اللہ صاحب) تھے ۔ اس درس کا ایک عجیب واقعہ مولانا شمسی کی روایت سے قاری کلیم اللہ حسینی صاحب کی زبانی سننے میں آیا کہ مولانا شمسی نے فرمایا " ہماری جماعت حدیث کے سب لوگ جب جمع ہوجاتے تو اس کے بعد ایک صاحب نہایت حسین و جمیل سفید شفاف لباس پہنے درس میں شریک ہوتے اور جب درس ختم ہوجاتا تو وہ سب سے پہلے اٹھ کر چلے جاتے ۔ اثنائے درس میں اگر ان سے آنکھیں چار ہوتیں تو ہماری

نظریں جھک جاتیں ۔ بعد میں معلوم ہوا وہ قوم جن سے تعلق رکھتے تھے "۔

حضرت سید محمد تونسی کے پاس آپ اور آپ کے ساتھ مولوی غلام غوث صاحب شطاری نے سبعہ قراءت سے تمام قرآن سنا کر سندیں حاصل کیں ۔

روحانی تعلیم :۔ آپ کی روحانی تعلیم آپ کے بڑے بھائی حضرت سید محمد صدیق محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہ العزیز نے فرمائی ۔ چنانچہ خود مولانا نے اپنی ایک تالیف " رہبر طریقت " کے دیباچہ میں یوں تحریر فرمایا ہے ۔

" مجھے علم ظاہری میں اسی خضر کی بدولت راہ ملی اور علم باطنی میں بھی انہی کے مبارک ہاتھ سے خلافت کی کلاہ ملی "۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت محبوب اللہ علیہ الرحمہ خود چھپے رہے اور مولانا سید عمر صاحب اور دیگر خلفاء وغیر ہم کو ظاہر فرما دیا ۔ چنانچہ مولانا نے حضرت کے سامنے مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ قرآن مجید کی تفسیر اور وعظ فرمانا شروع کیا تھا ۔ آپ کے مواعظ میں لوگ بکثرت آتے اور روحانی فیوض سے استفادہ کرتے ۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ حضرت قبلہ بھی آپ کے وعظ میں شریک رہتے اور سماعت فرماتے ۔ مگر عموماً کسی گوشہ میں چھپے رہتے ۔ اپنے کو ظاہر نہ فرماتے ۔

ایک مرتبہ فرمایا " بابا جمعہ عید المومنین ہے آٹھ دن میں ایک دفعہ تمہیں اجازت ہے اطمینان سے اپنے کاروبار انجام دو ۔ اپنے بال بچوں میں ہنسو بولو ، ہر ایک کو ان کا حق دو وات کل ذی حق حقہ کا آخر مطالبہ کیا ہے ؟ حق بحقدار برسانید ۔ صبح کو اٹھو اپنے گھریلو کاروبار سے فراغت پاکر نہا دھو کر نماز جمعہ ادا کرلو ۔ نماز جمعہ تک خرید و فروخت یا اور دوسرے ایسے کاروبار بند رکھو ۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر پھر اللہ کے فضل سے اپنے کاروبار میں لگ جاؤ " ۔ اس کہنے کا کیا اثر ہوا ۔ لوگ کم از کم جمعہ کی نماز کی پابندی کرنے لگے ۔ پھر دوسری نمازوں کے ادا کرنے کا شوق ہوا ۔ یہی مکہ مسجد اس وقت بھی تھی مگر مشکل سے آدھی مسجد بھی مصلیوں سے جمعہ کے دن نہ بھرتی تھی ۔ یہ ان بزرگوں کے کہنے سننے کا اثر تھا کہ اللہ نے مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور روز بروز مصلیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا ۔

اتباعِ سنت :۔ آپ روز مرہ کاروبار ، کھانے پینے ، چلنے پھرنے غرض ہر کام میں احکام خدا و رسول کو پیش نظر رکھتے ۔ قرآن شریف اور احادیث کا بکثرت ورد رہتا ۔ مواعظ میں بالکلیہ قال اللہ و قال الرسول ہی کی تشریح فرمایا کرتے تھے ۔ اسی لئے آپ پر احادیث کے فیوض کا غیر معمولی اثر تھا ۔ اور غالباً ان ہی اثرات کے سبب آپ حنبلی المشرب ہوگئے تھے ۔ اتباع سنت کے ضمن میں فقیر نے تو ایسا بھی دیکھا ہے کہ ایک ہی کرتہ بار بار دھو دھو کر پہنتے پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتے ۔ حالانکہ خدا کا دیا سب کچھ تھا ۔ صلہ رحمی بھی آپ خوب فرماتے اور کسی کو دینا ہوتا تو اس طرح دیتے کہ دوسرے کو خبر تک نہ ہوتی ۔

اگر کسی چیز پر شبہ ہوتا تو اسے ہرگز نہ کھاتے اور نہ استعمال کرتے ۔

اور اد و وظائف کے بھی پابند تھے ۔ چنانچہ سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ بھی ایک ہفتہ کی تنہائی اور ترک حیوانات جلالی و جمالی سے حضرت مولانا شجاع الدین صاحب قبلہ کی گنبد کی مسجد کے بازو والے کمرہ میں بیٹھ کر دی ۔ بعد میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ سورہ فاتحہ بہت ہی سریع الاثر اور قوی العلاج ہے ۔

ورزش :۔ مولانا کو ورزش کا بھی شوق تھا ۔ کم و بیش روزانہ سات سو ڈنڈ پیلتے ۔ ہزار سے زیادہ بار مگدر کی جوڑی ہلاتے ۔ آپ کا سنگ تولہ بھی کافی وزن تھا جسے آپ اٹھایا کرتے تھے ۔ اس کا مولانا کو بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ اتنی دیر میں سات سو ڈنڈ کرلوں گا ۔ پس دل میں لا الہ الا اللہ کہتے جاتے اور ایک ایک ڈنڈ پیلتے جاتے ۔ مگدر پھرانے میں زیادہ وقت لگتا ہے اس لئے اونچے پایوں کی

چوکی سامنے رکھ کر اس پر قرآن رکھتے ۔ قرآن شریف پڑھتے جاتے اور کمر ہلاتے جاتے ۔ صفحہ الٹنا ہو تو کسی بچہ کو اشارہ فرما دیتے وہ ورق الٹ دیتا پھر آپ پڑھنے لگتے ۔ اس طرح ان کی ورزش بھی سراپا عبادت تھی ۔

اخلاق و عادات :۔ طبیعت میں بڑی ہمدردی تھی ۔ پڑوسی ، مریدین اور قرابت دار ہر ایک کا بڑا لحاظ کرتے ۔ ایثار کا عملی نمونہ تھے ۔ کسی کی تکلیف آپ سے دیکھی نہ جاتی تھی اور دوسروں کی آفت اور مصیبت کے وقت خود آڑے آجاتے ۔

حیدرآباد میں ۱۹۰۸ء میں طوفان آیا ۔ موسیٰ ندی میں طغیانی ہوئی ۔ ہزاروں گھر ویران اور سینکڑوں آدمی غرقاب ہوگئے ۔ بڑے بڑے راستوں پر پانی سیلاب کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا اس وقت فقیر پتھر گٹی کے مکان میں تھا ۔ مولانا فقیر کے گھر تشریف لائے ۔ فرمایا کہ " پانی بڑھتا جا رہا ہے ۔ مکانات گر رہے ہیں ، شاہ علی بنڈہ بلندی پر ہے انشاء اللہ پانی نہ آسکے گا ۔ بابا ہمارے پاس چلو " ۔ فقیر کی بیوی نے کہا " ماموں جان میرے گھر میں دوسرے اور لوگوں نے پناہ لی ہے جب تک وہ لوگ میرے گھر سے چلے نہ جائیں میں نہیں چل سکوں گی " ۔ یہ سن کر متبسمانہ انداز میں فرمایا ۔ " بیٹا تم اپنے جملہ متعلقین کے ساتھ چلو کوئی اندیشہ نہ کرو " ۔ یہ فرمایا اور خود عبداللہ صاحب میوہ فروش کے گھر جاکر ان کی سواری لی اور ہمارے گھر میں جتنے لوگ تھے ان سب کو اپنے گھر پہنچایا ، جلد لے جانے کے لئے ایک ٹانگہ والے کو بھی بلالیا اس سے فرمایا ۔ " بابا کرایہ کروگے ؟ اس نے عرض کیا ۔ " حضور میری جان آپ پر سے صدقہ ہے کرایہ کا کیا سوال ہے " اس ٹانگہ والے نے بھی ہمارے گھر کے لوگوں کو منتقل کرنے میں کافی مدد دی ۔ ہم سب لوگ جس قدر بھی مولانا کے مکان پر آکر ٹھیرے تھے انہیں تین دن تک مولانا نے اپنی طرف سے کھانا کھلایا اپنی ہر چیز پناہ گزین حضرات کے لئے وقف فرمادی ۔ جب پانی کا زور پوری طرح کم ہوگیا اور حالات ٹھیک ہوگئے تو اس وقت لوگ وہاں سے واپس ہوئے ۔

ہر سال ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مبارک مہینوں میں کھانا پکواکر لوگوں کو کھلاتے ۔ دستر خوان پر بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں رہتا ۔ سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ۔ خود بھی شریک ہوجاتے ۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ کھانا تیار کرنے کے انتظام میں آپ بھی حصہ لیتے ۔ کبھی پانی کا گھڑا کندھے پر اٹھا کر لاتے ۔ کبھی اور کام کرلیتے ۔ مریدین عرض کرتے تو آپ فرماتے آخر مجھے بھی تو کچھ کرنا ہی چاہئیے ۔ تم لوگ کام کرتے رہیں اور میں کھڑا منہ تکتا رہوں بھلا یہ کیسے ممکن ہے ؟ آپ کے اخلاق کے نہ صرف اپنے بلکہ اغیار بھی مداح تھے ۔

ان دنوں جب کہ قادیانی فتنہ زور پکڑ رہا تھا ۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا ۔ آپ نے اس کے رد میں کئی رسالے لکھے ۔ اور انھیں دعوت مباہلہ بھی دی ایک دعوت نامہ متعدد علماء و مشائخین حیدرآباد کی دستخطوں سے ان لوگوں کے پاس بھیجا بھی گیا مگر ادھر سے کوئی نہ آیا ۔ اور نہ اس کا کوئی جواب ہی دیا گیا ۔

بڑے ماموں صاحب قبلہ کے ساتھ نانی اماں صاحبہ کی ہمراہی میں مولانا نے بھی حج کا سفر کیا ۔ سفر میں ہم بھی تھے ۔ حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ گئے اور وہاں نو دس مہینے رہے پھر مکہ معظمہ آکر دوسرا حج ادا کیا پھر حیدرآباد واپس ہوئے ۔

ایک دفعہ مولانا ہند کے مشہور عالم و محدث مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب سے ملنے بھی ان کے پاس تشریف لے گئے ۔ ان دونوں حضرات میں بڑی محبت تھی ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے ۔

تصنیف و تالیف :۔ یوں تو حضرت کے قلمی مسودات بہت تھے مگر ان میں چار پانچ سے زیادہ شائع نہ ہوسکے ۔ لوگوں کا عام مذاق اس طرف بہت ہی کم تھا ۔ وہ تو ان ہی بزرگوں کا طفیل ہے کہ لوگوں میں مذہبی ذوق پیدا کیا گیا ۔ ان حضرات نے اپنے فیوض و کردار

سے کچھ اس طرح ان زنگ آلودہ قلوب کو مانجھ دیا کہ اندر کا جوہر چمک اٹھا۔

۱۔ ۱۳۱۴ھ میں حضرت شیخ تاج الدین عطاء اللہ (سکندری رحمۃ اللہ علیہ) المتوفی ۷۰۹ھ کی مشہور تصنیف الموسوم بہ "رسالہ تاج النفوس الہادی تہذیب النفوس" کا اردو زبان میں بامحاورہ سلیس ترجمہ کرکے شائع فرمایا اور اس کا نام "رہبر طریقت" رکھا۔

۲۔ **تصریف القادری** "فارسی افعال کی گردان جس طرح آمدن سی لفظی میں بلحاظ ترتیب حروف ابجد کی گئی ہے اسی نہج پر عربی افعال کو ترتیب دے کر ایک مختصر رسالہ بنام "تصریف القادری" شائع فرمایا۔ اس رسالہ میں صرف صغیر اور صرف کبیر دونوں کو آسان اور سلیس انداز میں جمع فرمایا ہے۔

۳۔ **"تفسیر قادری"** جیسا کہ اس سے قبل ضمناً ذکر کیا جاچکا ہے۔ مولانا ہر جمعہ کی نماز کے بعد مکہ مسجد میں آیات قرآنی کا عام فہم ترجمہ کرکے مسائل دینیہ سمجھاتے تھے۔ یہ طریقہ اتنا موثر ہوا کہ لوگ آپ کے وعظ میں بکثرت شریک ہونے لگے۔ اور آپ نے بھی قرآن شریف کی مسلسل تفسیر شروع فرمائی۔ چودہ پاروں تک یہ سلسلہ چلا تھا۔ مریدین اور معتقدین نے اس تفسیر کو شائع کرنے کا مطالبہ شروع کیا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل یعنی پندرھویں پارہ سے اس کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ الغرض یہ تفسیر ہر ماہ ایک رسالہ کی شکل ۳۰۰ صفحات پر شائع ہونے لگی۔ اس کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" رکھا گیا تقریباً بارہ پارے بارہ (۱۲) سال ہی کی مدت میں دو ہزار سے کچھ زائد صفحات پر ہونے پائے تھے کہ صفر ۱۳۳۰ھ میں مولانا کا وصال ہوگیا۔ اور یہ سلسلہ ناتمام رہ گیا تھا۔ اب مولانا کے بڑے فرزند مولوی سید محمد بادشاہ قادری سلمہ نے اس سلسلہ کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ خدا انھیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور یہ کام جلد سے جلد پورا ہو۔

۴۔ **"فرائض القادری"** علم المیراث کے احکام بھی زبان اردو میں واضح طور پر نہ ہونے سے تقسیم ترکہ میں دشواریاں تھیں مولانا نے اس دقت کو رفع کرنے کی نیت سے ورثہ کے حصص وغیرہ کی تفصیلی طور پر ایک مثنوی بحر رمل مسدس میں ۱۶۴ صفحہ کی مدون فرمائی اور اس کا تاریخی نام "قائم الفرائض" رکھا۔ اس رسالہ کے باعث مسلمانوں کو تقسیم ترکہ میں بڑی سہولت ہوئی۔

"مجلس موید الاخوان" :۔ مولانا کا ایک بڑا کارنامہ بلکہ صدقہ جاریہ یہ ہے کہ قرضۂ حسنہ کی ایک مجلس بنام "موید الاخوان" قائم فرمائی۔ اس کے سبب ایک تو مسلمانوں کو سودی قرض لے کر کاروبار کرنے سے نجات مل گئی۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ اس مجلس میں ہر شخص کو کچھ نہ کچھ پس انداز کرکے جمع کروانے کی رغبت دلائی جاتی تھی۔ اور مسرفانہ رسوم اور ناجائز تقاریب سے روکا جاتا تھا۔ یہ مولانا کی نیک نیتی تھی کہ وہ مجلس اب تک قائم ہے۔

انتقال :۔ افسوس ہے کہ اس مجموعہ محاسن و خوبی نے عالم شباب میں یعنی (۴۸) اڑتالیس سال کی عمر میں اس دنیائے ناپائیدار سے منہ موڑ کر خلدبریں کی راہ لی ۱۳۳۰ھ میں حیدرآباد میں مرض طاعون شدت سے پھوٹ پڑا تھا۔ سینکڑوں آدمی شکار ہوئے۔ ماہ صفر ۱۳۳۰ھ کے اوائل یعنی آٹھ دس دن آپ کو بخار آیا اس کے بعد ہی کنج ران میں گلٹی نمودار ہوئی۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص طاعون سے مرے وہ شہید ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو درجہ شہادت سے بھی سرفراز کیا۔ جمعہ کے دن بیسویں صفر کو آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ منتہی

آپ کا عقد ۱۳۰۳ھ میں سید شاہ اسد اللہ حسینی قادری مشائخ جیز (پونا) کی منجھلی صاحبزادی "امۃ المجید بیگم" سے سکندرآباد میں ہوا تھا۔ جن سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادریؒ شیخ الشیوخ حضرت مولانا سید عمر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر ۔ شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی قادری ۔ رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ شفیق ۔ تخلص فرماتے تھے ۔ قاضی پورہ بلدہ حیدرآباد میں ۱۸ ۔ ذیقعدہ ۱۳۱۸ ہجری کو پیدا ہوئے ۔ مادہ تاریخ ولادت ۔ متواضع ۔ ہے ۔ اور ۱۹ ۔ ربیع الآخر ۱۳۸۳ ۔ مطابق ۲۵ ۔ اگست ۱۹۶۳ ۔ روز سہ شنبہ بوقت ۱/۲ ۵ ساعت شام وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہیں ۔

ابتدائی تعلیم تیرہ (۱۳) سال کی عمر تک اپنے والد محترم سے حاصل فرمائی ۔ پھر جامعہ نظامیہ میں شریک ہوئے اور درس نظامیہ کی تعلیم حاصل کی ۔ ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ بروز جمعۃ الوداع بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت نے علماء کرام کی موجودگی میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۔ نواب صدر یار جنگ صدر الصدور میر مجلس جامعہ نظامیہ کے ساتھ منبر مکہ مسجد پر دستار فضیلت باندھی ۔ جس کا دعوت نامہ حضرت کے نام سے شائع ہوا تھا ۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا انوار اللہ خان صاحب فضیلت جنگ ۔ مولانا عبدالکریم صاحب شیخ جامعہ ۔ مولانا شاہ محمد صاحب خطاری شیخ الادب ۔ مولانا سید ابراہیم صاحب ادیب پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ ۔ اور مولانا مفتی رحیم الدین صاحب شیخ جامعہ نظامیہ قابل ذکر ہیں ۔

جامعہ نظامیہ نے جس چراغ کے لئے تیل فراہم کیا تھا بحرالعلوم علامہ عبدالقدیر نے اس چراغ کو روشن چراغ بنادیا ۔ جس کو آج دنیا شیخ الاسلام کے نام سے یاد کرتی ہے ۔ حضرت بادشاہ حسینی نے تقریباً ۳۰ سال حضرت سے مختلف علوم و فنون میں استفادہ فرمایا ۔ بحرالعلوم عبدالقدیر نے پچھلے اکابر علم اور علمائے ربانیین کے فیض علوم کا وہ جوہر جامع جو حضرت میں جمع ہوگیا تھا حضرت علامہ سید عمر قادری کے نور نظر کے سینے میں بہت کچھ منتقل کردیا ۔ چنانچہ حضرت بادشاہ حسینی ایسی جامع الجہات شخصیت بن کر ابھرے کہ آج کی دنیا میں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے ۔

واعظ مکہ مسجد انھوں نے ہر جمعہ مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ اپنے والد کے وعظ کو اپنی ساری زندگی جاری رکھا ۔ ہر سال ۱۱ / ربیع النور کو اور ۲۶ / رجب کو مکہ مسجد میں وعظ فرمایا کرتے جس میں حضور نظام آصف سابع بپابندی شرکت فرماتے ۔ اور بیحد محظوظ ہوتے تھے حضور نظام کی موجودگی میں دوران وعظ جہاں اہلبیت اطہار کی محبت پر زور دیتے وہیں صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت و توقیر کا اس انداز میں اظہار فرماتے کہ رافضیت کے پرخچے اڑجاتے ۔

ہر سال ابتداء میں گھر پر بمقام قاضی پورہ ۔ جب قادری چمن منتقل ہوگئے تو قادری چمن میں یکم ربیع الاول سے ۱۰ / ربیع الاول اور یکم ربیع الآخر سے (۱۱) ربیع الآخر تک اور یکم محرم سے (۱۰) محرم تک وعظ فرمایا کرتے ۔ سامعین کے قلوب ایمان ۔ عشق خدا اور رسول اور محبت اولیائے کرام سے معمور ہوجاتے ۔ ایک عرصے تک حضور نظام نے قادری چمن میں وعظ میں شرکت کی غرض سے حاضری دی ہے ۔ ہر اتوار کو تفسیر کا درس ہوتا ۔ حلقہ ذکر ہوتا ۔ نعت پڑھی جاتی ۔ ہر ماہ تاریخ مقررہ پر سماع کی محفل بھی بڑا ہی کیف و رنگ رہتا ۔

بحیثیت معتمد صدر مجلس علمائے دکن تقریباً چالیس سال فقہی و شرعی امور کی نگرانی اور ان کی عمل آوری کے اہم فرائض انجام دیتے رہے ۔ پولیس ایکشن کے بعد امور شرعیہ سے متعلق جو نازک اور پیچیدہ حالات پیدا ہوئے ان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا ۔ اور بڑی حد تک ان کی

پاسبانی فرمائی ۔ جب بے روح موحدین نے جو مار آستین تھے ، استعانت بالاولیاء ، مروجہ فاتحہ ، حیات بعد الممات ، ایصال ثواب ، معراج جسمانی ، حیات النبی جیسے مسلمہ مسائل اہلسنت و الجماعت کے بارے میں زہر افشانی و فتنہ پردازی شروع کی اور جاہل مسلمانوں کے قلوب سے محبت و عظمتِ رسول کا سرقہ نئے نئے عنوانات سے شروع کیا تو ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگئے ۔ مکہ مسجد کے منبر سے عقائد صحیحہ کا پرچار کیا اور لٹریچر شائع کر کے مسلمانوں کے دین و ایمان ، عشق نبی ، حب اہلبیت اطہار ، عظمت صحابہ کرام و نسبت اولیائے عظام کی ممکنہ حد تک حفاظت فرمائی ۔

جسٹس ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ کی مدت اختتام پر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کے میر شعبہ منتخب ہوئے اس وقت مولانا مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ دینیات تھے اس عہدہ کی مدتِ اختتام کے بعد جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ مذہب و ثقافت سے دلچسپی لیتے رہے ۔

سیاسیات کی پُر خار وادیوں میں کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے وہ جولانیاں دکھائیں کہ مسلمانوں کے حقوق تلف ہونے سے بچے ۔

شاہ سعود جس وقت حیدرآباد تشریف لائے تھے اعلیحضرت نے سپاسنامہ بزبان عربی مولانا سے پڑھوایا ۔ اس وقت کا منظر قابلِ دید تھا ۔ مولانا کے سیدھے جانب شاہ سعود اور بائیں جانب اعلیحضرت حضور نظام اور دونوں کے قریب اور سامنے کے رخ پر مولانا کھڑے سپاسنامہ پیش فرما رہے تھے ۔ حضور نظام نے مولانا کا تعارف پر عظمت انداز میں شاہ سعود سے فرمایا تھا ۔

مولانا نے جس وقت بغرض حج و زیارت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ حاضری دی تو شاہ سعود نے بطور خاص مولانا کو خاصہ پر مدعو فرمایا اور نہایت تکریم سے پیش آئے ۔

آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد ماجد سے حاصل تھی ۔ یوں تو دیگر سلاسل میں بھی آپ کو اجازت حاصل تھی مگر آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت لیتے تھے کیونکہ آپ قادری المشرب تھے ۔ آپ کے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی ۔

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی کا عقد اکیس سال کی عمر میں ۱۹ / ذی الحجہ ۱۳۳۸ ھ کو جمعہ کے دن حضرت افتخار علی شاہ چشتی وطن علیہ الرحمہ کی پوتری یعنی حضرت سید شاہ معین اللہ حسینی چشتی کی چھوٹی صاحبزادی رحمت النساء بیگم سے ہوا تھا ۔ جن کے بطن سے تین صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے بوقت وصال موجود تھے ۔

مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا الحاج حبیب محمد عمر حسینی اپنے والد کے جانشین ہوئے ● ۔

اولاد کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شجرہ ۔

● ان کے انتقال پر مولانا الحاج حبیب قاسم حسینی صاحب اس وقت جانشین ہیں ۔ (اکیڈیمی)

حیات

حیات

صفحہ

۱۔ ولادت ۶۹

۲۔ بھائی بہن ۷۰

حضرت محمد عبدالمقتدر صدیقیؒ ۷۰

تعلیم ۔ بیعت ۔ خلافت

حج و زیارت ۔ وعظ و خطاب ۔ خوش مزاجی ۔ محافل ۔ درس و تدریس ۔ حقوق العباد

مجلسِ قادری ۔ علمی محافل

ناسازیِ مزاج ۔ محفلِ آثارِ مبارک ۔ وصال

مرقد عشاق ۔ اولاد

حضرت حافظہ بیگم صاحبہ (بحرالعلومؒ کی بہن) ۷۴

سید محمد شاہ صابر حسینیؒ (بحرالعلوم کے بھانجے) ۷۵

تعلیم و تربیت ۔ محفلِ سماع ۔ وصال ۔ شاہ عثمان نے تاریخ وفات کہی ۔ تدفین

۳۔ کمسنی ۷۷

۴۔ لڑکپن ۷۸

۵۔ تعلیم و اساتذہ ۸۰

۶۔ تأہل (پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی شادی) ۸۳

۷۔ گھریلو زندگی ۸۴

پہلا دور: ۸۴

منگنی اور شادی ۔ ملازمت اور ذمہ داریاں

زوجۂ محترمہ کا سلیقہ و کردار ۔ بڑی بیٹی کی شادی ۔ زوجۂ محترمہ کی علالت اور انتقال

دوسرا دور: ۸۸

بڑی بہو صاحبہ کا انتقال ۔ دوسری صاحبزادی کا انتقال

چھوٹے ماموں کے انتقال کا صدمہ ۔ بیٹی اور داماد کا جدہ میں انتقال

تیسرا دور : ۹۲

اولاد از بطنِ عائشہ بیگم صاحبہ ۔ عائشہ بیگم صاحبہ کی رحلت ۔ تیسری شادی

چوتھا دور : ۹۳

حضرت علی پاشا اور تین صاحبزادوں کی شادی

صاحبزادی قطب النساء کی شادی ۔ صاحبزادی قمر النساء کی شادی

۸ ۔ ملازمت و وظیفۂ حسنِ خدمت ۱۰۱

۹ ۔ سفرِ حج و زیارت ۱۰۵

اقتباساتِ سفر نامہ ۔ سفرِ بغداد شریف و ملحقاتِ شریفہ

دربارِ غوثیہ ۔ کاظمین شریفین ۔ کربلائے معلی ۔ نجفِ اشرف

بغداد کو واپسی ۔ سفر نامۂ شام ۔ دمشق ۔ امیر معاویہ کا مقبرہ

سفرِ فلسطین ۔ قدس یا یروشیلم ۔ بیت اللحم

مسجدِ اقصا ۔ نہرِ سویز ۔ خلیجِ عقبہ اور طورِ سینا

سفر نامۂ حجاز ۔ سلام در دربارِ اقدس ۔ زیارتِ جنت البقیع ۔ جالیٔ مبارک کو بوسہ

مکہ معظمہ ۔ طوافِ قدوم ۔ مطاف ۔ صفا و مروہ

یوم ترویہ ۔ منیٰ ۔ عرفات ۔ مزدلفہ و منیٰ ۔ جمرۂ عقبہ

طوافِ صدر ۔ جہاز سے واپسی

۱۰ ۔ حلیہ ۱۲۷

۱۱ ۔ لباس ۱۲۸

۱۲ ۔ خور و نوش ۱۲۹

۱۳ ۔ سیرت ۱۳۶

ذات ۔ مسلک

حافظہ ۔ حسنِ سلوک

اصلاحِ قوم ۔ تہذیبِ نفس ۔ صحبت کی برکت

اظہارِ حق اور بے غرضی ۔ جسم دشمن نہیں عقیدہ دشمن

۱۴۔ خوشی اور غم کے مواقع ۱۴۳

مؤلف کتاب کی شادی

سہرہ سے ناپسندیدگی

دھینگانہ سے سخت ناپسندیدگی۔ گھوڑے جوڑے کی رقم ناپسندیدہ۔ مہر حسب حیثیت

سانچق مہندی۔ پھول شکر نچھاور کرنا۔ آرسی مصحف کی رسم۔ جمعکیوں کا مقصد

بیک وقت دو پوتیوں کی شادی

غم کے مواقع: صاحبزادی آمنہ بیگم کا انتقال۔ صبر کا وقت ۱۴۹

صاحبزادی خدیجہ بیگم کا انتقال

۱۵۔ جشنِ سالگرہ ۱۵۳

حضرت کی سالگرہ۔ حضرت پیر نجم الدین گیلانیؒ کی شرکت

۱۶۔ ایک ناقابلِ فراموش محفل ۱۵۶

۱۷۔ نیند کی نیند بیداری کی بیداری ۱۵۷

حبسِ دم۔ کلمۂ طیبہ۔ پاسِ انفاس۔ سلوک۔ غفلت اور فنائیت

عبداللہ۔ غوث۔ عرش مقام۔ واردات۔ اختلاج۔ کیفیاتِ شب

۱۸۔ سفرِ آخرت ۱۶۵

علالت۔ آخری قصید۔ مرض الموت۔ آخری ساعتیں۔ وصال۔ آخری دیدار

تجہیز و تکفین۔ جلوسِ جنازہ۔ نمازِ جنازہ۔ جلوس میت قاضی پورہ سے صدیق گلشن۔ تدفین

نماز جنازہ غائبانہ و ایصالِ ثواب۔ بشارتِ عظمیٰ

۱۔ ولادت

حضرت شاہ محمد عبدالقادر صدیقی کے فرزند اکبر سیدی و سندی بحرالعلوم علامہ مولانا الحاج محمد عبدالقدیر صدیقی قادری قدس سرہ تھے ۔ حضرت کی والدہ محترمہ حضرت سیدہ انور بیگم صاحبہ حضرت میر پرورش علی المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی کی صاحبزادی اور حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ کی حقیقی بہن تھیں ۔

حضرت کی ولادت باکرامت محلہ قاضی پورہ شریف حیدرآباد دکن میں اپنے نانا کے گھر ۲۷ ۔ رجب المرجب ۱۲۸۸ھ روز جمعہ ۱۱ ساعت دن ہوئی ۔

کنیت ابو العباس ہے ۔ حسرت تخلص فرماتے تھے ۔ خاندان میں بڑے میاں اور عام طور پر بڑے مولوی صاحب سے مشہور تھے ۔

حضرت کا سلسلہ پدری ۲۸ ۔ واسطوں سے حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ، مادری سلسلہ ۳۲ واسطوں سے حضور سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملتا ہے ۔

(ملاحظہ ہو شجرہ)

۲۔ بھائی بہن

حضرت محمد عبدالمقتدر صدیقی"

حضرت کے حقیقی چھوٹے بھائی حضرت مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر صدیقی قادری فضلؔ حضرت سے عمر میں ڈھائی سال چھوٹے تھے۔

ولادت ۶۔ محرم الحرام ۱۲۹۱ ہجری میں ہوئی۔ مولانا کی تسمیہ خوانی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کے روضۂ اقدس کے پاس مواجہ شریف میں ہوئی۔ مولانا کے بڑے ماموں اور پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ نے بسم اللہ پڑھائی۔

مولانا کا عقد ۱۲ سال کی عمر میں ان کی حقیقی چچازاد بہن حضرت امیر بیگم صاحبہ سے جو مولانا کے عم محترم حضرت غلام حسین صدیقی کی چھوٹی صاحبزادی تھیں عمل میں آیا۔ اس طرح مولانا حضرت بحرالعلوم کے بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ہم زلف بھی تھے۔

تعلیم ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے پنجاب یونیورسٹی سے منشی، مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے مولانا کو ممتاز علماء مثلاً علامہ ابوبکر بن شہاب، مولانا نادر الدین، مولانا عون الدین وغیرہ سے تلمذ حاصل رہا۔ مولانا نے منصور علی صاحب سے حدیث پڑھی۔ اور بعد میں صحاح ستہ کی سند حضرت مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محل مہاجر مدینہ منورہ سے حاصل فرمائی۔ قرآن مجید تجوید کے ساتھ اپنے چھوٹے ماموں حضرت مولانا سید عمر قادری قدس سرہ کو سنایا۔

امتحان مولوی فاضل کی تیاری کے زمانہ میں جب کہ وقت کم تھا اور نصاب زیادہ اور جلد اس کی تکمیل کی ضرورت تھی، ادق کتابیں اپنے برادر معظم حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی قدس سرہ سے پڑھیں۔ ذہین طلباء کا جب کبھی تذکرہ نکلتا تو حضرت آپ کا نام ضرور لیتے اور فرماتے " عبدالمقتدر صاحب کے جیسا ذہین میں نے کسی کو نہ پایا۔ نہایت ادق کتابیں، اہم اور نازک علمی مسائل جب میں ان کو پڑھاتا یا سمجھاتا تو فوراً ان کی سمجھ میں آجاتے اور یاد ہوجاتے۔

حیدرآباد کے مشہور خوشنویس مولوی قدرت اللہ صاحب سے عربی خط کی اور اپنے چچا مولوی محمد اکبر صدیقی (پدر بزرگوار نواب اظہر جنگ و نواب صدیق یار جنگ) سے فارسی خط کی اصلاح لی۔

طب یونانی کی بھی تعلیم پائی لیکن امتحانات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا۔ مولانا کی نبض شناسی کی ہر شخص تعریف کرتا تھا۔ اہل قرابت اور معتقدین کا کامیاب علاج بھی کرتے تھے۔ اور مفید مشورے دیتے تھے۔

بیعت مولانا کو اپنے بڑے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ سے کئی سلسلوں میں خصوصاً سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت اور روحانی تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل تھا۔ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ مولانا کی خلافت کے بارے میں تفصیلات "گلدستہ تجلیات" سوانح حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ، خلفاء کے عنوان کے تحت درج ہیں۔

علاوہ ازیں خود مولانا نے جو تفصیل بیان فرمائی اس کا حاصل ذیل میں درج ہے۔

خلافت حضرت خواجہ میاں صاحب" اپنے وصال کے قریب اپنے بعض مریدوں کو خلافت عطا فرما رہے تھے۔ مولانا کو بھی یاد فرمایا۔ مولانا موجود نہ تھے۔ مولانا کو بلانے کے لئے اپنے ایک مرید کو روانہ کیا لیکن مولانا اس وقت گھر میں تشریف فرما نہ تھے۔ خواجہ میاں صاحب" کے وصال کے کچھ عرصہ بعد مولانا کے چھوٹے ماموں سید عمر صاحب" نے باطنی طور پر خواجہ میاں صاحب" کا حکم پاکر خلافت دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مولانا نے پوچھا یہ خلافت آپ کی ہے یا پیر و مرشد کی؟ (یعنی خواجہ میاں صاحب" کی) سید عمر صاحب نے بتایا کہ یہ خلافت پیر و مرشد (خواجہ میاں صاحب") کی ہے جو بہ تعمیل حکم دی جارہی ہے۔ یہ سننے کے بعد مولانا نے خلافت قبول فرمائی۔ اور سب کی

متفقہ رائے سے حضرت خواجہ میاں صاحبؒ کے خلفاء میں آپ کا شمار ہوا ۔ علاوہ اس کے مولانا کو اپنے والد ماجد سے بھی متعدد سلسلوں میں یعنی قادریہ ، چشتیہ ، سہروردیہ ، رفاعیہ ، مداریہ اور قلندریہ کی اجازت حاصل تھی ۔

مولانا کا ابتدائی تقرر مدرسہ وسطانیہ میدک کی صدارت پر ہوا ۔ ناظم تعلیمات الماطیفی کے زمانہ میں تبادلہ ترقی کے ساتھ اولاً چادر گھاٹ ہائی اسکول پر پھر سٹی ہائی اسکول پر کیا گیا ۔ چند سال یہاں کام کرنے کے بعد مولانا کو میدک کے مدرسہ کی صدارت پر بھیجا گیا جو اب ترقی کرکے فوقانیہ کا درجہ حاصل کرچکا تھا ۔ تقریباً ڈھائی سال بحیثیت گزیٹڈ افسر خدمت انجام دینے کے بعد مولانا کا تبادلہ جاگیردار کالج پر بحیثیت مددگار پروفیسر عربی ہوا ۔ وہاں سے جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں حدیث کے مددگار پروفیسر کی حیثیت سے خدمت دی گئی ۔ اس وقت حضرت بحرالعلوم صدر شعبہ دینیات تھے ۔ چند سال توسیع پانے کے بعد مسٹر میکنزی کے دور میں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوگئے ۔

حج و زیارت | صغر سنی میں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ ایک سفر میں دو حج کئے ۱۳۳۹ھ میں زوجہ محترمہ اور فرزند اکبر مولوی محمد عبدالغفور صدیقی کے ساتھ دوسرا سفر حجاز فرمایا ۔ ۱۳۵۰ھ میں بغداد شریف ، کربلائے معلیٰ ، نجف اشرف اور دیگر زیارتوں کی غرض سے زوجہ محترمہ اور فرزند دوم مولوی محمد عبدالصبور صدیقی کے ہمراہ سفر فرمایا ۔ مولانا نے آخری حج ۱۳۵۶ھ میں زوجہ محترمہ کے ہمراہ کیا ۔

بچپن میں والد اور والدہ کے ساتھ اور کبر سنی میں دو بار اجمیر شریف ، دہلی آگرہ کا سفر فرمایا ۔

مولانا صورت شکل اور وجاہت میں اپنے برادر معظم سے مشابہ تھے ۔ البتہ بچپن میں چیچک نکل آئی تھی ۔

حق گوئی مولانا کا وصف خاص تھا ۔ نہایت رقیق القلب واقع ہوئے تھے ۔ کسی کی تکلیف سے جلد متاثر ہوجاتے ۔

بوقت مناجات مولانا کی گریہ وزاری اور بوقت سماع رقت بڑی متاثر کن تھی ۔

وعظ و خطاب | ہر سال ۱۰ ۔ محرم کو مسجد کالی کمان میں اور ۱۲ ۔ ربیع الاول و ۱۲ ۔ ربیع الآخر کو اپنے مکان (مقتدر منزل - (واقع براق بیگم) پر زیارت آثار مبارک کی محافل میں وعظ فرماتے ۔ وعظ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہوتا ۔ خود بھی روتے ، دوسروں کو بھی رلاتے ۔ سامعین کی دستیاں تر ہوجاتیں ۔ مولانا کے رخسار پر آنسو کی لڑیاں بہتی رہتیں ۔

خوش مزاجی | مولانا نہایت خوش مزاج واقع ہوئے تھے ۔ بات میں بات ایسی پیدا کرتے کہ لوگ ہنس پڑتے اور خود مسکراتے ۔

محافل | ہر ہفتہ شب جمعہ ذکر الٰہی کا حلقہ ہوتا ۔ بڑی برکت محسوس ہوتی ۔

ہر ماہ ہلالی کی دسویں تاریخ گیارہویں شب میں محفل سماع منعقد ہوتی ۔ مریدین اور خاندان کے لوگ شریک محفل رہتے ۔ علی بخش قوال (واعظ قوال) مولانا کا مرید تھا ۔ گرہ پر گرہ لگاتا خوب واہ واہ ہوتی اور ساتھ ساتھ وجدانی کیفیت بھی طاری رہتی ۔ علی بخش مولانا ہی کے مقبرہ میں پائین میں مدفون ہے ۔

درس و تدریس | گھر پر درس و تدریس کا سلسلہ بھی برسوں جاری رہا ۔

طبیعت میں نزاکت بلا کی تھی ۔ ذرا سی بات بھی ناگوار خاطر گذرتی ۔ لوگ طبیعت سے واقف رہنے کی وجہ سے مولانا کے روبرو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے ۔

حقوق العباد | مولانا ایسے وقت ٹوٹ پڑتے جب کسی پر رنج و غم بیماری پریشانی کا وقت آن پڑتا ۔

حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد ہر وقت پیش نظر رہے ۔ اہل و عیال پر فرداً فرداً توجہ فرماتے اور ان کی ہر ضرورت پر نظر رکھتے ۔ دامے ۔ درمے سخنے ہر طرح مدد فرماتے اور بڑا خیال رکھتے ۔

مولانا نے اپنے فرزند دوم مولوی محمود عبدالصبور صدیقی کی بی ۔ اے میں کامیابی کی خوشی میں ان کی گلپوشی کی ۔ خاندان کے اکثر حضرات کو مدعو کیا ۔ حضرت بحرالعلوم کی خصوصی دعوت تھی ۔ کیونکہ وہ حضرت کے داماد تھے ۔ گلپوشی حضرت کے دست مبارک سے کروائی گئی ۔ بعد گلپوشی حضرت نے ان کو دعا دی " اللہ تم کو چچا کا علم اور باوا کا تقویٰ عطا کرے "۔ مولانا نے فوراً کہا " بھائی آپ یہ کیا فرما رہے ہیں " میں آپ کی قسمت کی آدھی قسمت لے کر پیدا ہوا ہوں "۔ یہ جملہ سن کر مجھے مولانا کی للہیت کا اندازہ ہوا ۔

مجلسِ قادری مولانا نے حیدرآباد کے قادری المشرب حضرات کے آپسی میل ملاپ اور باہمی اتحاد کے مقصد کے تحت ایک مجلس " مجلس قادریہ " کے نام سے قائم کی تھی ۔ اس مجلس کے شرکا، سلسلہ وار ہر ماہ کسی ایک رکن کے گھر پر جمع ہوتے ۔ باہمی تبادلہ خیالات ہوتا ۔ نعت پڑھی جاتی اور چائے خوری کے بعد سب برخواست کرتے ۔

مولانا نے نئی پود کی اپنے بزرگوں کے حالات اور ان کے مدفن سے واقفیت کی غرض سے مولوی شمس الدین صدیقی مؤلف تاریخ شمسیہ کے تعاون سے ایک تختہ تیار کیا تھا جس میں تاریخ ماہ اور مقام مدفن ظاہر کیا گیا تھا ۔ خاندان کے افراد میں اس پرچہ کو طبع کرواکر تقسیم کروایا تھا ۔ تاریخ مقررہ پر تمام خاندان کے افراد مزار پر بہ پابندی وقت جمع ہوتے بچوں کو ساتھ لاتے ۔ قرآن خوانی ہوتی ۔ صاحب مزار کے تعلق سے معلومات آفریں تقاریر ہوتیں پھر سب وہاں سے برخواست کرتے ۔

تقاریر کی تربیت مولانا نے نوجوانوں میں قوت گویائی بڑھانے اور جھجک نکالنے کے مقصد کے مدنظر ایک ڈبیٹنگ سوسائٹی بھی قائم فرمائی تھی جس میں خاندان کے نوجوان حصہ لیا کرتے تھے ۔ چنانچہ مجھے بھی کئی بار اس سوسائٹی کے جلسوں میں تقریر کرنے کا موقع ملا ۔

علمی محافل اپنی زوجہ محترمہ کو قرآن حفظ کروایا ۔ حدیث وفقہ پڑھائی ۔ سالانہ مجالس آثار مبارک میں وہ وعظ کیا کرتی تھیں ۔ وعظ سننے کے لئے مستورات کثرت سے جمع ہوتیں ۔ پند و نصائح سے وعظ بھرپور رہتا ۔ بڑی متقی، عارفہ اور زاہدہ بی بی تھیں ۔ خود ان کے حالات پر کتاب لکھی جاسکتی ہے ۔ ان کی زندگی عورتوں کے لئے درس عمل تھی ۔ شوہر کی حد درجہ اطاعت گذار اور فرمانبردار ان جیسی بیوی نظر آنا مشکل ہے ۔ شوہر کی خدمت میں انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا ۔ رات دن میاں کی نظر دیکھتی رہتیں اور ان کو اپنے سے راضی رکھتیں یہ جوڑا بچپن کا جوڑا تھا ۔ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد زندہ رہیں مگر اس صدمہ جانکاہ کے بعد صحت متاثر رہنے لگی ۔ آخر زمانہ تو عالم استغراق میں گذرا ۔ چنانچہ بیشتر اوقات مدینہ طیبہ کے دھیان میں رہتیں ۔ عشق رسول میں نعت شریف کے اشعار نہایت درد کے ساتھ پڑھا کرتیں ۔ عشق رسول کا یہ عالم تھا کہ دن رات گریہ وزاری میں گزرتی ۔ مدینہ شریف کو جانے کی دھن میں وصال فرمایا ۔ (تاریخ وصال ۱۴ ۔ رجب ۱۳۰۵ھ روز دوشنبہ بعمر ۸۱ سال ۵ ماہ) سنتے ہیں کہ جو جہاں کی دھن میں مرتا ہے قبر سے لاش وہیں منتقل کردی جاتی ہے ۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے ۔ اپنے محترم شوہر کے پہلو میں مدفون ہیں ۔

ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں مقتدر منزل حاضر ہوا ۔ پردہ اٹھا کر اندر جو پہنچا تو دیکھا کہ مولانا کمرے کے بازو پیش دالان کی زہ پر دونوں پیر سیڑھیوں پر رکھے تشریف فرما ہیں منور چہرہ پر جونہی نظر پڑی ہمارے حضرت کی صورت آنکھوں میں پھر گئی آگے بڑھ کر میں نے مولانا کے قدم چوم لئے ۔ فرمایا " بابا تم اپنے نانا اور پیر کے قدم چوما کرنا یہ میرے قدم کیوں چوم رہے ہو "۔ میں نے عرض کی " میں نہ

نانا کے قدم چومتا ہوں اور نہ آپ کے قدم چوما ہوں میں تو آپ حضرات کو رسول اللہ کی چلتی پھرتی ، جیتی جاگتی تصویر سمجھتا ہوں "۔ یہ سن کر مولانا نے فرطِ مسرت سے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور بھرائی آواز میں کہا " بابا یہی چیز کل کام آنے والی ہے "۔

ناسازیِ مزاج زندگی کے آخری زمانہ میں مولانا کی صحت متاثر ہوگئی تھی ۔ سخت اختلاج رہا کرتا تھا اور مولانا کے شدید اختلاج کا ایک مرتبہ حضرت کے سامنے تذکرہ آیا تو فرمایا ۔ " چھوٹے میاں جس زمانہ میں مجھ سے پڑھا کرتے تھے میں ان کی طرف بے حد متوجہ تھا ان کی یہ گھبراہٹ اور اختلاج میری اس زمانہ کی توجہ کا اثر ہے "۔ عام آدمی کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اختلاج فقیر کی باطنی غذا ہے ۔ اگر فقیر اختلاج میں کمی محسوس کرے تو اس کو ایک دوسرے قسم کا اختلاج شروع ہوجاتا ہے ۔

ہم سمجھتے ہیں ہم کو بھول گئے ÷ تازہ فتنہ اگر بپا نہ ہوا (حسرت صدیقی)

اختلاج کے ساتھ ساتھ مولانا کو سنگ مثانہ کی شکایت پیدا ہوگئی تھی ۔ علالت نے طول پکڑا تو دواخانہ عثمانیہ میں اپریشن کیا گیا اور پتھری نکالی گئی ۔ کئی روز تک مولانا دواخانہ میں شریک رہے اسی زمانے میں میری شادی ہوئی تھی ۔ دلہن چونکہ مولوی عبدالرحیم صاحب (ابن بحرالعلوم مولانا عبدالقدیر) کی صاحبزادی ہیں اور رحیم پاشاہ حضرت کو مولانا نے گود لے لیا تھا اسی وجہ سے خصوصی لگاؤ تھا ۔ علاوہ ازیں میری والدہ بھی ان کو بے حد عزیز تھیں ۔ لہذا دولھا دلہن کو دواخانہ ہی میں یاد فرمایا ۔ چنانچہ ہم دواخانہ میں مولانا کی خدمت میں پہنچے ۔ پھولوں کے ہار ہم دونوں کو پہنائے اور موسمی سے تواضع کی ۔ پھر اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا " اب تم ان دونوں کا منہ لال کرو " چنانچہ محترمہ نے پان پیش کرتے ہوئے یہ مصرع پڑھا ۔

" پان پہ پان کھائے جا ، جاناں سے دل لگائے جا "

مولانا نے مسکراتے ہوئے حکمیہ انداز میں فرمایا " تم دونوں ایک دوسرے کو اپنے ہاتھ سے پان کھلاؤ " چنانچہ ہم کو تعمیل حکم کرتے بنی ۔ مولانا جو منظر دیکھنا چاہتے تھے پیش ہوا تو مسرت سے چہرہ کھل اٹھا ۔ اہل خاندان کو مولانا کی اس ناسازی طبیعت کے موقع پر اس قدر مسرور ہونا غنیمت معلوم ہوا اور ان میں بھی مولانا کی مسرت دیکھ کر خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔

آخری محفلِ آثارِ مبارک آپریشن کے بعد مولانا آخردم تک تقریباً ایک سال سوائے دودھ کے اور کوئی غذا استعمال نہ کرسکتے تھے ۔ ماہ ربیع الاول میں آثار مبارک کی محفل میں مولانا نے وعظ نہیں فرمایا ۔ اندر نعمت خانہ ہی میں لیٹے لیٹے اپنے بڑے فرزند عبدالغفور صدیقی عرف بڈھے حضرت کا وعظ سنتے رہے ۔ نعمت خانہ کے دروازوں پر چلمن پڑی ہوئی تھی ۔ حاضرین نے بجائے مولانا کے ان کے فرزند کو وعظ کرتا ہوا اور ان کی جگہ تخت پر بیٹھا ہوا دیکھا تو رو پڑے خود بڈھے حضرت کا دورانِ وعظ یہ عالم تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی ۔ جب آثار مبارک کی برآمدی سے پیشتر سلام گزرانا جانے لگا تو نعمت خانہ کی چلمن اٹھی اور مولانا وائل کا کرتہ پہنے لنگی باندھے اپنے دو رشتہ داروں کے سہارے جھکے ہوئے برآمد ہوئے تو سب کے منہ سے بے اختیار درود نکل گیا ۔ گویا کہ یہ بھی ایک اثر مبارک ہیں ۔ چہرہ کی کیفیت اور آب و تاب ناقابل بیان تھی ۔

وصال جب مولانا عالم سکرات میں تھے انتقال سے کچھ دیر پیشتر میں پہنچا ۔ مولانا دوسری طرف تھے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کے دونوں پیر پکڑ لئے کہ عاشق رسول قریب ہے کہ اپنے معشوق سے جاملے ۔ مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میں برقی کے خزانہ کو چھو گیا ہوں ۔ میری نس نس میں برقی اثر محسوس ہوا ۔ مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا میں بے انتہا سکونی کیفیت ہے شاید یہ اور چند دن سلامت رہیں ۔ اطمینان محسوس کرکے گھر واپس ہوا ۔ راستہ میں مجھے اطلاع ملی مولانا کی روح قفس عنصری سے آزادی حاصل کرچکی ہے ۔

مولانا بعمر ۷۶ سال ۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۷ ہجری بروز یکشنبہ شب کے تقریباً ۱۱ بجے اس دار فانی سے اپنے محبوب کے پاس تشریف لے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حیدرآباد کے مشہور خوشنویس مولوی حشمت علی صاحب قادر رقم نے قرآنی آیت سے حسب ذیل سنِ وصال نکالا۔

" ان المتقین فی جنت وعیون "
۱۳۶۷ھ

مرقدِ عشاق حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قدس سرہ کی گنبد کے قریب مولانا اپنی خرید کردہ زمین میں مدفون ہیں۔ خود مولانا نے اس مقبرہ کا نام " مرقد عشاق " رکھا تھا۔

حضرت نے مولانا کے تعلق سے فرمایا تھا " چھوٹے میاں کے ویسا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔ ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں "۔ انتقال کی خبر سنتے ہی فرمایا " میرا سیدھا بازو آج مجھ سے جدا ہوگیا "۔

اولاد مولانا کی اولاد از بطن امیر النساء بیگم صاحبہ تین فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ) تینوں صاحبزادیاں مولانا کے حین حیات انتقال کرگئیں جو صاحب اولاد تھیں۔ مولانا کے وصال کے بعد بڑے فرزند اور چھوٹے فرزند نے انتقال کیا منجھلے فرزند مولوی محمد عبدالصبور صدیقی جو حضرت کے داماد تھے کچھ عرصہ قبل انتقال کرگئے۔

مولوی الحاج محمد عبدالغفور صدیقی فاضل۔ مولانا کے فرزند اکبر اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے تھے۔ ممدوح سے سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا۔ اپنے والد بزرگوار کی قائم کردہ مجالس و محافل کو بحسن و خوبی تادم زیست جاری رکھا اور اپنے والد کے مریدوں کو مجتمع رکھا۔ بتاریخ ۲۳۔ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ میں انتقال کیا۔ اور اپنے والد کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت کی بڑی بہن حضرت حافظہ بیگم صاحبہ حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینی چشتیؒ ● سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تھیں۔ حضرت سے تقریباً ڈھائی سال بڑی تھیں۔ نہایت ذی اثر اور معزز خاتون تھیں۔ جس محفل میں چلی جاتیں محفل کی صدارت ان کے قدم چومتی۔ دونوں بھائی ان کا بڑا احترام کرتے۔ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے۔ نہایت عالی دماغ بلند حوصلہ، کشادہ قلب اور غریب پرور تھیں۔ ان کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا تھا۔ دونوں بھائی ان کے حق میں ان کی دونوں آنکھیں تھے۔ بھائیوں سے ان کی محبت اور بھائیوں کی ان سے محبت مثالی تھی۔ ۶۔ ذالحجہ ۱۲۸۵ھ کو تولد ہوئیں اور ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو وفات پائیں۔ احاطہ درگاہ شاہ خاموش میں مدفون ہیں۔

اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ فرید النساء بیگم زوجہ سید ولی اللہ حسینی ابن سید اکبر حسینی
۲۔ داؤدی بیگم زوجہ سید عبدالوہاب حسینی
۳۔ سید محمد شاہ صابر حسینی

● حضرت سید محمد شاہ اصغر حسینیؒ۔ سید محمد اصغر حسینی نام۔ منجھلے میاں عرف اور اصغر تخلص تھا۔ سید شاہ ہاشم حسینی عرف محمد شاہ میاں (برادرزادہ جانشین حضرت شاہ خاموشؒ) کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۷۴ھ میں اپنے موروثی مکان محلہ اعتبار چوک بلدہ

حضرت کے بھانجے سید محمد شاہ صابر حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ صابر میاں عرف اور صابرؔ تخلص تھا ۔ بلدہ حیدرآباد کے مشہور صوفی حضرت سید ہاشم حسینی عرف محمد شاہ میاں کے پوتے اور سید محمد شاہ اصغر حسینی کے فرزند ، مرید اور خلیفہ تھے ۔

تعلیم و تربیت ۲۱ ۔ ذیقعدہ ۱۳۱۳ ھ کو اپنے نانھیالی مکان واقع کالی کمان بلدہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والدین کی نگرانی میں ہوئی ۔ سن شعور کو پہنچے تو شہر حیدرآباد کی قدیم ترین اور مشہور درسگاہ دارالعلوم میں شریک ہوئے مولوی کا امتحان کامیاب کیا ۔ اس کے بعد امتحان جوڈیشیل بھی کامیاب کیا ۔ آپ کے اساتذہ میں ۔ حضرت امجد حیدرآبادی ، مولانا شمسی ، مولانا نادر الدین ، اور مولانا شیر علی قابل ذکر ہیں ۔ مگر آپ کی تعلیم و تربیت میں آپ کے ماموں بحرالعلوم علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کا بڑا حصہ رہا ۔ حدیث ، فقہ ، منطق اور فلسفہ کی تکمیل کرائی اور ان کے پیچھے بڑی محنت فرمائی ۔ حضرت کے شاگردان خاص میں سے تھے ۔

شاہ صابر حسینی غیر معمولی ذہانت کے حامل تھے ۔ حافظہ قوی تھا ۔ مزاج میں نہایت سادگی تھی ۔ دوستی و قرابت کا بڑا پاس و لحاظ رکھتے تھے ۔

محفلِ سماع تیرھویں کی محفل جو خانقاہ عقب مکہ مسجد میں ہر ماہ منعقد ہوتی تھی ۔ میں جب کبھی حاضر ہوتا دیکھتے ہی قریب بلا لیتے اور اپنے بازو بٹھا لیتے تھے ۔ باوجودیکہ میں کم عمر تھا اور رشتہ میں بھانجہ بھی تھا مگر حضرت کے خیال سے نذر تک پیش فرما دیتے ۔ نہایت متواضع ، منکسر المزاج ، خلیق اور بامروت تھے ۔ حیدرآباد کے چوٹی کے مشائخین میں آپ کا شمار تھا ۔ نہایت ذی اثر تھے ۔ ہندوستان کی تمام بارگاہوں کے سجادہ نشینوں سے خصوصی مراسم و تعلقات تھے ۔ آپ کے معتقدین و مریدین کا حلقہ وسیع تھا ۔

حیدرآباد پیدا ہوئے ۔ علامہ سید نورا الاصفیاء خلف نورالحسن قادر اور مولانا سید خلیل سے علوم ظاہری کی تکمیل کی ۔ اور قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد ۱۲ سال کی عمر میں حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے ۔ منازل سلوک والد نے طے کرائے اور خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنا جانشین مقرر فرما دیا چنانچہ والد ماجد کے انتقال کے بعد ۱۳۳۹ ھ میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے ۔ بہت لوگ آپ کے مرید و معتقد تھے ۔

شاہ اصغر حسینی نہایت حسین اور ذی وجاہت تھے ۔ چہرہ سے سیادت ٹپکتی تھی ۔ اچھے شاعر اور بہترین قاری تھے ۔ فن سپہ گری میں مہارت رکھتے تھے ۔ فن تعمیر کا ذوق بھی اچھا تھا ۔ حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ کا عالیشان گنبد اور سماع خانہ آپ ہی کے ذوق کی یادگار ہے ۔

۳ صفجاہ سادس نواب میر محبوب علی خان آپ سے عقیدت رکھتے تھے ۔ ۲۷ ۔ ذالحجہ ۱۳۴۸ ھ ۴۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا ۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا ہوئی اندرون گنبد مدفون ہیں اندرون گنبد جنوب مشرقی گوشہ کا دوسرا مزار حضرت ہی کا ہے آپ کے بعد آپ کے فرزند سید محمد شاہ صابر حسینی جانشین ہوئے جن کو آپ نے اپنی زندگی میں جانشینی کے لئے نامزد کر دیا تھا ۔

حضرت صابر حسینی کا جسم بھاری ، چہرہ آفتابی تھا ۔ دیکھنے کا انداز اور مسکراہٹ کی کیفیت حضرت سے مشابہ تھی ۔ حق گوئی اور بے باکی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ مولانا سید شاہ حسین محمد محمد الحسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز (گلبرگہ) پر جب شاہی عتاب ہوا تو مولانا نے حضور نظام نواب میر عثمان علی خان کو لکھ بھیجا کہ " جاگیرات ضبط کرلئے جاسکتے ہیں لیکن ایک بڑی درگاہ کے سجادہ نشین کو جو چھیڑا جارہا ہے ، میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ سانپ کی بل میں انگلی ڈال رہے ہیں " ۔ حضور نظام آپ کا احترام فرماتے تھے ۔ آپ کو اور حضرت سید محمد بادشاہ حسینی المعروف بڑے پاشاہ کو اکثر دیوڑھی یاد فرمایا کرتے تھے ۔ اور دونوں کا بڑا پاس و لحاظ اور احترام ملحوظ رکھتے تھے ۔

وصال حضرت صابر حسینی علیہ الرحمہ نے ۳ ۔ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ کو حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس یہ کہہ کر خاص اہتمام سے منایا کہ یہ ہمارا آخری عرس ہے آئندہ سال ہم نہیں رہیں گے ۔ چنانچہ یہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی ۔ یعنی ۳ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء کو ۶۵ سال کی عمر میں راہی جنت ہوئے ۔

نماز جنازہ بوقت عصر مکہ مسجد میں ادا ہوئی ۔ جنازہ کے ساتھ شہر حیدرآباد کے اکثر علماء و مشائخین اور ہزاروں عوام شریک تھے ۔ حضور نظام نواب میر عثمان علی خان آصفجاہ نے افضل گنج سے معظم جاہی مارکٹ تک جلوس جنازہ میں پا پیادہ شرکت کی ۔ اور جملہ مصارف تجہیز و تکفین بھی خود برداشت کئے اور قطعہ تاریخ وفات بھی لکھ کر روانہ کیا جو حسب ذیل ہے ۔

شاہِ عثمان نے تاریخِ وفات کہی قطعہ تاریخِ وفات

از چمن ہیں گل نادر رفتہ — بے بہا آمدہ عثمان تاریخ

ماہِ غم بود کہ طاہر رفتہ — از جہاں شادچہ صابر رفتہ

۱۳۵۸ + ۲۰ = ۱۳۷۸ھ

تدفین محلہ ناملی حیدرآباد میں گنبد حضرت شاہ خاموش کے جنوبی چبوترہ سے متصل اپنے اجداد کے پائیں میں جہاں ممدوح اپنی زندگی ہی میں قبر تیار کرواچکے تھے دفن ہوئے ۔

اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

۳۔ کمسنی

کمسنی میں حضرت کے جسم پر اکثر گرمی دانے نکل آتے تو بہت بے چین ہوجاتے کرتا اٹھائے ہوئے والد کے پاس پہنچتے اور تخت پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہوجاتے ۔ حضرت کے والد پیٹھ سہلانے لگتے اور حضرت ان سے مختلف سوالات کرتے جاتے ۔ یہ کیا ہے ، وہ کیا ہے ، اللہ کیسا ہے ، کہاں رہتا ہے ، کیا کھاتا ہے ، کیا پیتا ہے ۔ حضرت کے والد سوالات سے خوش ہوتے اور مطابق عقل تشفی بخش انداز میں جوابات دیتے ۔ حضرت کی والدہ مسلسل سوالات سے اکتا کر کہتیں کیا باوا کو تنگ کر رہا ہے ۔ اور اپنے شوہر سے کہتیں ۔ آپ بھی خوب ہیں جو جوابات دینے سے تھکتے نہیں ۔ مولانا جواب دیتے اگر میں جواب نہ دوں گا تو یہ کسی اور سے پوچھے گا اور غلط جوابات پائے تو اس کا نقصان ہوگا ۔ اسی قبیل کے جرحی سوالات کا سلسلہ لامتناہی والدہ سے شروع ہوجاتا تو پہلے تو جوابات دیتیں آخر میں تنگ آکر ڈانٹ دیتیں ۔ حضرت کے والد سن پاتے تو بیوی سے فرماتے ، اس کو ڈانٹا نہ کرو ، اس میں تجسس کا مادہ ہے ۔ ذرا اس کی عمر کو دیکھو ، اس کے سوالات کو دیکھو ، اس کو عام بچوں پر قیاس مت کرو ۔ یہ آئندہ بہت بڑا مولوی نکلے گا ۔

حضرت کی طبیعت میں بچپن سے بے حد حدت اور حرارت تھی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کی والدہ اپنی والدہ یعنی عوض بیگم صاحبہ بنت سید عبداللہ شہید ابن مولوی میر شجاع الدین حسین کے ساتھ اپنی پھوپھی (وقار النساء بیگم زوجہ مفتی خواجہ وحید الدین خاں یعنی والدہ حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ) کے پاس تشریف لے گئیں ۔ حضرت کی والدہ صاحبہ اور بڑے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ دونوں کمسن تھے ۔ حضرت کی والدہ اپنے بھائی سے سال ڈیڑھ سال ہی چھوٹی تھیں ۔ حضرت کی نانی صاحبہ اپنی نند سے مصروف گفتگو ہوگئیں اور یہ دونوں بچے کھیلتے گھر کا جائزہ لیتے گھومنے لگے جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے ۔ وہاں گھر میں پلی ہوئی ایک پروردہ چھوکری بھی تھی جو ان دونوں سے عمر میں کچھ بڑی تھی ۔ ملازمین کے کمرہ میں ایک اونچے مقام پر چوہوں کو مارنے لائی ہوئی سنکھیا کی پڑی رکھی ہوئی تھی ۔ تینوں نے تجسس میں کسی طرح اس پڑی کو اس مقام سے نکالا کھول کر دیکھا تو کھڑی سمجھ کر اس کو بانٹ کر کھانا چاہا ۔ تقسیم کے لئے اپنی پھوپھی کے پاس لے آئے وہ اپنی مجادج سے مصروف گفتگو تھیں ۔ بچوں نے اس کے تین حصے کرنے کی فرمائش کی تو انھوں نے باتوں میں کچھ خیال نہ کیا اور تین حصے کردیئے ۔ بڑا حصہ حضرت کے ماموں نے اور اس سے چھوٹا حصہ حضرت کی والدہ نے اور سب سے چھوٹا حصہ پروردہ لڑکی نے کھالیا ۔ حضرت کی نانی صاحبہ اپنے گھر واپس آگئیں ۔ یہاں ان دونوں معصوموں کی حالت خراب ہونے لگی قے اور دست شروع ہوگئے اور وہاں اس چھوکری کی حالت دگرگوں ہوگئی ۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ جس چیز کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا تھا وہ سنکھیا تھی جس کو ان تینوں نے کھالیا ہے ۔ اسی وقت حضرت کی نانی صاحبہ نے اپنی صاحبزادی کے پاس اطلاع کرائی فوراً علاج کیا گیا ۔ تینوں سنبھل گئے ۔ مگر سنکھیا کا اثر دونوں بھائی بہن پر زندگی بھر رہا ۔ نہ صرف ان کی ذات ہی متاثر رہی بلکہ اولاد پر بھی اس کا اثر آیا ۔

۴۔ لڑکپن

حضرت کی عمر لگ بھگ ، سال ہوگی ۔ حضرت کی نانی صاحبہ نے جب دوسرے سفر حرمین شریفین کا ارادہ کیا تو حضرت کے والد اور والدہ مع اپنے دونوں خرد سال بچوں کے ان کے ساتھ عازم سفر ہوئے ۔ بعد فراغ حج مدینہ شریف میں تقریباً ۸ ماہ قیام رہا ۔ دوسرا حج کر کے وطن واپس ہوئے ۔

حضرت کے چھوٹے چچا حضرت مولوی محمد فتح اللہ صدیقی جو حج میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے (کیونکہ حضرت عبدالقادر صدیقی نے ان کو گود لے لیا تھا اور وہ بھائی کے زیر پرورش تھے) بیان کرتے ہیں کہ اہل حرمین خواجہ میاں صاحب (یعنی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ جو حج میں اپنی والدہ کے ساتھ تھے) کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کو بڑا بزرگ سمجھتے تھے ۔ اس طرح حضرت کی نانی صاحبہ بھی پیرانی بی کے نام سے مشہور ہوگئی تھیں ۔ اہلِ مدینہ پیرانی بی کا بڑا احترام کرتے اور اپنے لئے ان سے دعا کے طالب ہوتے ۔ پیرانی بی صاحبہ کا زیادہ وقت حرم شریف میں گزرتا ۔ ہر نماز حرم شریف میں باجماعت ادا ہوتی ۔ روزانہ تہجد کے بعد سے اشراق تک وہیں حاضر رہتیں ۔ اشراق کے بعد قیام گاہ کو لوٹتیں ۔ نانی صاحبہ کے ساتھ نواسوں کو حرم شریف میں زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملتا ۔ این سعادت بزور بازو نیست ۔ حرم شریف میں خوب کھیلتے اِدھر سے اُدھر ، اُدھر سے اِدھر خوب دوڑتے بھاگتے ۔ خدام حرم دونوں بھائیوں کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔ اہل حرم میں بھی یہ دونوں معصوم جو نہایت خوبصورت تھے بے حد ہردل عزیز تھے ۔ اس دور میں برقی روشنی کا انتظام نہ تھا ۔ مغرب کے وقت حرم شریف کے لنٹر روشن کرنے کا وقت آتا تو خدام حرم آواز دیتے یا عبدالقدیر یا عبدالمقتدر تعال یعنی یہاں آؤ آواز سنتے ہی دونوں بھائی بجلی کی طرح لپکتے ۔ خدام حرم کاندھوں پر بٹھالیتے اور دو نوں بھائی حرم شریف اور مسجد نبوی کے لنٹر روشن کرتے ۔ دونوں بھائیوں کو یہ سعادت مہینوں نصیب رہی ۔

مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی بہت ہی مرتاض بزرگ قیام پذیر تھے ۔ حضرت کے والد ان سے طالب ہوئے تو انھوں نے مولانا کو خلافت سے سرفراز کیا اور سلسلوں کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ حضرت کے والد نے حضرت کو بھی ان کی خدمت میں پیش کیا ۔ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پر توجہ فرمائی اور اپنی کلاہ مبارک حضرت کو پہنادی ۔ حضرت کی عمر اس وقت ، سال تھی ۔ حضرت نے بارہا فرمایا کہ " شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی تو اسی وقت سے مجھے کشف شروع ہوگیا اور شاہ عبدالغنی کی توجہ کے اثر کو میں نے محسوس بھی کیا تھا ۔ اس وقت میری عمر سات (۷) یا آٹھ (۸) سال تھی ۔

حضرت بچپن سے نہایت ذہین واقع ہوئے تھے اور اچھی بات کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی فطری تھی ۔ ماحول علمی اور مذہبی تھا ۔ بزرگوں کی باتیں غور سے سنا کرتے اور یاد رکھتے تھے ۔ ایک مرتبہ اپنی والدہ سے ایک آنہ مانگا ۔ والدہ نے پوچھا کیا کروگے ۔ جواب دیا میں یہ تو نہیں بتلاتا میں مانگ رہا ہوں آپ دے دیجئے ۔ والدہ نے کہا جب تک تم ضرورت ظاہر نہ کروگے اس وقت تک میں نہیں دونگی ۔ حضرت یہ سن کر خاموش ہوگئے تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا آگیا تھا ایک شعر موزوں کیا اور ایک کاغذ کے پرزہ پر اس کو لکھ کر والدہ کے پاندان میں چپکے سے رکھ دیا ۔ شعر یہ تھا ۔

ایک آنہ کے پیسوں کے لئے حیلے حوالے ÷ سچ ہے کہ خدا کام کسی سے بھی نہ ڈالے

جب پان کھانے کے لئے انھوں نے پاندان کھولا تو اس پرچہ کو ملاحظہ فرمایا ۔ شعر پڑھ کر اپنے شوہر سے کہا ذرا دیکھئے آپ کے برخوردار نے کیا لکھا ہے ؟ حضرت کے والد نے شعر پڑھا تو مسرت سے چہرہ چمک اٹھا ۔ واقعہ دریافت کیا تفصیل سن کر بیوی سے کہا ۔ ایک آنہ کی بات ہی کتنی تھی دے دینا تھا ۔ انھوں نے جواب دیا پیسے دینے سے بچوں کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں ۔ حضرت کے والد نے فرمایا ۔ وہ پیسے لے کر کیا کرتا یہی پنسل ، ربر ، کاغذ خریدنا چاہتا ہوگا ۔

سید عبدالرحمن صاحب نامی ایک رسا بزرگ تھے جن سے حضرت کے خاندانی روابط تھے ۔ جید حافظ ، مرتاض اور صاحب نسبت بزرگ تھے ۔ حضرت ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے اس وقت حضرت کا سن نو دس سال ہوگا حضرت فرماتے تھے ۔ مجھے دیکھتے ہی حافظ عبدالرحمن صاحب سرو قد کھڑے ہوجاتے ، اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتے اور فرماتے " آؤ میاں صاحبزادے آپ بڑے ہونگے تو بہت بڑے آدمی ہونگے " ۔

حضرت نے ارشاد فرمایا " میرا لڑکپن تھا ہمارے حضرت (یعنی حضرت کے ماموں اور مرشد خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ) کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھا رہا تھا مشتاب میں سے کھانا درمیان سے لیا ۔ حضرت نے فوراً ٹوکا اور فرمایا " اپنے سامنے کے حصہ سے کھانا لینا چاہیے ۔ کھانا کھانے کا طریقہ تک بتلایا ۔ میری تربیت میں ہمارے حضرت کا شروع سے بڑا حصہ رہا ہے " ۔

عام طور پر لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں صرف کردیتے ہیں مگر حضرت کا دس گیارہ سال کی عمر میں یہ حال تھا کہ کتاب لے کر کسی گوشہ میں جا بیٹھتے اور کوشش کرتے کہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رہیں تاکہ مطالعہ میں خلل واقع نہ ہو ۔ جس کا ثمرہ طلائی تمغوں کی شکل میں اور پھر نوجوانی ہی میں علماء اور اساتذہ کی صف میں شمولیت سے ملا ۔

حضرت حافظ سید عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ سید عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ جیون قدس سرہ کے ہم زلف ، مرید اور خلیفہ تھے ۔ ان کے مرشد نے ان سے کہا تھا کہ " ایک بات یاد رکھو ، رات کو زمین کو کبھی پیٹھ نہ لگانا ۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن صاحب نے مرشد کے حکم کی تعمیل میں تقریباً ۶۳ چونسٹھ سال کبھی رات میں زمین کو پیٹھ نہ لگائی ۔ رات بھر شب بیدار رہتے اور عبادت اور یاد الہٰی میں مصروف رہتے ۔ کبھی طبیعت خراب رہتی تو گاؤ تکیہ سامنے رکھ کر کچھ دیر کیلئے اس پر سر رکھ دیتے ۔ حالت نزع میں جب ان کے سامنے یٰسین شریف پڑھی جانے لگی اور پڑھنے والے پریشانی میں کہیں غلطی کر جاتے تو درست کردیتے ۔ جب زبان بے قابو ہوگئی تو اشارہ سے متنبہ کرنے لگے ، یہاں تک کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی ۔ ۱۴ ۔ شعبان ۱۳۲۷ ھ کو شب برات میں وصال ہوا ۔ بھونرے کی کھڑکی سانولے صاحب کے تکیہ میں مدفون ہیں ۔

حافظ عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت کے فرزند مولوی عبدالرحیم صدیقی کی اہلیہ محترمہ حیدری بیگم صاحبہ کے حقیقی نانا تھے ۔

۵۔ تعلیم و اساتذہ

حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ابتداءً مدرسہ محبوبیہ واقع درسگاہ مولانا محمد زماں خاں شہید میں مولوی میر احمد علی صاحب کہائی سے اور پھر اپنے چچا مولوی غلام حسین صاحب صدیقی سے (جو بعد میں حضرت کے خسر بھی ہوئے) تعلیم پائی ۔ اس کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوئے ۔ جس کا قیام آصفجاہ رابع نواب ناصر الدولہ بہادر کے دور حکومت میں ۱۴ ۔ جمادی الاول ۱۲۷۲ ھ م ۱۸۵۶ ء میں ہوا تھا ۔ مدرسہ دارالعلوم کا افتتاح مختار الملک سالار جنگ اول وزیر اعظم حکومت آصفجاہ رابع کے معطیہ مکان واقع پتھرگٹی میں ہوا ۔ یہ تاریخی عمارت آج بھی موجود ہے ۔ یہاں ایک عرصہ تک سٹی ہائی اسکول رہا اور فی الوقت دواخانہ علاج حیوانات قائم ہے ۔ یہ درسگاہ علوم مشرقی کی ایک بڑی درسگاہ تھی کوئی دوسرا مدرسہ اس کے مدمقابل نہ تھا ۔ درالعلوم اس زمانہ میں پنجاب یونیورسٹی سے ملحق تھا ۔ جس کی جانب سے فارسی اور عربی امتحانات مقرر ہوتے تھے اور اسناد دیئے جاتے تھے ۔ یعنی منشی منشی عالم ۔ منشی فاضل ۔ مولوی ۔ مولوی عالم اور مولوی فاضل ۔ ان چھ امتحانات میں حضرت نے اعـزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی ۔ اور بعض امتحانوں میں تمام پنجاب یونیورسٹی میں اول آکر طلائی تمغے پاتے رہتے ۔

میرے اسـتفسار پر حضرت نے اپنے اساتذہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا ۔

مولوی سید محمد سعید صاحب نے پوری درسی کتابیں پڑھائیں ۔ کلکتہ کے رہنے والے تھے ۔ ●۲

مولوی عون الدین صاحب ادب کی کتابیں مجھے بہت شوق سے پڑھاتے تھے ۔ میں مدرسہ کے سوا ان کے گھر پر جاتا ۔ متنزیات اور چائے سے روز آنہ تواضع فرماتے ۔ میں عرض کرتا روز آپ کیوں بار اٹھاتے ہیں تو فرماتے مجھے جورو بچے تو ہیں نہیں جو کچھ ہیں تم ہی ہیں ۔ مدراسں کے رہنے والے تھے ۔

فرمایا حبیب بوبکر بن شہاب نے عربی علم ادب کی انتہائی کتابیں پڑھائیں ان کے پڑھانے میں خصوصیت یہ تھی کہ عربیت کا ذوق پیدا ہوا ۔ میں عبارت لکھ کر لے جاتا ۔ حبیب کے سامنے پیش کرتا کبھی کاٹ کر نہیں بناتے بلکہ فرماتے دیکھو یہ لفظ اس جگہ درست نہیں ہے ۔ میں سوچ کر دوبارہ لکھ کر لے جاتا ۔ حضر موت کے مشہور شہر تریم کے رہنے والے تھے ۔ ان کو اپنے شاگرد پر بہت ناز تھا ۔ کہتے تھے کہ ۔ اس وقت عربی میں فی البدیہ خطبہ صرف دو آدمی دے سکتے ہیں ۔ ایک میں اور ایک عبدالقدیر ۔

●۱ جریدہ جزوثانی بابت ۱۳۰۶ھ ۳۳۹ ۔ ۲۶۱ نشان سلسلہ ۴۲ ۸

●۲ شمس العلماء مولانا سید محمد سعید کلکتہ کے مشاہیر علماء میں سے تھے اور علوم اسلامیہ و عربیہ کے سـاتھ انگریزی سے بھی واقف تھے ۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تعلیم حاصل کی تھی ۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہاں مدرس بھی رہ چکے تھے ۔ اور نواب عماد الملک کے استاد بھی تھے ۔ چند سالہ ملازمت کے بعد وظیفہ لے کر حرمین شریفین چلے گئے تھے ۔

فرمایا ۔ مولوی سید نادر الدین صاحب منطق اور فلسفہ پڑھانا ان کا حصہ تھا مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کے شاگرد خاص تھے ان کے پڑھانے کی خصوصیت یہ تھی کہ جو بھی مسئلہ سامنے آئے اول شاگرد کی استعداد کے مطابق تقریر فرماتے تقریر ایسی واضح اور بہتر ہوتی کہ اصل مضمون کے سمجھنے میں زیادہ دقت نہ ہوتی ۔ پھر کتاب پڑھاتے ۔ کتاب سے مضمون کو منطبق کرنے کے واسطے پوچھنے کی ضرورت ہوتی تو سمجھاتے ۔ درہ کاگال (سرحد) کے رہنے والے تھے ۔ ۱

فرمایا ۔ مولوی عبدالصمد صاحب قندھاری سے بھی میں نے منطق پڑھی ہے ۔

میں نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ کے اساتذہ آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے ؟ حضرت نے ارشاد فرمایا - ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ ان کی بقا عبدالقدیر کی وجہ سے ہے "۔

حضرت نے بارہا اپنے اساتذہ کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ - حصول علم کے لئے مجھے باہر جانے کی نوبت نہ آئی ۔ اپنے اپنے فن میں کامل اساتذہ کو اللہ نے میرے لئے یہیں بھیج دیا ۔

ان اساتذہ کے علاوہ حضرت نے مولوی الٰہی بخش صاحب سے بھی تلمذ حاصل کیا تھا جو پٹنہ کے رہنے والے تھے ۔ علم معقول اور منقول اور طب یونانی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے ۔ مولوی الٰہی بخش صاحب مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگرد تھے ۔

حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری المعروف بہ حکیم نابینا صاحب سے بھی حضرت کو تلمذ حاصل رہا ۔ مولوی منصور علی صاحب سے بھی حضرت نے علم طلب فرمایا ۔

دارالعلوم میں بحیثیت استاد کام کرنے کے زمانہ میں جب دار العلوم میں سائنس کے شعبوں طبیعیات و کیمیا کی تعلیم کا آغاز ہوا تو حضرت اس میں بھی دلچسپی لینے لگے اور بابو امرت لال سائنس ٹیچر سے اس جدید علم میں بھی دست رس حاصل کرلی ۔

حضرت جس زمانہ میں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے ۔ انگریزی میں بول چال کی مشق بڑھانے کے سلسلہ میں ایک انگریز کو مقرر فرمایا تھا ۔ جو گھر پر روز آنہ ایک گھنٹہ حضرت سے انگریزی میں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا اور صحیح گفتگو کرنے میں حضرت کی مدد کرتا تھا ۔

تجوید کی تعلیم کے سلسلہ میں حضرت نے قاری سید محمد تونسی کے پاس شاطبیہ پڑھی اور سبعہ سے قرآن شریف کے ڈیڑھ دو جز سنائے ۔ جب انھوں نے یہاں سے مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا تو حضرت نے اپنے چھوٹے ماموں حضرت مولانا سید عمر حسینی صاحبؒ کے پاس حضرت امام عاصم کوفی کی قراءت اور سیدنا شعبہؓ اور سید نا حفص دونوں حضرات کی روایت کے مطابق پورا قرآن سنایا ۔ ۲

---

۱ علامہ سید نادر الدین کے استاد عبدالحق خیر آبادی ، ان کے استاد بحرالعلوم عبدالعلی صاحب تھے ان کے استاد نظام الدین صاحب ۔ سید نادر الدین صاحب کو سقراط سے لے کر بو علی سینا تک کے تمام نظریات فلسفہ ، منطق و کلام ازبر تھے ۔ ان کے تشریف لانے سے دارالعلوم کی وقعت میں اضافہ ہوا ۔

۲ امام القراء حضرت سید محمد تونسیؒ مہاجر مدنی دو دفعہ حیدرآباد تشریف لائے انہی کی بدولت حیدرآباد میں فن تجوید کا چرچا ہوا ۔ پہلی مرتبہ تشریف فرمائی کے زمانہ میں مولانا غلام غوث شطاری (والد ماجد مولانا شیخین احمد شطاری کاملؒ) مولانا شاہ سید عمر حسینی قادری (حضرت کے چھوٹے ماموں) مولوی قاری محمود حسین صاحب اور مولوی قاری اسد اللہ حسینی صاحب نے تجوید و قراءت عاصم کوفی و سبعہ قراءت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
کی مکمل تعلیم حاصل کی ۔ دوسری مرتبہ کی تشریف آوری کے موقع پر قراءت سبعہ میں مولانا محمد علی شطاری ، قاری محمد ابراہیم صاحب ، قاری سید ابراہیم صاحب سعد اور قاری نظام الدین صاحب شریک درس تھے ۔ اور تکمیل کی تھی ۔ اسی زمانہ میں حضرت نے بھی قاری تونسی صاحب سے شاطبیہ پڑھی اور سبعہ سے قرآن کے ڈیڑھ دو جز سنائے تھے ۔

قرآن شریف جس روایت کے ساتھ تمام دنیا میں رائج ہے اور پڑھا جاتا ہے وہ سیدنا حفصؒ کی روایت ہے جو امام عاصم کوفیؒ کے شاگرد دوم تھے شاگرد اول شعبہ ہیں جن کی روایت میں سیدنا حفصؒ سے کہیں معمولی سا لفظی اختلاف ہے جس سے معنیٰ میں فرق نہیں آتا ۔ اگر حفصؒ کی روایت کے ساتھ شعبہؒ کی روایت کو بھی شامل کرلیا جائے تو ان دونوں کے استاد سیدنا عاصمؒ کی قراءت کہلائے گی ۔

" سیدنا ناعاصم کوفیؒ " ابوبکر عاصم بن عبداللہ اسدی کوفی تابعی تھے اور حضرت حارث بن حسانؓ کی صحبت سے مشرف ہوئے تھے ۔ ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ کے بعد کوفہ میں سیدنا عاصمؒ کی وجہ سے فن تجوید کی بڑی اشاعت ہوئی امام عاصم کوفیؒ نے ۱۲۷ ہجری میں وفات پائی ۔

" سیدنا شعبہؒ " ابوبکر شعبہ بن عیاش بن سالم اسدی کوفی ۹۵ ہجری بمقام کوفہ پیدا ہوئے آپ نے امام عاصم کوفیؒ سے قرآن مجید کی تعلیم پائی ۔ اہلسنت و الجماعت کے زبردست علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے ۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کی بہن رونے لگیں تو فرمایا ۔ کیوں روتی ہو دیکھو میں نے اس کونے میں بیٹھ کر اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے ۔ سیدنا شعبہؒ جمادی الاول ۱۹۳ھ میں وفات پائی ۔

" سیدنا حفص " ابوعمرو حفصؒ بن سلیمان بن مغیرہ اسدی کوفیؒ ۹۰ھ میں اپنے آبائی وطن کوفہ میں پیدا ہوئے امام عاصم کوفیؒ کے فرزند ربیب تھے (ربیب یعنی بیوی کا وہ لڑکا جو اس کے پہلے شوہر سے ہو) امام عاصم کی قراءت کے یہ سب سے بڑے عالم تھے ۔ ابن منادی نے لکھا ہے کہ متقدمین حفظ قراءت میں حفص کو شعبہ پر ترجیح دیتے تھے ۔ اور ان کی مہارت فن کی بہت تعریف کرتے تھے ۔ یہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے قاری تھے ۔ اور امام اعظم کے ہمدرس تھے ۔ امام حفصؒ کی روایت قراءت سبعہ و عشرہ میں سب سے آسان اور سہل ہے ۔ سیدنا حفصؒ نے ۱۸۰ھ میں وفات پائی ۔ کوفہ میں مدفون ہیں ۔

۶۔ تاہل

حضرت نے یکے بعد دیگرے (یعنی ایک بیوی کے انتقال کر جانے پر دوسری) چار شادیاں کیں۔

پہلی شادی حضرت کی چچازاد بہن بادشاہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مولانا غلام حسین صدیقی ابن حضرت محمد فضل اللہ صدیقیؒ سے بعمر پندرہ (۱۵) سال ہوئی (اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ) موصوفہ کی رحلت کے بعد

دوسری شادی عائشہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مولانا شاہ احسان الحق صاحب سے عمل میں آئی۔

(اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ) موصوفہ کی رحلت کے بعد

تیسری شادی فرخ بیگم صاحبہ بنت حکیم حضرت حبیب الرحمٰن صاحبؒ سے عمل میں آئی۔ یہ زوجہ محترمہ صرف نو ماہ زندہ رہیں

چوتھی شادی سیدہ رابعہ بیگم (عرف رابعہ مدنی) بنت حضرت مولانا سید شاہ اکبر علی صاحب سے عمل میں آئی۔

(اولاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

۷۔ گھریلو زندگی

اس باب میں ہم کو ایک ایسی شخصیت کی گھریلو زندگی پر نظر ڈالنی ہے جس کی ذات میں بیشمار جہتیں وقت واحد میں جمع تھیں۔ حضرت کی زندگی مختلف اور متضاد حیثیتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ وہ ایک ہی وقت میں مصنف بھی تھے۔ اور مفکر بھی، ادیب بھی تھے اور شاعر بھی، اہل قلم بھی تھے اور اہل سیف بھی۔ زندگی کے ہر دور میں وہ طالب علم بھی تھے اور استاد بھی، اور وقت واحد میں اپنی اولاد کے باپ بھی تھے۔ استاد بھی تھے اور مرشد بھی تھے۔ بیوی کے جہاں محب تھے وہیں محبوب بھی تھے۔ محبت کے جواب میں جہاں محبت طلب کرتے وہیں جواب محبت سے بے نیاز بھی تھے۔ جہاں بیوی کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتے وہیں اس کی مرضی کی پوری رعایت فرماتے۔ جہاں بڑی سے بڑی بات کو نظر انداز کر جاتے وہیں معمولی سی بات کی گرفت فرمالیتے۔ زندگی کے مرحلوں میں جہاں قہر و غضب کی بجلیاں چمکتی نظر آتی ہیں وہیں فضل و رحمت کی بارش بھی برستی نظر آتی ہے۔ کوئی جہت کسی جہت سے پیچھے نہیں۔ ایک ساتھ سب کا حق ادا ہورہا ہے اور پورے کمال کے ساتھ ادا ہورہا ہے۔ خدا کی قدرت کا ایک تماشا تھا جو نظر آتا تھا۔

جس طرح ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا حال خدا جانتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ایک گھر کے اندر کی زندگی ہوتی ہے اور ایک گھر کے باہر کی۔ کہیں کسی شخص کے باہر والے مداح ہیں تو گھر والے انتہائی شاکی، اور کہیں گھر والے مداح ہیں تو باہر والے شاکی۔ اور خود گھر ہی کے اندر کبھی کوئی راضی ہے تو کوئی ناراض۔ دراصل وہی زندگی کامیاب زندگی سمجھی جاتی ہے جو ہر جہت میں متوازن رہے اور حکمت کے ماتحت رہے۔ جس طرح سونے کو کسوٹی پر کس کر دیکھتے ہیں اسی طرح انسان کو دیکھنا ہو تو اس کی گھریلو زندگی دیکھنی پڑتی ہے۔

گھریلو زندگی ہی انسان کی شخصیت کا اصل روپ نکھار کر سامنے لاتی ہے۔ اس کے بغیر انسانی تصویر کے نقوش ابھر کر سامنے نہیں آسکتے۔ اس میں تو کلام نہیں کہ بے عیب خدا کی ذات ہے مگر واقعات بھی اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ انکی توجیہہ اور واقعات اور حالات کے باہم انطباق اور اخذ نتائج میں نظر تعمق سے نہ دیکھنے کی وجہ سے غلطی کے امکانات کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حکمت اگر سمجھ میں نہ آسکے تو اس میں حکیم کا نہیں سمجھنے والوں کی عقل کا قصور ہوتا ہے۔

حضرت کی گھریلو زندگی کو ہم کئی ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

پہلا دور :۔ "پہلی بیوی سے شادی کے بعد سے ان کی وفات تک کا زمانہ"

منگنی اور شادی حضرت کے چچا مولانا غلام حسین صدیقی نے جو بسلسلہ ملازمت ایک عرصہ سے میرٹھ میں مقیم تھے، اپنے منجھلے بھائی مولانا محمد عبدالقادر صدیقی (یعنی حضرت کے والد ماجد) کو مع اہل و عیال میرٹھ آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مولانا مع اہل و عیال تشریف لے گئے۔ جیسا کہ عام طور پر بچوں کی عادت ہوتی ہے، سواری سے اترتے ہی حضرت اپنے چچا کے گھر میں دوڑے۔ حضرت کی چچازاد بہن جو اپنی بہنوں میں بڑی تھیں اور نہایت خوبصورت تھیں عمر تقریباً تیرہ (۱۳) کے لگ بھگ ہوگی اور حضرت کی عمر چودہ (۱۴) سال تھی، خوبصورتی بھی تھی، جوانی بھی تھی۔ اچانک حضرت گھر میں داخل ہوئے نظریں چار ہوئیں، حضرت چونک پڑے اور وہ سٹپٹا گئیں چند روز مہمان داری رہی۔ اسی دوران دونوں بھائیوں کی نسبت کی قرار داد ہوگئی تین بہنوں میں سے بڑی بہن بادشاہ بیگم صاحبہ حضرت سے اور چھوٹی بہن امیر بیگم صاحبہ جن کی عمر اس وقت سات (۷) سال سے کچھ سوا تھی حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب سے منسوب کردی گئیں۔

سال ڈیڑھ سال کے اندر باہر دونوں بھائیوں کی شادی ایک ہی دن تاریخ میں کردی گئی ۔ دونوں دلہنیں گھر آئیں مگر معاملہ دونوں کا مختلف رہا ۔ چھوٹی بہن جن کی عمر اس وقت نو سال تھی اپنی حقیقی چچی اور خوشدامن کے قریب رہیں ۔ حضرت کی شادی پندرھویں سال ہوئی اور سولھویں سال مولوی محمد عبدالعزیز صدیقی فرزند اکبر کی پیدائش سے حضرت باپ بھی بن گئے ۔

دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے محب اور محبوب تھے ، ایک جان دو قالب تھے ، ہم خیال تھے ۔ بیوی وہی کرتیں جو میاں چاہتے ، میاں وہی کرتے جو بیوی چاہتیں ۔

ملازمت و ذمہ داریاں حضرت کی آمدنی کے دو ذرائع تھے ۔ ایک تو حضرت کو ۸۴ روپے آٹھ آنے منصب ملا کرتی تھی جو حضرت کی پیدائش کے ساتھ ہی جاری ہوئی تھی ۔ دوسرے مدرسہ دار العلوم میں بحیثیت استاد ملازم ہوجانے سے ۴۵ روپے تنخواہ ملا کرتی تھی ۔ اس طرح حضرت کی کل آمدنی ۱۳۹ روپے آٹھ آنے تھی ۔

حضرت کی شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت کی والدہ انور بیگم صاحبہ کا ۹ ۔ رمضان ۱۳۰۳ ھ کو وصال ہوگیا ۔ (جن کا مزار محلہ قاضی پورہ مسجد النور کے صحن میں جہاں موصوفہ کے برادر معظم حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ اور والد ماجد اور والدہ ماجدہ کے مزارات ہیں ۔ اپنی والدہ محترمہ کے ٹھیک پائیں میں ایک ہی چبوترہ پر واقع ہے) اب گھر کی ساری ذمہ داری حضرت اور حضرت کی زوجہ محترمہ کے سر آگئی ۔

جیسا کہ مولانا عبدالقادر صدیقی کے حالات کے ضمن میں بتلایا جاچکا ہے کہ وہ ناظم قضایائے عروب کی خدمت سے کسی مسئلہ میں مدار المہام سے شدید اختلاف کے باعث خدمت سے سبکدوش کردیئے گئے تھے ، جاگیر کی آمدنی کے علاوہ ان کو اور کوئی آمدنی نہ تھی البتہ ان کے صاحبزادوں کو ۲۰۰ چلنی سرکار سے جو منصب اجراء کردی گئی تھی اس منصب سے مولانا ہی استفادہ کرتے تھے اور گھر کا خرچ چلتا تھا ۔ گھر کا دھندا بڑا تھا ، کیونکہ مولانا عبدالقادر صدیقی نے ایک اور عقد کرلیا تھا ان کے بطن سے بھی مولانا کو دو لڑکے تھے ۔ بعد میں ان دونوں کی بھی شادیاں کردی گئی تھیں ۔ اس طرح مولانا عبدالقادر کے زیر پرورش ایک بڑا کنبہ تھا ۔ اس سارے کنبہ کی سربراہی مولانا کے زیر سرپرستی حضرت کو اور حضرت کی زوجہ محترمہ کو جو گھر کی بڑی بہو تھیں سرانجام دینی پڑتی تھی ۔

حضرت کو سال بہ سال بچے ہوتے گئے ، کثیر العیالی بڑھتی گئی ۔ حضرت کا اپنا ذاتی خرچ بھی زیادہ ہوتا گیا ۔ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب مدرسہ دار العلوم میں اعزازی مدرس مقرر ہوئے تھے لہذا ابھی تنخواہ پانے کا سوال ہی نہ تھا ۔ کچھ عرصہ تک وہ اعزازی خدمت ہی پر مامور رہے ۔ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا " باوا ! ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے اوڑھنے بچھانے کی تکلیف تھی ۔ سرما کا زمانہ تھا رات میں دیکھا کہ بچہ سردی سے اکڑ رہا ہے ۔ اپنا گرم کوٹ اتار کر اس کو اڑھا دیا اور خود بیٹھا رہا ۔ بعد میں اللہ نے خوب نوازا "۔

حضرت کے یہاں مولوی عبدالعزیز صاحب فرزند اکبر (۱۷ شوال ۱۳۰۳ ھ) کے بعد ایک صاحبزادی زینب بیگم (۱۳۰۶ ھ) تولد ہوئیں پھر دوسرے فرزند مولوی عبدالرحیم صاحب (۱۷ شوال ۱۳۰۸ ھ) تولد ہوئے تو حضرت کی زوجہ محترمہ نے ان کو مولانا عبدالمقتدر صاحب کے گود میں ڈال دیا کیونکہ وہ ابھی صاحب اولاد نہیں ہوئے تھے ان کے بعد ایک اور صاحبزادی عائشہ بیگم (۱۳۱۰ ھ) تولد ہوئیں اس طرح حضرت چار بچوں کے باپ بن گئے ۔ اس دوران میں عبدالمقتدر صاحب کی زوجہ محترمہ اس لائق ہوگئیں کہ اپنے شوہر کے ساتھ متاہل زندگی گذار سکیں ۔ مولوی عبدالرحیم صاحب کی دیکھ ریکھ سب چچا اور خالہ ہی کے ذمہ تھی ۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب کے ہاں مولوی عبدالغفور صاحب (یکم ذیقعدہ ۱۳۱۱ ھ) کی ولادت ہوئی اور ساتھ ہی ان کا تقرر مدرسہ وسطانیہ میدک کی صدارت پر عمل میں آیا ۔ چنانچہ وہ میدک تشریف لے گئے ۔

حضرت کے والد حضرت ہی کے ساتھ رہے۔ گھر دھنداسب کا الگ ہوجانے کی بناء پر ہر ایک کو اپنی منصب سے استفادہ کا موقع دے دیا گیا۔ حضرت کے پاس ایک اور صاحبزادی خدیجہ بیگم (۱۳/ شعبان ۱۳۱۲ھ) تولد ہوئیں حضرت کے اخراجات اور بڑھ گئے۔

مولوی عبدالرحیم صاحب جب چار برس کے ہوئے تو مولانا عبدالمقتدر صاحب نے ان کی تسمیہ خوانی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے کی اور ان کی تعلیم پر بہت توجہ دینے لگے باوجودیکہ ان کے یہاں بھی اولاد کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا مگر دو نظری قطعاً پیدا نہ ہوئی۔

ایک گھر میں کئی خاندانوں کا باہم مل کر رہنا اور اختلاف سے بچے رہنا اس وقت بہت مشکل ہوجاتا ہے جب بچے زیادہ ہوجائیں اور نوکر چاکر ہر ایک کے الگ الگ ہوں۔ کیونکہ آپسی اختلافات کا باعث زیادہ تر نوکر چاکر ہوتے ہیں یا پھر بچوں کے آپسی طفلانہ جھگڑے۔

بعد میں عبدالرحیم صاحب اپنے والد و والدہ کے ساتھ رہنے لگے مگر چچا و خالہ ان کو اپنا بچہ ہی سمجھتے رہے اور زندگی بھر ان کو اور ان کی اولاد کو اپنی اولاد جیسی محبت دی۔

حضرت اپنے ماموں خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ کے مرید ہوچکے تھے۔ حضرت کی زوجہ محترمہ بھی حضرت خواجہ ہی کی مرید ہوگئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی خوب ذکر و شغل کرتے، نمازیں پڑھتے، راتوں میں عبادتیں کرتے۔ تہجد کا اہتمام کرتے۔ حضرت کا علمی مشغلہ پڑھنا پڑھانا اور رات دن کا مطالعہ برابر جاری رہتا اور حضرت کی زوجہ محترمہ اپنے میاں کی خدمت، بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کے دھندے کی مصروفیت اپنے مقام پر برابر جاری رکھتیں۔ زیر سماں راتوں میں گھنٹوں دامن پساری کھڑی رہتیں۔ اپنے شوہر کے لئے، خود اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بہ دعاء رہتیں۔

زوجہ محترمہ کا سلیقہ اور کردار بادشاہ بیگم صاحبہ بڑے سلیقہ کی خاتون تھیں اور تھوڑی سی آمدنی میں گھر کا خرچ اس طرح سے چلاتیں کہ اہل خاندان حیران رہتے۔ خدا نے صحیح معنوں میں ان کے ہاتھ میں برکت دے رکھی تھی۔ وہ اپنے میاں کی بہترین رفیق زندگی تھیں۔ درحقیقت تمام نسوانی اوصاف کی حامل تھیں۔ بڑی فیاض، فراخ دست، متوکل اور قانع تھیں۔

چھٹا لڑکا (۱۳۱۳ھ) پیدا ہوتے ہی فوت ہوا۔ مزید کئی بچے تولد ہوئے فاطمہ بیگم (۱۳۱۷ھ)، کلثوم بیگم عرف حاجی بیگم (۱۳۱۹ھ)، حبیبہ بیگم (۱۳۲۱ھ) پھر ایک لڑکا تولد ہوا (۱۳۲۳ھ) جو پیدائش کے ساتھ ہی فوت ہوگیا۔ گیارھویں ابوتراب علی صدیقی عرف علی پاشاہ (۷، شوال ۱۳۲۴ھ) پھر میمونہ بیگم عرف خواجہ بیگم (۷، ذیحجہ ۱۳۲۵ھ)، ابوالقاسم محمد صدیقی عرف محمد پاشاہ، (۱۵ شعبان ۱۳۲۶ھ)، حسین شجاع الدین عرف حسینی پاشاہ (۶ شوال ۱۳۲۷ھ)، اور آخر میں ایک لڑکا ہوا (۱۳۲۸ھ) جس کا نام حسن رکھا گیا۔ تین ماہ بقید حیات رہا اس طرح حضرت کو بادشاہ بیگم صاحبہ سے پندرہ بچے ہوئے۔

حبیبہ بیگم اپنی والدہ کے سامنے مرض چیچک سے انتقال کرگئیں۔

بڑی بیٹی کی شادی بڑی صاحبزادی زینب بیگم صاحبہ کی شادی سید محمد باقر حسینی صاحب کے ساتھ بادشاہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ سید محمد باقر حسینی صاحب حضرت کے پیر و مرشد اور بڑے ماموں کے چھوٹے فرزند تھے۔ حضرت بیٹی داماد کو بلا کر رکھتے اور بے حد خوش ہوتے۔ یہ شادی خواجہ میاں صاحب کے وصال کے بعد آپ کے جانشین اور بڑے صاحبزادے مولانا عثمان حسینی صاحب کے دور میں ہوئی

اتنے بچے ہوجانے کے باوجود حضرت کی زوجہ محترمہ کی صحت پر زیادہ اثر مرتب نہیں ہوا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت پچھلی سے جب ورزش کرتے تو یہ خود بھی اپنے اعتبار سے ہلکی سی ورزش کیا کرتی تھیں۔

ذکر و شغل اتنا کرتیں کہ عام طور پر لوگ اندازہ لگانے میں دشواری محسوس کرتے تھے کہ میاں کی روحانیت زیادہ ہے یا بیوی کی۔ فقیر کامل کی بیوی، اس کی محل نظر، اس کی چاہت و محبت اور اس کی توجہ کی بدولت ایسی ہی ہو سکتی ہے۔

بادشاہ بیگم کے تصرف باطنی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ " محبوب پاشا (یعنی نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ) ہمارے بنگلہ کے سامنے آکر کھڑے رہیں اور پھر یہیں سے دیوڑھی واپس ہوں " انداز کچھ ایسا تھا گویا وہ ان کو حکم دے رہی ہوں۔ ان کے اس طرح فرمانے پر ہنسنے والے ہنسے، کہنے والوں نے کہا کہ بادشاہ وقت کو دیکھو اور ان کے گھر کے دروازہ کے سامنے آکر کھڑا ہونا دیکھو۔ بہر حال جتنے منہ اتنی باتیں۔ اسنے میں سیٹیاں شروع ہوئیں اور سب نے دیکھا کہ محبوب پاشاہ گھوڑے پر تراٹ چلے آرہے ہیں۔ حضرت کے بنگلے (واقع پتھر گئی روبرو مسجد پتھر گٹی) کے روبرو آکر گھوڑے کو روک دیا۔ اور بنگلہ کی طرف رخ کر کے چند منٹ کھڑے رہے پھر گھوڑا پلٹا کر وہیں سے سیدھے دیوڑھی واپس روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں عام طور پر لوگ محبوب علی پاشاہ کو ولی سمجھتے تھے۔ کسی نے کہا محبوب علی پاشاہ کا کمال ہے۔ کسی نے کہا یہ بادشاہ بیگم کی روحانیت کا کرشمہ ہے۔ جب یہ سوال حضرت سے کیا گیا کہ آخر کمال کس کا ہے؟ تو حضرت نے ارشاد فرمایا " کمال تو دونوں کا ہے "۔

ایک دفعہ حضرت کے صاحبزادہ محمد بادشاہ کو جو کمسن تھے شدت کا بخار چڑھ گیا۔ بادشاہ بیگم صاحبہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے " بخار جہنم کی بھاپ سے ہے، پانی سے اس کو ٹھنڈا کرو " (متفق علیہ) اور بچہ کو سرد پانی سے حمام کروا دیا۔ بخار میں اور زیادتی ہوگئی موصوفہ نے فرمایا " نبی سچا بخار جھوٹا " دوسرے دن پھر سرد پانی سے حمام کروایا۔ بخار پھر بھی نہ اترا۔ گھر کے لوگ پریشان ہوگئے مگر کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے۔ تیسرے روز یہ کہہ کر سہ بارہ حمام کروایا " نبی سچا بخار جھوٹا " الحمد للہ بخار اتر گیا۔ لوگ ان کے حدیث پر یقین اور ان کی ایمانی قوت کا اندازہ کر کے حیران رہ گئے۔

بادشاہ بیگم صاحبہ کی قادریت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ پیاس لگی تو پانی کے گھڑے کے پاس گئیں گلاس میں پانی لیا، پینے کے لئے منہ کے قریب لے گئیں پھر بغیر پیئے گلاس رکھ کر اپنی جگہ واپس آگئیں۔ کسی نے پانی نہ پینے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا " حکم نہیں ہوا "۔

بادشاہ بیگم صاحبہ اور ان کی بہن امیر بیگم صاحبہ پر خواجہ میاں صاحب قبلہ کی خاص نظر عنایت تھی۔ چنانچہ آپ کی جانب سے بادشاہ بیگم کو " بادشاہ صادقات " اور امیر بیگم کو " امیر عارفات " کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا۔

خواجہ میاں حضرت نے فرمایا تھا " ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہمارے سلسلہ کی عورتوں کی پیشی ہوئی "۔ پیرانی بی (یعنی خود خواجہ میاں حضرت کی زوجہ محترمہ) سب سے پہلے آئیں اور ان کے جلو میں بڑی بیگم اور چھوٹی بیگم آئیں (یعنی حضرت کی زوجہ محترمہ بادشاہ بیگم اور عبدالمقتدر صاحب کی زوجہ محترمہ امیر بیگم)۔

زوجہ محترمہ کی علالت اور انتقال آخر زمانہ میں بادشاہ بیگم صاحبہ پر جذب کی کیفیت زیادہ طاری ہوگئی تھی۔ کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ دنیا کی طرف زیادہ توجہ نہ رہی تھی نہ سر میں تیل نہ کنگھی نہ چوٹی۔ حضرت عبدالمقتدر صاحب تشریف لاتے اور کہتے بھابی صاحبہ خاصہ ملاحظہ فرمائیے تو جواب دیتیں " چھوٹے بھائی کھانا کیسے کھاؤں دانہ دانہ میں پیر و مرشد نظر آرہے ہیں " وہ کہتے " آپ مرشد میں فنا ہوگئی ہیں۔ پیر و مرشد دراصل آپ کی آنکھوں میں ہیں اس لئے آپ جدہر دیکھتی ہیں وہ نظر آتے ہیں۔ ذرا آپ اپنی طرف نظر کیجئے آپ اپنی جگہ پیر و مرشد ہی کو پائیں گی "۔

حضرت کا یہ عالم تھا اپنے ہاتھوں سے کھانا ملا کر منا منا کر کھلاتے ۔ بیوی کے سر میں تیل ڈالتے کنگھی تک کردیا کرتے ۔ اتنی سخت واردات گذرتی رہنے کے باوجود میاں سے غافل نہ ہوتیں ۔ حضرت کی کسی بات کو نہ ٹالتیں ۔ خود حضرت کا بیوی سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر ان کی طرف کبھی پیٹھ نہ کی ۔ کروٹ بدلنا چاہتے تو اٹھ کر دوسرے بازو آلیٹتے ۔

بادشاہ بیگم صاحبہ پر جذب کی کیفیت جب غالب ہونا شروع ہوئی تو ان کو اپنے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالعزیز صاحب کی شادی کی فکر رہنے لگی ۔ ان کی شادی دیکھنے کی بڑی آرزو مند تھیں ۔ ان کی نسبت خواجہ میاں حضرت کی صاحبزادی امۃ اللہ بیگم سے طے ہوچکی تھی ۔ چنانچہ عثمان میاں حضرت نے اپنی بہن کی شادی کا سر انجام کیا ۔ پیر و مرشد کی صاحبزادی بہو بن کر گھر آئیں تو حالتِ جذب میں بھی بہو کو پہچانا اور بیحد مسرت کا اظہار کیا ۔ مولوی عبدالعزیز صاحب کو خواجہ میاں حضرت ہی سے بیعت تھی ۔

بادشاہ بیگم صاحبہ نے حضرت کے ساتھ ۲۶ سال گذارنے کے بعد بعمر ۴۰ سال ۱۲ ۔ شوال ۱۳۲۹ ھ وصال فرمایا ۔ بمقام محبوب آباد حال باقر نگر نزد عیدگاہ جدید تالاب میر عالم مدفون ہیں ۔ (اولاد و احفاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

دوسرا دور :۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرنے تک کا زمانہ

بادشاہ بیگم جیسی چہیتی اور چاہنے والی بیوی کے انتقال کی وجہ سے حضرت بہت مغموم رہتے تھے پیر و مرشد کا وصال ہی زندگی کو بے مزہ کردینے کیا کچھ کم تھا کہ مزید صبر آزما اک اور صدمہ جانکاہ درپیش ہوگیا ۔

بادشاہ بیگم نے اپنے پیچھے ایک نہیں تیرہ بچے چھوڑے تھے جن میں چھ لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں جن میں سے صرف بڑے فرزند اور بڑی صاحبزادی کی شادیاں ہوئی تھیں ۔ باقی کے منجلہ اور چار صاحبزادیاں سن شعور کو پہنچ چکی تھیں اور باقی بچے چھوٹے تھے ۔ گھر کا انتظام حضرت کے فرزند دوم مولوی عبدالرحیم صاحب اور حضرت کی صاحبزادی خدیجہ بیگم کے ذمہ تھا ۔ ان دونوں بھائی بہن سے جس طرح بن پڑتا گھر کا انتظام کرتے اور چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ ریکھ اور سنبھال بھی انہی کے ذمہ تھی ۔

بڑی بہو صاحبہ کا انتقال بادشاہ بیگم کا وصال ہوکر دو مہینے ہی ہوئے تھے کہ اک اور غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔ پیر و مرشد کی صاحبزادی حضرت کی بڑی بہو مولوی عبدالعزیز صاحب کی زوجہ محترمہ صرف چار مہینے کی دلہن داغ مفارقت دے گئیں ۔ بعارضہ طاعون ۱۳ ۔ ذی الحجہ ۱۳۲۹ ھ کو انتقال فرمایا ۔ (یہ حیدرآباد میں دوسرا طاعون تھا) ۔ حضرت خواجہ میاں صاحب قبلہ کے وصال کے وقت ان کی عمر تخمیناً چار سال تھی ۔ ان کی تمام تر تعلیم و تربیت ان کی والدہ ماجدہ اور برادرِ معظم حضرت عثمان حسینی صاحب کی زیرِ نگرانی ہوئی تھی ۔

عبدالعزیز صاحب کی بیقراری اہل خاندان سے دیکھی نہ جاتی تھی ۔ بیوی کے مزار پر جو بادشاہ بیگم صاحبہ کے مزار سے متصل ہے جا بیٹھتے ۔ آنسو بہاتے ، قرآن ، درود جو ہوسکتا پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے جاتے ۔ حضرت کا یہ حال کہ بہو جو مرشد کی صاحبزادی تھیں اور بڑے ہی ارمانوں سے بیاہ کر لائی گئی تھیں ان کے غم نے اور کئی غموں کی یاد تازہ کردی ۔ بیٹے کی بیقراری سوہان روح بن گئی تھی ۔ ایک غمزدہ کا دوسرے غمزدہ کو تلقینِ صبر کرنا ، تسلیم و رضا کا عملی درس دینا کچھ آسان کام نہ تھا ۔ بچے ماں کو یاد کرکے آنسو بہاتے ، ان کے آنسو حضرت سے دیکھے نہ جاتے خود بھی آبدیدہ ہوجاتے ۔ تنہائی کا احساس الگ وحشت پیدا کرتا ، گھبراہٹ طاری ہوجاتی ، دل کہیں نہ لگتا تو اپنے چچازاد بھائی ، دوست اور برادر نسبتی مولوی احمد حسین صاحب صدیقی کے مکان واقع متصل کالی کمان مع بچوں کے ان کے پاس چلے جاتے اور دنوں رہ جاتے ۔ بعض اوقات سر کے بال پراگندہ رہتے ، لوگ توجہ دلاتے تو فرماتے " سر میں تیل ڈالنے والی تو رہی نہیں "۔

اس دور میں حضرت کے سر میں گھنی گھنگر والی زلفیں تھیں ۔

دوسری صاحبزادی کا انتقال اسی دوران حضرت کی نا کتخدا صاحبزادی عائشہ بیگم مرض طاعون میں مبتلا ہوئیں ۔ دوران بیماری انہوں نے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھا اور عرض کیا " یارسول اللہ میری تین خواہشیں ہیں وہ پوری ہوں ۔ پہلی خواہش تو یہ ہے کہ میں نے آپ کے جمال مبارک کو دیکھا ہے اب میں کسی اور کو نہ دیکھوں " ۔ ارشاد ہوا " منظور " دوسری خواہش یہ ہے کہ میرے بادا حسن کی شادی دیکھیں فرمایا " منظور " تیسری خواہش انہوں نے کیا پیش کی تھی جس پر سرکار صلی اللہ علیہ و سلم نے منظور فرمایا تھا اس کو انہوں نے میری والدہ سے بیان ضرور کیا تھا اور والدہ نے اس خواب کا تذکرہ کرتے وقت مجھ سے بیان بھی کیا تھا مگر وہ الفاظ میرے ذہن سے اتر گئے ۔

جب عائشہ بیگم خواب سے بیدار ہوئیں تو آنکھوں کی پتلیوں پر پردہ آگیا ۔ چنانچہ پہلی خواہش تو فوراً پوری ہوگئی ۔ عائشہ بیگم صاحبہ کی اس بیماری میں میری والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ نے تیمارداری کی تھی اور بہن کی خوب دعائیں لی تھیں ۔ اسی بیماری میں عائشہ بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا ۔ کچھ ہی دنوں بعد حضرت کے سب سے چھوٹے کمسن صاحبزادہ حسن جو تین ماہ کے تھے چل بسے اور اپنی ماں کی یاد اپنے باپ کے لئے تازہ کرگئے ۔ حسن کی شادی دیکھنے کی خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت نے اپنے پوتے حسن ، فرزند مولوی ابوتراب علی صدیقی کی شادی میں شرکت فرمائی اس وقت حضرت کی عمر شریف ۹۰ سال کے قریب تھی ۔

چھوٹے ماموں کے انتقال کا صدمہ انہی دنوں میں حضرت کے چھوٹے ماموں حضرت علامہ سید عمر صاحبؒ قدس سرہ نے ۱۹ ۔ صفر ۱۳۳۰ ھ بعارضہ طاعون وصال فرمایا ۔ حضرت کو اپنے چھوٹے ماموں سے بے حد محبت تھی اور وہ بھی حضرت کو دل سے چاہتے تھے ۔ ان کے وصال سے حضرت کے قلب پر انتہائی صدمہ گزرا ۔

یہ دور حضرت کے لئے انتہائی صبر آزما اور امتحانی دور تھا یا قدرت کی جانب سے حضرت پر بلاؤں کے دروازے کھول دیئے گئے تھے تاکہ آپ کا نفس پوری طرح گداختہ ہوجائے اور آپ پر اللہ کی خصوصی رحمت اور نعمت کے دروازے کھول دیئے جائیں ۔

بھاگوں جو سن کے یار سے میں نام امتحاں
کچھ بوالہوس کا رنگِ پریدہ نہیں ہوں میں (حسرت صدیقی)

بیٹی اور داماد کا جدہ میں انتقال بادشاہ بیگم صاحبہ کا وصال ہوکر پورے دس ماہ گذر چکے تھے ۔ حضرت کے ماموں زاد بھائی اور پیر زادے حضرت سید عثمان حسینی صاحب سجادہ نشین نے جن کی زوجہ محترمہ نے اسی طاعون میں انتقال فرمایا تھا جس میں حضرت عثمان میاں کی بہن یعنی حضرت کی بہو امۃ اللہ بیگم زوجہ عبدالعزیز صاحب نے انتقال کیا تھا ۔ چونکہ حضرت عثمان میاں اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے جانا چاہتے تھے جنہوں نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا لہذا حضرت کی صاحبزادی فاطمہ بیگم کے لئے پیام روانہ کیا ۔ جس کو حضرت نے منظور فرما لیا ۔ باوجودیکہ ان سے بڑی بہن خدیجہ بیگم صاحبہ کی ہنوز شادی نہیں ہوئی تھی گو ان کی نسبت کا قرار داد ہوچکا تھا مگر موقع کا خیال کرتے چھوٹی بہن فاطمہ بیگم صاحبہ کا عقد ۲۵ / شعبان ۱۳۳۰ ھ کو کردیا گیا ۔ اور شوال ۱۳۳۰ ھ میں حضرت عثمان میاں نئی دلہن اور صاحبزادہ و صاحبزادی کو لے کر اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ عازم حرمین شریفین ہوئے ۔ تقریباً ایک سال بعد ۱۳۳۱ ھ میں حضرت سید محمد یحییٰ حسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے برادر معظم کو مجبور کیا کہ وہ چند ماہ کے لئے ہی سہی حیدرآباد چلیں اور عرض کیا کہ سارے لوگ آپ کے دیدار کے لئے

بے چین ہیں۔ بھائی کے بے حد اصرار پر مواجہ شریف میں مراقبہ کیا۔ سرکار مدینہ سے اجازت ملی۔ دوسرے روز پھر مراقبہ کیا۔ دوسرے روز بھی اجازت ہی ملی۔ تیسرے روز پھر مراقبہ کیا اور عرض کیا " سرکار کو چھوڑ کر جانے دل نہیں چاہتا " تو ارشاد ہوا " اگر تم کو ہماری جدائی بار گزر رہی ہے تو چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں " حیدرآباد کے لئے سفر شروع ہوا۔ محل محترم علیل تھیں۔ سفر کی تیسری منزل پر حضرت عثمان میاں کو بخار آگیا۔ ۲۰۔ محرم کو جب جدہ پہنچے تو دونوں میاں بیوی کی حالت خراب ہوگئی اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ بالآخر ۸۔ صفر ۱۳۳۲ھ کو گیارہ بجے شب محل محترم فاطمہ بیگم صاحبہ کا انتقال ہوگیا اور جدہ میں تدفین عمل میں آئی۔ حضرت عثمان میاں بالکل فریش تھے۔ تدفین میں شرکت نہ فرماسکے۔ ۱۳۔ صفر ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ صبح ، بجے خود حضرت عثمان میاں بھی وصال فرماگئے انا للہ و انا الیہ راجعون جدہ ہی میں تدفین عمل میں آئی (اس واقعہ کی پوری تفصیل حضرت عثمان میاں کے ضمن میں صـــ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔

بیٹی داماد کے انتقال کی خبر جب اچانک حیدرآباد پہنچی ہوگی تو حضرت کے دل پر کیا گزری ہوگی اندازہ مشکل ہے۔ ادھر لخت جگر اور چار مہینے کی دلہن ادھر عزیز از جان پیرزادہ اور پھر جانشین خواجہ۔

آپ کے جو جی میں آئے کیجئے　　بندگی بے چارگی ہم کیا کریں　　(حسرت صدیقی)

محبت اور پھر شکوہ شکایت غیر ممکن ہے　　اگر شکوہ نکل جائے تو جل جائے زباں میری　　(حسرت صدیقی)

میں عین کامرانی اس کو سمجھوں راہِ الفت میں　　اگر اڑ جائیں کوئے دلربا میں دھجیاں میری　　(حسرت صدیقی)

بادشاہ بیگم صاحبہ کا وصال ہوکر دوسال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ حضرت کی صحت خراب رہنے لگی۔ حکیم عبدالوہاب صاحب المعروف بہ حکیم نابینا صاحب نے حضرت کو طبی مشورہ دیا کہ " آپ کی طبیعت جو ناساز رہتی ہے دوسری شادی ہی اس کا واحد علاج ہے۔ مولوی احمد حسین صاحب برادر نسبتی اور دوست نے ایک طرف حضرت کے علمی مشاغل اور دوسری طرف احساس تنہائی ، کبیدہ خاطری اور خرابی صحت کے مدنظر باوجود یکہ ان کو اپنے بہن کی اولاد نہایت عزیز تھی۔ حضرت کو دوسری شادی کرلینے کا مشورہ دیا۔ مگر بادشاہ بیگم کی محبت نے حضرت کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ محبت میں کسی اور کو حقدار بنا سکیں۔ چنانچہ جب بھی شادی کا مشورہ دیا جاتا حضرت سنی ان سنی کردیتے۔

حضرت کے چند مخلص دوست تھے ، مولوی غلام جیلانی صاحب ، مولوی غلام دستگیر صاحب ، مولوی فیض الدین صاحب ، مولوی مسیح الدین صاحب ، اور خود حضرت کے برادر نسبتی مولوی احمد حسین صدیقی صاحب ، ان دوستوں کی بیٹھک مولوی غلام جیلانی صاحب کے بنگلہ پر رہتی تھی جو مسجد کالی کمان سے ملحق تھا۔ یہ بیٹھک بلا کسی اختلاف و شکر رنجی برسوں قائم رہی۔ بقول خود حضرت کے ابتداءً صرف گپ شپ ہوا کرتی۔ حضرت نے تحریک کی کہ اس بیٹھک کو بامقصد بنا دیا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ناول پڑھے جائیں تا کہ تفنن طبع کا سامان بھی ہو اور علمی اور ادبی صلاحیت بھی بڑھے۔ چنانچہ حضرت کے تحریک پر فسانہ " آزاد " طلسم ہوش ربا ، اور ان کے علاوہ مختلف صاحب طرز ادیبوں کا لٹریچر پڑھا جانے لگا۔ چنانچہ بیسیوں کتابیں پڑھی گئیں اور ایک اچھا خاصا علمی اور ادبی ماحول پیدا ہوگیا۔ یہ سارے دوست نہایت سنجیدہ ، مہذب ، پابند صوم و صلوٰۃ اور خاندانی لوگ تھے۔ حضرت کا اور مولوی احمد حسین صاحب کا دل سے احترام کرتے گو دوستی کی بے تکلفی اپنے مقام پر برقرار ضرور رہتی۔

ان چاروں دوستوں نے بھی دوسری شادی پر بہت زور دیا بالآخر حضرت نے مولوی احمد حسین صاحب صدیقی سے فرمایا " احمد حسین میاں اب کچھ فکر کرنی ہی چاہیئے "۔

اس نوبت پر حضرت نے پہلے اپنے فرزند مولوی عبدالعزیز صاحب کی دوسری شادی کی طرف توجہ فرمائی ۔ کئی نسبتیں ان کے سامنے رکھی گئیں ۔ ان کو یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اگر میں دوسری شادی کرلوں تو پیر و مرشد کا داماد کہلانے کے علاوہ کسی دوسرے کا بھی داماد کہلاؤں گا ۔ یہ بات ان کو قطعاً ناپسند تھی ۔ چنانچہ تمام نسبتوں کو انہوں نے رد کردیا اور اپنے خیال پر اٹل رہے ۔ بالآخر ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ۔

حضرت کی ناکتخدا صاحبزادی خدیجہ بیگم صاحبہ کسی عرس کے موقع پر شاہ احسان الحق صاحب کی صاحبزادیوں سے ان کی ملاقات ہوئی ۔ خصوصاً ان بہنوں میں چھوٹی بہن عائشہ بیگم صاحبہ جو ناکتخدا تھیں ان سے خدیجہ بیگم کی بہت دوستی ہوگئی ۔ خدیجہ بیگم جب گھر لوٹ آئیں تو انہوں نے اپنے والد سے عائشہ بیگم کے اوصاف ، ان کی محبت ، خلوص ، تواضع ، حسن اخلاق ، صورت شکل اور ان کی خوبصورتی ، رنگ روپ کی بہت تعریف کی ۔ اپنی بیٹی کی زبانی عائشہ بیگم کی تعریف سن کر حضرت ان سے نسبت دینے پر مائل ہوگئے ۔

چنانچہ حضرت نے مولوی احمد حسین صدیقی صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ سلطان جہاں بیگم صاحبہ سے عائشہ بیگم کے تعلق سے تذکرہ فرمایا ۔ جو رقیہ سلطان جہاں بیگم کی حقیقی بھانجی تھیں ۔ ان کو اپنی نند پاشاہ بیگم صاحبہ مرحومہ اور ان کی اولاد نہایت عزیز تھی ۔ وہ یہ نہ چاہتی تھیں کہ ان بے ماں کے بچوں پر سوتیلی ماں آئے ۔ دوسری طرف ان کو یہ بات بھی ناپسند تھی کہ ان کی حقیقی بھانجی ایسے گھر میں جائے کہ شادی کے ساتھ ہی ایک بڑے گھر دھندے کی ذمہ داریوں کا بوجھ اچانک ان کو سنبھالنا پڑے ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت کے علم و فضل ، وجاہت ظاہری ، اوصاف حسنہ اور بزرگی کے تعلق سے وہ رطب اللسان ضرور تھیں اور ان کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ حضرت کے جیسا آدمی تقدیر ہی سے ملتا ہے ۔ باوجود اس کے وہ اس نسبت کے سلسلہ میں پیشقدمی کے لئے تیار نہ تھیں ۔

مولوی احمد حسین صاحب نہایت بامروت ، ولی صفت آدمی تھے ۔ حضرت خواجہ میاںؒ نے ان کے اور ان کے برادر خرد مولوی شریف حسین صاحب عرف پیارے میاں کے تعلق سے فرمایا تھا کہ " یہ دونوں بھائی ولی ہیں " علاوہ ازیں موصوف جو مجسم اخلاق اپنی خاص وضع کے پابند ، ذی وجاہت اور عمدہ دارانہ شان کے آدمی تھے حضرت کو اس نسبت کے بارے میں پوری طرح کوشش کرنے کا تیقن دے چکے تھے ۔ رقیہ سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو مجبوراً اپنے شوہر کا ساتھ دینا پڑا ۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی نے شاہ احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس نسبت کا تذکرہ کیا تھوڑی سے پس و پیش کے بعد وہ اپنی بیٹی حضرت کو بیاہ دینے راضی ہوگئے ۔ اور نسبت کا قرار داد عمل میں آیا ۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت کے فرزند دوم مولوی عبدالرحیم صاحب سے مولوی احمد حسین صاحب کی بڑی صاحبزادی حیدری بیگم صاحبہ بچپن سے منسوب تھیں گو ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ۔ مگر نسبت برقرار تھی ۔ حضرت کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ عائشہ بیگم اگر گھر آئیں تو آئندہ ساس بہو میں پہلے سے قرابت قریبہ ہونے کے باعث باہم خلوص و محبت سے گزرے گی ۔ چنانچہ حضرت کی یہ توقع بعد میں صحیح ثابت ہوئی ۔

تیسرا دور ۔ "دوسری بیوی عائشہ بیگم صاحبہ سے شادی کے بعد سے تیسری بیوی فرخ بیگم صاحبہ کے انتقال تک کا زمانہ"۔

تقریباً ۴۳ سال کی عمر میں حضرت کی دوسری شادی عائشہ بیگم صاحبہ بنت شاہ احسان الحق صاحب فاروقی کے ساتھ عمل میں آئی حضرت کی ساری اولاد ان کو دلہن اماں جان کے نام سے پکارا کرتی تھی ۔ اور اسی نام سے ان کو آج تک یاد کرتی ہے ۔ عائشہ بیگم صاحبہ نے اپنی فطری صلاحیتوں کی بناء پر دانشمندی سے اپنے مقام مادری کو اس طرح نبایا کہ سب نے داد دی ۔ ان کی محبت اور خلوص نے سوتیلے بچوں کو وہ پیار دیا کہ ہر ایک کے دل میں ان کی عظمت و عقیدت سگی ماں کے مثل قائم ہوگئی ۔ یہ عائشہ بیگم صاحبہ کے اخلاق کا نتیجہ تھا جو ذاتی اغراض سے پاک تھا ۔ نمائشی نہ تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی محبت گھر کے ہر ایک فرد کے دل میں گھر کر گئی تھی ۔ اس سے ان کی روح کی لطافت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کس قدر للہیت کا پہلو غالب تھا ۔

شادی کے ابتدائی دور میں عائشہ بیگم صاحبہ کے خواب میں بادشاہ بیگم صاحبہ اکثر آیا کرتیں ۔ شادی کے دوسرے ہی روز وہ عائشہ بیگم صاحبہ کے خواب میں تشریف لائیں اور ان سے سوال کیا کہ تم نے کس کے پہلو میں رات گذاری ؟ خواب میں اکثر ہدایت کر جاتیں کہ دیکھو ! میرے بچوں کا خیال رکھنا ، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا ۔ کچھ دن اس طرح سے گذرے ایک روز عائشہ بیگم صاحبہ نے حضرت سے تذکرہ کیا کہ میں بچوں کے ساتھ کونسا برا سلوک کر رہی ہوں کہ بادشاہ بیگم ہر شب خواب میں آکر مجھے بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تاکید کر جاتی ہیں ۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا " اچھا میں ان سے کہہ دیتا ہوں ۔ وہ تمہارے خواب میں آئندہ نہ آیا کریں گی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ پھر خواب میں تشریف نہ لائیں ۔

سالک رام کی گلی کے مکان میں حضرت کی صاحبزادی خدیجہ بیگم صاحبہ کی شادی حضرت کے حقیقی چچا زاد بھائی مولوی محمد نور الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر مولوی محمد انور الدین صدیقی (یعنی میرے والد ماجد) کے ساتھ ۲ ۔ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ عائشہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں انجام پائی ۔ یہ شادی اس دور کے ہر اعتبار سے مثالی شادی تھی ۔ جس میں وقت کی پابندی ، ترک تکلفات ، و رسومات کو بطورِ خاص پیشِ نظر رکھا گیا تھا ۔

اس دور میں دعوت نامہ میں از صبح تا نصف النہار لکھا جاتا تھا مگر صورتِ حال یہ تھی کہ صبح ہی عقد ہوتا اور عقد کے ساتھ ہی مہمانوں کی طعام سے ضیافت کی جاتی اور شام تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ۔ اور رات میں جلوہ دیا جاتا دلہن کی رخصتی تک کافی رات ہوجاتی ۔ دن تمام مہمانوں کو دلہن کے مکان پر وقت گذارنا پڑتا ۔ مولوی نور الدین صاحب قبلہ کو یہ تضیع اوقات ناپسند تھی ۔ انہوں نے حضرت سے خواہش ظاہر کی کہ جلوہ دن کے بارہ بجے سے پیشتر دے دیا جائے تا کہ دلہا دلہن باراتیوں کے ساتھ دوپہر کا خاصہ دولھا کے مکان پر کھا سکیں ۔ حضرت نے اس بات کو پسند فرمایا اور رواج کے خلاف اس خواہش کی ٹھیک وقت پر تکمیل فرمادی اور دن کے ۱۲ بجے سے پیشتر جلوہ دے دیا گیا اور ساڑھے بارہ تک رخصتی عمل میں آئی ۔ دراصل یہ جانبین کی اصول پسندی ، ہم خیالی ، یگانگت ، خلوص اور محبتِ قلبی کا کامل مظاہرہ تھا ۔

ترپ بازار کے اسی مکان میں شادی کی ایک اور تقریب عائشہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں انجام پائی وہ حضرت کے فرزند دوم مولوی محمد عبدالرحیم صدیقی صاحب کی شادی کی تقریب تھی جو ان کی حقیقی ماموں زاد بہن حیدری بیگم صاحبہ بنت مولانا احمد حسین صاحب صدیقی کے ساتھ انجام پائی ۔ حیدری بیگم صاحبہ اور عائشہ بیگم صاحبہ دونوں رشتہ میں خالہ زاد بہنیں تھیں اور رضاعی بہنیں بھی تھیں کیونکہ عائشہ بیگم

نے اپنی خالہ کا دودھ پیا تھا ۔ یہاں رشتہ میں پھر نزاکت پیدا ہوئی ایک بہن ساس ایک بہن بہو ۔ دونوں نے اپنا اپنا کمال دکھایا ۔ بہن ہوتے ہوئے بھی بہو نے اسی احترام کو ملحوظ رکھا جو ساس کے شایانِ شان ہوا کرتا ہے ۔ اور ساس نے ایسا انداز اختیار کیا کہ بیٹے کے پاس تو وہ ان کی ماں کا بدل ثابت ہوتی رہیں مگر بہو یہ نہ محسوس کرسکے کہ اسے بہن سے نہیں ساس سے سابقہ پڑا ہے اس طرز عمل سے انہوں نے نہ صرف حضرت کے دل میں جگہ پائی بلکہ خاندان والوں کی نظروں میں بھی ان کا وقار بلند ہوگیا ۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ عائشہ بیگم صاحبہ بڑی مستقیم اوپر اور دقیقہ شناس واقع ہوئی تھیں ۔ سوتیلے بچوں نے بھی ماں کا پیار پایا ۔ چھوٹے بچے تو سگی ماں کو بڑی حد تک بھول ہی گئے تھے ۔

اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی کسی نہ کسی عنوان سے حضرت بادشاہ بیگم کا تذکرہ ضرور نکالا کرتے اور ان کو یاد کیا کرتے ۔ بمقتضائے فطرت عائشہ بیگم صاحبہ کو رشک ہوا ۔ ایک دن انہوں نے حضرت سے سوال کر ہی دیا کہ بادشاہ بیگم آپ کو زیادہ چاہتی تھیں یا میں زیادہ چاہتی ہوں ۔ حضرت نے جواب دیا " یہ بات مت پوچھو " جب اصرار سے پوچھا تو حضرت نے فرمایا " بادشاہ بیگم مجھے چاہتی تھیں ۔ اور تم کو میں چاہتا ہوں " ۔ یہ جواب سن کر عائشہ بیگم صاحبہ نے کہا " میرا دل چاک کرکے دیکھو اس میں آپ کی کتنی محبت ہے " !

عائشہ بیگم صاحبہ کی گفتگو انتہائی دلچسپ اور شگفتہ ہوتی تھی ۔ ان کا طرز تکلم اس قدر شیریں تھا معلوم ایسا ہوتا گویا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں ۔ ظرافت کا پاکیزہ مذاق بھی قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا ۔ اکثر حضرت کو اپنی گفتار سے ہنسا دیتی تھیں ۔ ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت ان پر خفا ہونے لگے ۔ عائشہ بیگم صاحبہ ہنسنے لگیں ۔ حضرت نے ان سے کہا " میں خفا ہو رہا ہوں اور تم ہنس رہی ہو " انھوں نے جواب دیا " کیا کروں آپ غصہ میں اتنے حسین نظر آرہے ہیں کہ بے اختیار ہنسی نکلی جارہی ہے " یہ جملے اس درجہ والہانہ انداز میں ادا ہوئے کہ حضرت بھی ہنس پڑے ۔

اولاد از بطنِ عائشہ بیگم صاحبہ عائشہ بیگم صاحبہ کے بطن سے حضرت کو تین صاحبزادے تولد ہوئے ۔ پہلے فرزند کا نام حضرت نے حسن رکھا ۔ حالانکہ لوگ اس بات کو برا خیال کرتے تھے کہ جو بچہ گزر جائے اس کا نام دوبارہ کسی بچہ کا رکھا جائے ۔ حضرت نے اس وہم کو توڑنا چاہا ۔ مقدرات ٹلتے نہیں صاحبزادے حسن فوت ہوئے ۔ دوسرے فرزند تولد ہوئے تو حضرت نے ان کا نام حسن محی الدین صدیقی (عرف محی الدین پاشا) رکھا ۔ (حسن بار بار رکھنے کے پس پردہ بشارت تھی جو حضرت کی صاحبزادی کو مرض طاعون کے دوران ملی تھی کہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے معروضہ کیا تھا کہ میرے باوا حسن کی شادی دیکھیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا تھا ۔ تیسرے فرزند کا نام عبدالقادر معین الدین عرف قادر پاشا رکھا گیا ۔

خدا نے عائشہ بیگم صاحبہ کو اچھی صورت اور اچھی سیرت عطا کی تھی ۔ یہ بادشاہ بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد ان کا اچھا بدل ثابت ہوئیں ۔ اور حضرت کے دل میں بادشاہ بیگم صاحبہ کی یاد کے ساتھ ساتھ اپنی بھی یاد چھوڑ گئیں ۔ اور اپنی شفقت اور محبت کے صرف پانچ سال کے قلیل عرصہ میں وہ نقوش چھوڑے کہ بادشاہ بیگم صاحبہ کی اولاد ان کو آج تک بھلا نہ سکی ۔

عائشہ بیگم صاحبہ کی رحلت حضرت عائشہ بیگم صاحبہ نے ۲۶ ۔ ذالحجہ ۱۳۳۰ھ کو دار فانی سے رحلت فرمائی اور بمقام محبوب آباد ۔ حال باقر نگر نزد عیدگاہ جدید تالاب میر عالم مدفون ہیں ۔

تیسری شادی عائشہ بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد حضرت نے تیسری شادی فرخ بیگم صاحبہ سے کی جو حکیم حبیب الرحمٰن صاحب ابن حافظ سید عبدالرحمٰن صاحب کی صاحبزادی تھیں ۔ حضرت اس زمانہ میں مدرسہ دارالعلوم سے متصلہ مکان میں کرایہ سے مقیم تھے ۔ یہ زوجہ محترمہ شادی کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں ۔

چوتھا دور (آخری اور درخشاں دور)

حضرت نے فرخ بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد چوتھی شادی سیدہ رابعہ بیگم صاحبہ (رابعہ مدنی) بنت مولانا سید اکبر علی حسینی صاحب سے فرمائی ۔ مولانا دہلی کے رہنے والے تھے ۔ حضرت کی تیسری بیوی فرخ بیگم صاحبہ کے دادا حافظ سید عبدالرحمٰن صاحب کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے ۔ بڑے عالم فاضل اور صاحب تصنیف و تالیف بزرگ تھے ۔ چنانچہ ان کی ایک کتاب بیحد مقبول ہوئی تھی ۔ اور اس کے کئی ایڈیشن بھی چھپے تھے ۔ مولانا عاشق رسول تھے ۔ ظاہری دوری گوارہ نہ ہوئی تو ترک وطن کرکے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ۔ ہجرت کر جانے کے بعد کسی سلسلہ میں ایک بار ہندوستان تشریف لائے تھے ۔ کچھ دن قیام رہا ۔ دوران قیام بیمار ہوئے تو اس ڈر سے کہ کہیں ہندوستان میں انتقال نہ ہوجائے حالت بیماری میں فوراً مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد انتقال فرمایا ۔ مولانا نے مدینہ طیبہ میں اپنی رہائش کے لئے ایک مکان بھی خرید لیا تھا ۔ اس مکان کے تعلق سے حضرت نے بلاد اسلامیہ کے اپنے سفرنامہ میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے ۔

" چہار شنبہ ۹ ۔ ذیقعدہ (۱۳۴۵ھ) کو مولوی عبدالباقی صاحب کے پاس چائے خوری کی دعوت ہوئی یعنی صبح کا کھانا ہوا مطبق اور میٹھی چکولیاں بھی تھیں ۔ وہاں سے اٹھ کر امین افندی کے مکان کو گئے اور ان سے بھائی اصغر علی شاہ صاحب (حضرت کے برادر نسبتی) کے والد اکبر علی صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کرلیا ۔ سید یٰسین مرحوم کے فرزند عبدالقادر زندہ ہیں ۔ سید احمد عبدالحمید بھی ہیں ۔ افغانی ان کے گھروں میں اترتے ہیں ۔ نجدی رشوت نہیں لیتے ۔ مستحقین کو حق پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر اصغر علی شاہ صاحب یہاں آئیں ، ساتھ حجتہ و توریث نامہ لائیں تو مکان سہولت سے مل سکتا ہے " ۔

حافظ عبدالرحمٰن صاحب کے فرزند دوم سید محمد الطاف الرحمٰن صاحب (حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ بادشاہ بیگم کی منجھلی بہن وزیر بیگم صاحبہ کے شوہر) سے مولانا اکبر علی صاحب کی خط و کتابت رہا کرتی تھی ۔ جب الطاف الرحمٰن صاحب کو اطلاع ملی کہ مولانا انتقال فرماچکے ہیں تو انہوں نے مولانا کی صاحبزادی رابعہ بیگم صاحبہ اور ان کے بھائی اصغر علی شاہ صاحب کو مشورہ دیا کہ دونوں حیدرآباد آجائیں تو بہتر ہے کہ ان کے یہاں کئی رشتہ دار موجود ہیں ۔ چنانچہ دونوں بھائی بہن والد کا خرید کردہ مکان کسی موزوں شخص کے سپرد کرکے مدینہ طیبہ سے سیدھے حیدرآباد پہنچے ۔ اور فرخ بیگم صاحبہ کے والد حافظ حکیم سید حبیب الرحمٰن صاحب کے مکان میں فروکش ہوئے ۔ خاندانی تعلقات کی بناء پر حکیم صاحب نے ان دونوں بھائی بہن کا پورا پاس و لحاظ کیا اور اپنے مکان میں بخوشی جگہ دی اور ہر طرح سہولت بہم پہنچائی ۔

دراصل رابعہ بیگم صاحبہ کی تقدیر ان کو مدینہ طیبہ سے حیدرآباد کھینچ لائی کیونکہ ان کی تقدیر میں حضرت عبدالقدیر جیسی برگزیدہ ہستی کی آئندہ شریک حیات بننا لکھا تھا ۔ رابعہ بیگم صاحبہ کی عمر کا کچھ حصہ مدینہ طیبہ میں گذرا تھا اسی بناء پر وہ رابعہ مدنی سے معروف ہوگئیں ۔ اور عام طور پر اہل خاندان ان کو مدینہ والی بی بی سے مخاطب کرنے لگے تھے ۔

رابعہ بیگم صاحبہ صوم صلوٰۃ کی سختی سے پابند ، نہایت حسین و جمیل اور سرخ و سفید تھیں اور فرخ بیگم صاحبہ کی ہم عمر تھیں ۔

رشتہ میں ان کی پھوپھی ہوتی تھیں ۔ دونوں میں باہم بے حد محبت تھی ۔ چنانچہ حیدرآباد آجانے کے بعد وہ اکثر اپنی بھتیجی سے ملنے حضرت کے گھر آیا کرتی تھیں ۔

فرخ بیگم صاحبہ کے وصال کے بعد حضرت کے لئے پھر وہی مسائل سامنے آگئے جو بیوی کے گھر میں نہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں ۔ مجبوراً حضرت نے پھر شادی کرلینے ہی کو بہتر خیال کیا ۔ چنانچہ حضرت نے اپنی پہلی بیوی کی منجھلی بہن وزیر بیگم صاحبہ زوجہ الطاف الرحمٰن صاحب کو جو حافظ عبدالرحمٰن صاحب کی بہو تھیں اور رابعہ بیگم اور ان کے بھائی سے سسرالی رشتہ داری کی وجہ سے تعلقات استوار تھے رابعہ بیگم صاحبہ سے نسبت کی قرار داد کے سلسلہ میں پیشقدمی کرنے کے لئے منتخب فرمایا ۔ چنانچہ موصوف کی کوشش سے نسبت کا قرارداد ہوگیا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی ۔

مولانا احمد حسین صدیقی اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ سلطان جہاں بیگم نے جو حافظ عبدالرحمن صاحب کی صاحبزادی تھیں دلہن کی جانب سے شادی کے انتظامات میں بھرپور حصہ لیا ۔ اور اپنے مکان سے دلہن کو رخصت کیا ۔

حضرت کی بڑی بہن حافظہ بیگم صاحبہ زوجہ سید شاہ اصغر حسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش بقید حیات تھیں وہ اپنی سرپرستی میں بھاوج کو بیاہ کر اپنی معیت میں حضرت کے گھر آئیں ۔ حضرت اس وقت دارالعلوم سے متصلہ مکان میں مقیم تھے ۔

رابعہ بیگم صاحبہ سے شادی کرنے کے بعد حضرت دار العلوم کے متصلہ مکان سے اٹھ کر شمشاد جنگ کے مکان میں منتقل ہوگئے جو گھوڑوں کی چوک نزد شاہ علی بنڈہ میں واقع ہے ۔ اس مکان میں رابعہ بیگم صاحبہ کے بطن سے فاطمہ بیگم تولد ہوئیں ۔ (سنہ ولادت ۱۳۴۰ھ)

شمشاد جنگ کے مکان پر کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد حضرت قبلہ گیا پرشاد وکیل کے مکان میں منتقل ہوگئے جو شاہ علی بنڈہ مارکٹ سے متصل تھا ۔

کچھ عرصہ کے بعد پتھر گٹی کا مکان فروخت ہوا ۔ ترکہ میں جو رقم حضرت کے حصہ میں آئی اس سے حضرت نے محلہ رکاب گنج اردو شریف میں ایک مکان خرید لیا اور اس میں منتقل ہوگئے ۔ اس مکان کے تین قطعے تھے ۔ دو قطعے پختہ اور ایک سفالی ۔

رابعہ بیگم صاحبہ کا دور حضرت کے لئے مادی اور روحانی ترقیوں کا مبارک اور درخشاں دور ثابت ہوا ۔

مدرسہ دارالعلوم میں حضرت کا ابتدائی تقرر ۴۵ روپیہ ماہوار پر ہوا تھا ۔ عائشہ بیگم صاحبہ کے دور میں حضرت پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے ۔ رابعہ بیگم صاحبہ کے ابتدائی دور میں ۳۵۰ تا ۶۰۰ کا گریڈ ملا ۔ اس کے بعد حضرت ترقی کرتے ہوئے صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ مقرر ہوئے اور ماہانہ ایک ہزار روپئے ماہوار پانے لگے ۔

مولانا عبدالمقتدر صاحب نے اپنے دوسرے فرزند محمود عبدالصبور صاحب کے لئے اپنی بھتیجی اور بیوی کی حقیقی بھانجی خواجہ بیگم کو بیاہ لانے کو زیادہ مناسب سمجھا ۔ ایک بات تو یہ تھی کہ بادشاہ بیگم صاحبہ مرحومہ کی وہ ایک ہی صاحبزادی ناکتسخدا رہ گئی تھیں ۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس رشتہ کی بدولت بھائیوں میں باہم محبت کا رشتہ مزید قوی ہوجانے کی توقع تھی ۔ چنانچہ یہ شادی رابعہ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں اچھے انداز میں تکمیل پائی ۔ اور دونوں بھائیوں کے گھرانے قریب آگئے ۔ آمد و رفت بڑھ گئی ۔

حضرت علی پاشا اور تین صاحبزادوں کی شادی

رابعہ بیگم صاحبہ نے اپنی سرپرستی میں ابوتراب علی صدیقی عرف علی پاشا کی شادی

ایسے زمانہ میں کی اور بہو کو بیاہ کر گھر لائیں جب کہ وہ کالج میں زیر تعلیم تھے ۔ ان کے ملازم ہونے تک بہو بیٹے کا پورا بار اٹھایا ۔ ابوالقاسم محمد صدیقی صاحب ، حسن محی الدین صدیقی صاحب اور عبدالقادر معین الدین صدیقی صاحب کی شادیاں بھی انہی کے زیر سرپرستی ہوئیں ۔

حضرت کے جہاں ہزار ہا مرد مرید تھے وہیں ہزار ہا عورتیں بھی مرید تھیں ۔ صبح سے شام تک ایک تانتا بندھا رہتا ۔ رابعہ بیگم صاحبہ بالطبع تنہائی پسند تھیں ۔ غیر ضروری اور طول طویل گفتگو ان کو ناپسند تھی ۔ گھر کا کام دھندا چھوڑ کر ان عورتوں سے کوئی کہاں تک بسر آتا ۔ عورتیں اپنے حالات ، گھریلو قصے سنانے لگتیں تو ان کو حضرت کے پاس بھیج دیتیں ۔ بالآخر زچ آکر ایک روز حضرت سے کہہ دیا " میاں میں تو آپ کے مریدوں سے تنگ آگئی ہوں " ۔ حضرت نے جواب دیا " بیوی یہ سب میری زندگی تک ہے میں جب تک زندہ ہوں یہ برابر آئیں گے ۔ میرے بعد تمہارے پاس کوئی نہ پھٹکے گا " ۔ حضرت کا جواب سن کر خاموش ہوگئیں ۔ حضرت نے زنانہ کے لئے بھی مردانہ کی طرف ہی کا راستہ مقرر فرمادیا ۔ ایسی خواتین جن کو حضرت خود بھیج دیتے کہ جاؤ پیرانی ماں سے ملو ۔ تو ان سے بے حد التفات و شفقت سے پیش آتیں کسی کی چائے سے اور کسی کی پان سے تواضع کرتیں ۔ اگر کوئی بیوی حضرت سے کچھ عرض کرنے کی خواہش کرتی اور خود راست عرض کرنے کی جراءت نہ کر سکتی تو اس کو ساتھ لے جاکر اس کا مدعا حضرت سے عرض کردیتیں ۔ اگر مردانہ رہنے کی وجہ سے یہ صورت بھی ممکن نہ ہوتی تو ان کی خواہش پر خود پڑھ کر دم کردیتیں ۔ ان کا دم کرنا تیر بہ ہدف ہوتا ۔ زبان میں غیر معمولی تاثیر تھی ۔ مقبول الدعا تھیں ۔ اگر کسی کے لئے دعا فرمادیتیں تو اس کو کامیابی ہوجاتی ۔

نواب میر عثمان علی خان کی بہو بیٹیاں یا امراء کی بیویاں یا بہو بیٹیاں حاضر خدمت ہوتیں تو ان کا لحاظ ضرور فرماتیں ۔ اگر ان کے ساتھ ہی دوسری عورتیں بھی آجاتیں تو ان کو نظر انداز کبھی نہ فرماتیں ۔ ایک ہی نظر سے سب کو دیکھتیں ۔

ایک مرتبہ محلات شاہی میں کسی کی زچگی رکی ہوئی تھی ۔ اعلیٰحضرت نے موٹر میں کسی کو روانہ کیا کہ صدیقی صاحب سے پانی دم کروا کر لاؤ ۔ حضرت مکان پر نہیں تھے اس نے جاکر عرض کیا کہ حضرت مکان پر تشریف فرما نہیں ہیں گلبرگہ شریف عرس میں شرکت کے لئے گئے ہیں ۔ فرمایا " وہ گھر پر نہیں ہیں تو کیا ہوا ان کے گھر والے تو ہیں جاؤ ان سے پڑھوا کر لاؤ " ۔ چنانچہ رابعہ بیگم صاحبہ نے پانی دم کرکے دیا ۔ پانی پلاتے ہی زچگی ہوگئی ۔ اعلیٰحضرت نے کہا " کیوں نہ ہو صدیقی صاحب کی بیوی ہیں " ۔

رابعہ بیگم صاحبہ نہایت دور اندیش خاتون تھیں ۔ ان کو روپیہ خرچ کرنے کا سلیقہ تھا ۔ کب اور کتنا خرچ کرنا چاہئیے ان کو اس کا صحیح اندازہ تھا ۔ سلامت روی ہمیشہ مدنظر رہی ۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ملک پیٹھ میں ایک بڑا اور پختہ بنگلہ خریدا جس کے تحت کافی اراضی تھی ۔ سامنے کے حصہ میں جدید پختہ مکان بنوایا ۔ قدیم مکان کو سرکاری گودام پر اٹھایا ۔ بنگلہ کے عقب میں جو کشادہ زمین تھی اس کو باغ کی شکل دے دی اور منتخب میوؤں کے درخت لگوائے ۔ گلاب اور موتیا کے تختے ڈلوائے اور ذرائع آمدنی میں اضافہ کیا ۔ حضرت اپنے پیسے کا صحیح استعمال دیکھ کر خوش ہوتے ۔

دنیاوی معاملات میں اپنی رائے کو حضرت کی رائے پر ترجیح دیتیں ۔ اکثر معاملات وہ خود اپنی مرضی سے طے کردیتیں ۔ ان میں خود اعتمادی بہت تھی ۔ بعض وقت کسی معاملہ میں حضرت دلچسپی لینے لگتے تو پھر اپنی مرضی کے خلاف کچھ سننا ہی نا چاہتے اور بالآخر وہی ہوتا جو حضرت چاہتے ۔ کبھی کسی مسئلہ میں کوئی بات حضرت کی مرضی کے خلاف ہوجاتی اور حضرت خفا ہونے لگتے تو حضرت کو منوانا چاہتیں ۔

بعض وقت حضرت انجان ہوجاتے اور بعض وقت بہت برہم ہوجاتے تو دم بخود ہوجاتیں اور موقع کی منتظر رہتیں ۔ اور گفتگو کا موضوع اس سلیقہ سے بدل دیتیں اور گفتگو کا انداز ایسا اختیار کرتیں کہ چند ہی منٹ میں حضرت ایسے ہوجاتے گویا کوئی بات ہوئی ہی نہ تھی ۔ دیکھنے سننے والوں کے لئے حیرت کی انتہا نہ رہتی اور ان کی اس صلاحیت پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے ۔

ایک مرتبہ رابعہ بیگم صاحبہ نے فرمایا " میں بھی مرید ہونا چاہتی ہوں مگر ہوں تو کس کی ؟ باہر نظر ڈالتی ہوں تو نظر کہیں نہیں جمتی ۔ میاں کی مرید ہونے کو جی تو چاہتا ہے مگر رکتی اس لئے ہوں کہ بیوی ہوں ۔ ان کے گھر کی پوری ذمہ داری مجھ پر ہے ۔ کبھی کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف ہو اور حالات کے لحاظ سے اس کی تکمیل کرنی پڑتی ہو تو مرید ہوجانے کے بعد پھر تو مجھے مجبور ہوجانا پڑے گا اور گھر کا انتظام برقرار نہیں رہے گا " ۔ وہ کوئی تصفیہ کر نہیں پائی تھیں کہ خواب میں دیکھا کہ وہ دست شریف حضرت غوث الاعظم پر بیعت کر رہی ہیں ۔ لہذا انہوں نے حضرت نقیب الاشراف بغداد شریف کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا ۔ حضرت جب سفر حج و زیارت کے لئے روانہ ہونے لگے تو اپنے خواب اور ارادہ سے مطلع کر کے خواہش کی کہ نقیب الاشراف صاحب سے عرض کردیں کہ وہ مجھے داخل سلسلہ کرلیں ۔ چنانچہ حضرت جب بغداد شریف حاضر ہوئے تو اس زمانہ میں حضرت پیر سید عبدالرحمن نقیب الاشراف تھے ۔ بہت معمر اور ضعیف تھے ۔ اور حضرت پیر سید محمود حسام الدین نقیب الاشراف کے فرائض انجام دے رہے تھے ۔ حضرت نے ان کی خدمت میں حیدرآباد کے قاعدہ کے مطابق ایک اشرفی اور چار روپئے عریضہ کے ساتھ روانہ کئے ۔ پیر حسام الدین صاحب قبلہ کے وکیل کی حیثیت سے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ بعد میں حضرت نے بیوی سے فرمایا " تم مجھ سے بہت بچنا اور بھاگنا چاہتی تھیں مگر بالآخر پیر صاحب کے حکم سے گھٹ گئیں ۔ اور میرے ہی ہاتھ پر پیر صاحب کے وکیل کی حیثیت سے ہی سہی بیعت کرنی پڑی " ۔ عالم شہادت میں خواب کی تکمیل اس طرح ہوئی ۔

صاحبزادی قطب النساء کی شادی حضرت کی صاحبزادی قطب النساء بیگم کی شادی قاضی بشیر الدین فاروقی صاحب سے طے پائی ۔ زیور ، جہیز کے کپڑے اور سامان کی خریدی شروع ہوئی ۔ سونے کا سارا زیور حضرت کے نواسے بھائی وقار الدین صدیقی کی نگرانی میں تیار کروایا گیا ۔ عقد کے روز ایک ہال میں تمام جہیز قرینہ سے جما دیا گیا حضرت جہیز کا سامان ملاحظہ فرمانا چاہتے تھے ۔ نانی اماں صاحب نے مجھے یاد فرمایا میں حاضر خدمت ہوا تو کہا ۔ تمہارے نانا جہیز دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اب تمہارا کام ہے نانا کے ساتھ رہ کر جہیز تفصیلی طور پر بتلانا میں نے عرض کیا جہیز کا سامان کس کی تحویل میں ہے ؟ ہال کی کنجی کا ذمہ دار کون ہے ؟ وہ کسی موزوں آدمی کے تعلق سے سوچنے لگیں ۔ میں نے عرض کیا صابر حسینی صاحب کی بڑی بہن (فرید النساء بیگم عرف بڈھی ہاں) بڈھی بیگم خالہ اماں کو بلواکر ان کے ذمہ کردیا جائے تو مناسب ہے ۔ (حضرت اپنی اس بھانجی کو بے حد عزیز رکھتے تھے) نانی اماں نے فوراً موٹر روانہ کی اور ان کو بلوایا اور ان سے فرمایا " آپ کے ماموں جہیز دیکھنا چاہتے ہیں ، آپ جہیز کا سارا سامان اپنی نگرانی میں لے لیں " انہوں نے ہال کی کنجی لے لی ۔ اور حضرت کی آمد کی منتظر ہوگئیں " نانی اماں نے حضرت سے عرض کیا " میاں آپ جہیز دیکھنا چاہتے تھے تیار ہے ایک نظر دیکھ لیں " اور ساتھ ہی فرمایا " صمدانی پاشا تم نانا کے ساتھ رہ کر سارا جہیز تفصیل سے دکھلاؤ " چنانچہ میں حضرت کے ساتھ ہوگیا ۔ ہال کے دروازہ پر بڈھی بیگم صاحبہ کو دیکھا تو حضرت بے حد مسرور ہوئے فرمایا " باوا آپ آگئے " وہ حضرت سے ملیں اور ہال میں آکر ٹھیر گئیں ۔ حضرت ہال میں داخل ہوئے اور سامان اور کپڑوں پر اچٹتی ہوئی نظر دوڑائی

پھر پوچھا - یہ سامان کس کی تحویل میں ہے - اور قفل کی کونجی دکھلائی ۔ حضرت نے فرمایا - تم سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے - ہال میں آگے بڑھتے گئے کپڑوں اور دیگر اشیاء کا تفصیلی جائزہ لیتے گئے ۔ اور سارا جہیز دیکھ کر مسکراتے ہوئے واپس ہوئے بیوی کی انتظامی صلاحیت سلیقہ اور کپڑوں اور اشیاء کے انتخاب پر مسرت کا اظہار فرمایا ۔ حضرت میں جمالیاتی ذوق اعلیٰ درجہ کا تھا ۔

رابعہ بیگم صاحبہ پر تقریباً دو سال بھول اور گمشدگی کی کیفیت طاری رہی ۔ ڈاکٹروں کا علاج چلتا رہا ۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ دماغی کینسر ہے ۔ مگر حضرت کا خیال تھا کہ ان پر جذب کی کیفیت طاری ہے وہ ادھر نہیں ہیں ۔ محترمہ نماز کی سختی سے پابند تھیں ۔ مقررہ اذکار ناغہ نہ فرماتی تھیں ۔ بھول کے اس زمانہ میں بغیر یاد دہی ٹھیک وقت پر نماز کے لئے متوجہ ہوتیں ۔ اور نماز ادا فرماتیں ، تسبیح پڑھتیں ، پان ملاحظہ فرماتیں ۔ ڈبیا میں پان کی گلوریاں لگا کر حضرت کی خدمت میں بھجواتیں ۔ خاصہ کا وقت آتا تو حضرت کے تخت کے سامنے میز رکھا جاتا اور خاصہ چن دیا جاتا اور خادمہ آکر محترمہ سے عرض کرتی - خاصہ تیار ہے حضرت یاد فرمارہے ہیں ۔ حضرت کا نام سنتے ہی فوراً چلنے کو تیار ہوجاتیں ۔ خادمہ ہاتھ پکڑ کر حضرت کے کمرہ میں لے آتی جو بازو ہی تھا ۔ حضرت کو دیکھتے ہی السلام علیکم فرماتیں اور قریب جاکر حضرت کے چہرہ مبارک کی بلائیں لے کر ہاتھ اپنے چہرہ پر پھیر لیتیں ۔ حضرت کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ فرماتے تو کرسی پر تشریف فرما ہوجاتیں حضرت اپنے دست مبارک سے کھانا سالن رکابی میں ڈالتے اور فرماتے - بیوی کھاؤ - فوراً کھانا کھانے لگتیں ۔ حضرت آدھا پانی خود پی کر گلاس بڑھا دیتے ۔ حضرت کا بچا ہوا پانی پی لیتیں ۔ اور حضرت کے چہرہ مبارک کو دیکھنے میں پھر گم ہوجاتیں ۔ چائے آتی اور سامنے رکھدی جاتی حضرت خود چائے نوش فرمانے لگتے اور فرماتے - بیوی چائے پیو - تو چائے پی لیتیں اور پان کی ڈبیا حضرت کی طرف بڑھا دیتیں ۔ حضرت پان ملاحظہ فرماتے پھر کہتے - اچھا اب جاؤ آرام کرو خادمہ محترمہ کو پھر کمرہ میں پہنچا دیتی ۔

بھول کے اس زمانہ میں کبھی کبھی بیہوشی کا دورہ بھی پڑتا تھا جو چند منٹ رہتا ۔ ایک مرتبہ پلنگ پر سے اٹھ کر ضرورت سے جانا چاہتی تھیں کہ بیہوشی کا دورہ پڑا جھوک نکلنے لگا قریب تھا کہ وہ فرش پر گر جاتیں موسیٰ ماموں اور میں اتفاقاً کمرہ میں داخل ہوئے ۔ موسیٰ ماموں فوراً لپکے اور ان کو ہاتھوں پر اٹھالیا ۔ جسم کو ہاتھ لگتے ہی اس حالت میں بھی ناگواری محسوس کی اور ڈانٹ کر پوچھا - کون ہے - ؟ موسیٰ ماموں نے عرض کیا - اماں جان میں موسیٰ آپ کا بیٹا - انھوں نے اطمینان محسوس کیا اور پھر بےہوش ہوگئیں ۔ موسیٰ ماموں نے اپنی والدہ کو پلنگ پر لٹادیا ۔ میں حضرت کی خدمت میں پہنچا اور یہ چشم دید سارا واقعہ کہہ سنایا ۔ اور عرض کیا - حضرت ان کو بیہوشی کی حالت میں بھی اپنی عفت کا کتنا خیال ہے ۔ حضرت کے چہرہ مبارک پر ایک سرخی دوڑی اور مجھ سے فرمایا - بادا ! آخر سیدانی ہے - ۔

صاحبزادی قمر النساء کی شادی اس بھول کی کیفیت کے زمانہ میں حضرت کی صاحبزادی قمر النساء عرف لطیف شہزادی کی شادی خواجہ ولی الدین صاحب سے ہوئی ، شادی کے سارے مراسم محترمہ ہی کے ہاتھوں انجام پائے ۔ جب محترمہ کی بھول جاتی رہی اور وہ صحت مند ہوگئیں ۔ ان کے گود میں بچی کو دیکھ کر پوچھا - یہ تمہارے گود میں کس کی بچی ہے - انھوں نے جب بتلایا کہ یہ خود ان کی اپنی بچی ہے تو پوچھا کہ - کیا شادی ہوگئی - انھوں نے جواب دیا - اماں جان شادی کے سارے انتظامات اور مراسم خود آپ ہی نے تو انجام دیئے تھے - فرمایا - مجھے کچھ یاد نہیں - داماد کو بلوا کر دیکھا ، ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی پھر پوترا پوتری ، نواسہ نواسی جو اس دوران تولد ہوئے تھے ان سب کو بلوا کر دیکھا اور

نہایت مسرور ہوئیں۔

رابعہ بیگم صاحبہ میں عرب عورتوں جیسی ہمت اور شجاعت تھی۔ پستول چلانا جانتی تھیں۔ نشانہ اچھا تھا۔ ایک مرتبہ رکاب گنج کے مکان میں قیام کے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد ہوگیا۔ یہ نواب میر عثمان علی خان آصفجاہ کا دور تھا۔ محترمہ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ مکان کی پھاٹک کے پاس جمع ہوگئے ہیں ممکن ہے پھاٹک میں گھس آئیں۔ اس وقت نہ تو حضرت مکان میں تھے اور نہ بچے ہی موجود تھے۔ گھر میں بچیاں پریشان ہونے لگیں فوراً برقعہ پہن کر پستول لوڈ کیا۔ پھاٹک کے اندر مکان میں داخل ہونے کا جو دروازہ تھا اس میں آکر کھڑی ہوگئیں اور ڈانٹ کر کہا۔ خبردار جو کسی نے پھاٹک میں داخل ہونے کی کوشش کی اور پستول تان کر اس کا رخ مجمع کی طرف کردیا۔ فسادیوں نے جو پستول دیکھا فوراً رفو چکر ہوگئے۔ اس واقعہ سے باوجود عورت ہونے کے ان کی ہمت اور شجاعت کا اندازہ ہوا۔ یہ واقعہ جس کسی نے سنا حیرت کرنے کے بجائے یہ کہا۔ آخر حضرت کی بیوی ہیں"۔

رابعہ بیگم صاحبہ نے اپنی سوتیلی اولاد کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ اس قدر احسانات بھی فرمائے کہ اولاد کا سر نیاز ماں کے قدموں پر پورے احترام کے ساتھ ہر وقت جھکا رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا۔ مجھے اپنی پیٹ کی اولاد سے زیادہ پاشاہ بیگم کی اولاد سے توقع ہے کہ یہ میرا ساتھ دے گی۔

حضرت کے وصال کے بعد حضرت کے جانشین رحیم پاشاہ صاحب سے فرمایا۔ رحیم صاحب میاں آپ وقتاً فوقتاً آیا کرو آپ اپنے باوا سے بہت مشابہ ہیں۔ آپ کو دیکھنے سے سکون ہوتا ہے"۔

آخری زمانہ میں جب حج و زیارت کی غرض سے حاضر حرمین ہوئیں تو وہاں حضرت کے فرزند محمد پاشا صاحب کو ماں کی خدمت کا بہت موقع ملا۔ جو خود بھی حج و زیارت کی غرض سے وہاں حاضر تھے مناسک حج کی ادائی میں ان کو ہر طرح سہولت بہم پہنچائی اور خوب دعائیں لیں۔

بعد انتقال مراسم تدفین کی سعادت ساری اولاد کو حاصل رہی۔ البتہ موصوفہ کے بطنی دو بڑے صاحبزادے پاکستان منتقل ہونے کے سبب تدفین میں شرکت نہ کرسکے۔ ●

حضرت کی پوری اولاد میں جو تین بیویوں سے ہوئی باہم سوتیلے پن کا احساس مطلقاً نہ تھا۔ ہر ایک کے دل و دماغ پر حضرت ہی ہر وقت چھائے رہے۔

حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ بادشاہ بیگم صاحبہ کے بطنی تین صاحبزادوں اور ایک صاحبزادی اور حضرت کی دوسری زوجہ محترمہ کے بطنی دو صاحبزادوں کی شادیاں اور خود محترمہ کی اپنی چار لڑکیوں اور دو صاحبزادوں کی شادیاں حضرت کی سرپرستی میں محترمہ کے ہاتھوں انجام پائیں۔ البتہ چھوٹے صاحبزادے (حضرت غوث پاشا صاحب) کی شادی حضرت کے وصال کے بعد خود محترمہ کی سرپرستی میں ہوئی۔

تین پوتوں، چھ پوتیوں، پانچ نواسوں اور دو نواسیوں کی شادیاں حضرت کی سرپرستی میں محترمہ کے ہاتھوں انجام پائیں۔ خود میری شادی میں جو حضرت عبدالرحیم صاحب قبلہ کی منجھلی صاحبزادی سکینہ بیگم صاحبہ سے ہوئی نواسے کو اپنے گھر میں رکھا اور پوتری اور نواس بہو کو ان کے نانا کے گھر سے بیاہ کر اپنے گھر لائیں چونکہ میری والدہ میری شادی سے بہت پہلے گذر چکی تھیں۔ حضرت نے ولیمہ کا خرچ خود برداشت فرمایا۔ موصوفہ نے پوری مسرت کے ساتھ سارے انتظامات کئے۔

● حضرت ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی اور حضرت مولوی احمد عبدالشکور صدیقی صاحبان۔

حضرت کے وصال فرما جانے کے بعد سات (۷) پوتوں دو (۲) پوتیوں اور دو (۲) نواسیوں کی شادیاں محترمہ کی سرپرستی میں ہوئیں۔ اپنے نواسے میرے پانچویں بھائی مصطفےٰ پاشا کو ان کی شادی کے موقع پر اپنے گھر رکھا۔ گھر پر نوبت بٹھائی اور بڑے اہتمام سے شادی کی تقریب انجام دی۔ نواس بہو جو بڑی پوتری عائشہ بیگم صاحبہ کی بڑی صاحبزادی (خدیجہ بیگم) ہیں بیاہ کر گھر لائیں اور نہایت مسرور ہوئیں۔

اس طرح حضرت کی آل و اولاد کی جملہ بتیس شادیاں محترمہ کے ہاتھ پر ہوئیں۔

رابعہ بیگم صاحبہ کے بطن سے حضرت کو چودہ بچے ہوئے جن میں سے بعض کمسن فوت ہوئے اور بعض کچھ عمر پانے کے بعد۔ البتہ ایک صاحبزادی آمنہ بیگم صاحبہ نے عین جوانی میں انتقال کیا۔ چودہ میں سے صرف تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں موجود ہیں۔ اور سوائے بڑی صاحبزادی فاطمہ بیگم صاحبہ کے باقی سب صاحبِ اولاد ہیں۔

حج و زیارت اور انتقال عمر کے آخری حصے میں حضرت کے وصال کے بعد فریضۂ حج ادا کیا اور حج سے واپس آنے کے ایک ہفتہ بعد وصال فرمایا۔ اور صدیق گلشن بارگاہ حضرت عبدالقدیر میں مدفون ہیں۔

حضرت کے ساتھ اگر کسی کی یاد سب کے دلوں میں آج بھی باقی ہے تو وہ حضرت رابعہ بیگم صاحبہ ہی کی ہے۔

اولاد و احفاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ

۸ ۔ ملازمت و وظیفہ حسنِ خدمت

مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد پر حضرت کا ابتدائی تقرر بیافت ۳۵ روپیہ عمل میں آیا ۔ ترقی ہوتی گئی ۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو ۵۰۰ روپیہ تنخواہ ملنے لگی ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۳۰۰ تا ۶۰۰ کا گریڈ ملا بعد میں کلیہ جامعہ عثمانیہ میں بحیثیت پروفیسر و صدر شعبۂ دینیات وظیفہ حسنِ خدمت پانے تک کارگذار رہے اور ایک ہزار روپئے ماہوار برسوں پاتے رہے ۔

دارالعلوم کا وہ زمانہ جس میں حضرت بحیثیت طالب علم حصولِ علم میں مشغول تھے یا وہ زمانہ جس میں حضرت بحیثیت استاد تشنگانِ علم کی سیرابی فرما رہے تھے دارالعلوم کی تاریخ کا نہایت زرین دور ہے ۔ اور یہ ۱۶ سال کا قلیل عرصہ ہے جس عرصہ میں سینکڑوں طلباء نے جامعہ پنجاب کے مشرقی اعلیٰ امتحانات میں کامیابی حاصل کی ۔ ملازمت ، وکالت ، صحافت ، شاعری ، مضمون نگاری ، خدمت ملک غرض جس شعبہ میں بھی یہ لوگ گئے انہوں نے اپنا سکہ بٹھایا اور اپنا اثر چھوڑا ۔ ان لوگوں کے علمی اور عملی کارنامے مملکتِ آصفیہ کی ترقی کے اساس اور پیش خیمہ ثابت ہوئے ۔ اس دور سے پہلے دارالعلوم پر سے دو دور گذر چکے تھے ۔

پہلا دور اس کے قیام ۱۲۷۲ ھ م ۱۸۵۶ء تا ۱۳۰۰ ھ م ۱۸۸۳ء کا دور ہے جس میں اسناد تعلیم پر مدار المہام کے دستخط ہوا کرتے تھے ۔ اور بعد کامیابی ملازمت مل جاتی تھی ۔ یہ طلباء اس دور کے فارغ التحصیل شمار ہوتے تھے ۔ اور ان کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی ۔ بعد میں نصاب تعلیم میں اضافہ کیا گیا ۔ اور چھ سالہ تعلیم کردی گئی ۔

دار العلوم کا دوسرا دور ۱۳۰۱ ھ م ۱۸۸۳ء تا ۱۳۰۷ ھ م ۱۸۹۰ء کا دار العلوم کے انحطاط کا دور ہے ۔ جس میں ملک میں سرسید مرحوم کی تحریک کے زیر اثر انگریزی تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی انقلابی تحریک شروع ہوئی ۔

دار العلوم کا تیسرا دور ۱۳۰۸ ھ م ۱۸۹۱ء تا ۱۳۲۴ ھ م ۱۹۰۷ء تک کا دور ہے جس میں دارالعلوم کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ہوگیا تھا ۔ یہی وہ دور ہے جس میں حضرت بحیثیت طالب علم بھی دار العلوم سے متعلق رہے اور ختم تعلیم کے بعد بحیثیت استاد بھی ۔ اس زمانہ میں شمس العلماء سید محمد سعید صاحب صدر مہتمم دار العلوم تھے ۔ جب موصوف چند سالہ ملازمت کے بعد وظیفہ لے کر حرمین شریفین چلے گئے تو ان کی جگہ مولوی الٰہی بخش صاحب کو مامور کیا گیا ۔ جو دارالعلوم کے کارگذار صدر مدرس تھے ۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب حضرت کے تعلق سے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :۔

" راقم الحروف ۱۳۲۸ ھ م ۱۹۱۰ء میں مدرسہ دارالعلوم کی وسطانی جماعت میں شریک ہوا تھا ۔ اس وقت سے مولانا صدیقی سے واقف ہوا ۔ اساتذہ میں اکثر ایسے تھے جو خاص خاص شعبوں میں مہارت رکھتے تھے ۔ مثلاً مولانا نادر الدین فلسفہ و کلام کا درس دیتے ۔ مولوی حبیب الرحمٰن حدیث پڑھاتے ۔ مولوی محمد عباس فارسی کی اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے ۔ مولوی سید شاہ مصطفےٰ قادری فقہ و اصول فقہ وغیرہ کا درس دیا کرتے مگر مولانا عبدالقدیر صدیقی ہر فن مولا کی حیثیت رکھتے تھے ۔ آپ تفسیر و حدیث کی تعلیم دیتے تو اس کے ساتھ ساتھ فقہ اور اصولِ فقہ کا درس بھی دیتے تھے ۔ منطق ، فلسفہ اور کلام پڑھاتے تو شعر اور ادب بھی آپ سے متعلق ہوتا تھا ۔ غرض تمام اساتذہ میں صرف

مولانا صدیقی کی ذات والا صفات ہی ایسی تھی جو جماعت ہائے فاضل اور کامل کے تمام شعبوں کا درس دیا کرتے۔

حضرت کی عمر میں ایک دن ایک رات بھی ایسی نظر نہیں آتی جس کو آپ نے غیر ضروری باتوں میں صرف کیا اور مفید مشاغل اور حصول علم میں منہمک نہ رہے ہوں یہی وجہ ہے کہ حضرت نے حصولِ علم میں جو مدت صرف کی وہ اس مدت سے زیادہ ہے جو عام طور پر دوسرے علماء نے حصولِ علم میں لگائی ہے۔ اسی لئے کم عمری ہی میں حضرت کو اپنے ممتاز اساتذہ کی صف میں بحیثیت مجرّ عالم شامل ہونے اور ان کے ساتھ زمرہ اساتذہ میں کام کرنے کا موقع بھی الحمدللہ حاصل ہوا۔

۱۳۲۴ھ م ۱۹۰۷ء سے دارالعلوم کا چوتھا دور شروع ہوتا ہے کہ دارالعلوم کے عین بہار کے دور میں لارڈ کرزن وائسرائے کے نافذ کردہ قانون جامعات برطانوی ہند کی بناء پر جامعہ پنجاب نے دارالعلوم حیدرآباد سے اپنے امتحانات عربی و فارسی کا ایسے وقت (۱۹۰۷ء) انقطاع کیا جب کہ طلباء تیاری امتحان میں مصروف و منہمک تھے۔ برطانوی حکومت کا اس سے مقصود یہ تھا کہ خود جامعہ مدراس ایسے امتحانات کا سلسلہ قائم کرے اور انگریزی عربی و فارسی سب ہی امتحانات دارالعلوم حیدرآباد پر جامعہ مدراس کو عمل و دخل حاصل ہو۔ مگر جامعہ مدراس سے اس کے انتظام میں دیر ہوئی اور جامعہ پنجاب نے عجلت سے انقطاع کی قطعی اطلاع دے دی۔ اس پر ممالک محروسہ کے ان تمام مدارس میں کھلبلی پیدا ہوگئی جہاں عربی و فارسی تعلیم ہوتی تھی۔ اس موقع پر ڈاکٹر ارگوناتھ فوراً میدان عمل میں آگئے اور انھوں نے ایک پرائیوٹ اکاڈیمی کے طور پر امتحانات کو "انجمن معیار العلوم" کے ذریعہ سے لئے جانے کا اعلان کردیا۔ اس میں متعدد طلباء شریک ہوئے۔ امتحانات مستند علماء کے ذریعہ لئے گئے پھر ڈاکٹر صاحب نے سرکار دولت آصفیہ سے اس اکاڈیمی کی سرپرستی کی استدعا کی۔

نواب فخر الملک نے تجویز کی کہ خود سرکاری طور پر ایسے امتحانات کا انتظام ہونا چاہئیے۔ بیرونی جامعات کی طرح غیر سرکاری طور پر ایسے امتحانات کا انتظام ہونا چاہئیے بیرونی جامعات کی طرح غیر سرکاری انجمن کی بھی ضرورت نہیں۔ اس سے قبل بھی نواب فخر الملک متعدد بار حیدرآباد کے لئے یونیورسٹی کی ضرورت کے مسئلہ کو پیش کرچکے تھے۔ اس مرتبہ مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت مدار المہام نے اس سے اتفاق کرلیا۔ قواعد و ضوابط نافذ کرکے امتحانات ابتداءً جامعہ پنجاب ہی کے نصاب و قواعد کے مطابق شروع کئے گئے۔

اس اثناء میں مولوی عزیز مرزا معتمد عدالت ہوگئے۔ مولانا صفی الدین ان کے مددگار صیغہ تعلیمات تھے۔ محمد اکبر حیدری معتمد فینانس تھے۔ ان سب کو دارالعلوم اور علوم مشرقیہ سے ہمدردی تھی چنانچہ اب یہ تحریک معتمد عدالت و امور عامہ سرکار عالی نے منظور فرمائی کہ ضروریات ملک و قوم کے مدنظر سلسلہ نصاب میں مناسب ترمیم کرکے ضابطہ امتحان بنایا جائے اور مدرسہ دارالعلوم کی تنظیم جدید کے لئے ایک اسکیم بنائی جائے جس کے لئے مولانا شبلی نعمانی کو طلب کیا جائے اور ان سے یادداشت مرتب کرائی جائے پھر اعلیٰ حکام اور علماء ملک کی ایک کمیٹی اس پر غور کرے۔ چنانچہ ایک کمیٹی نواب فخر الملک کی صدارت میں قائم ہوئی اور مولانا انوار اللہ خان فضیلت جنگ، مولوی سید محمد یوسف الدین اور محمد اکبر حیدری اور صدر مہتمم دارالعلوم مولانا سید نادر الدین اور مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی اس کمیٹی میں شامل کئے گئے۔

مولانا شبلی نے مختلف مرحلوں کے بعد ایک تجویز پیش کی جس میں ان کی کمیٹی کے دیگر ارکان مولانا یوسف الدین، مولانا عبدالقدیر، مولانا نادر الدین اور مولانا الٰہی بخش کی تجاویز اور یادداشتوں کو شامل کیا اور طبع کروا دیا۔ جس کو بعد میں نواب عماد الملک اور شمس العلماء سید علی بلگرامی کی موجودگی میں مناسب اصلاح کے ساتھ منظور کرلیا گیا۔

اس اثنا میں نواب میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ ہفتم کے علم پرور دور کا آغاز ہوا ۔ وزارت پر نواب سالار جنگ ثالث اور ان کے مشیر خاص نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی مقرر ہوئے اور سررشتہ امور مذہبی مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ کے تفویض ہوا ۔ اور نظامت تعلیمات پر ڈاکٹر الالطیفی مامور ہوئے تو مولانا شبلی کو پھر حیدرآباد میں تعلیمی اسکیم پر رائے دینے طلب کیا گیا ۔

۔ مولانا شبلی نعمانی صاحب جس وقت نصاب کی تدوین کے ضمن میں حیدرآباد تشریف لائے تھے ۔ ان کے ساتھ عبدالحلیم شرر بھی تھے ۔ کمیٹیوں میں حضرت کی شبلی صاحب سے بڑی رد و قدح رہتی ۔ شرر تو ایک دو جملوں میں چپ رہتے البتہ شبلی صاحب بڑی رد و قدح فرماتے بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچتے جو حضرت کا مدعا رہتا ۔ اجلاسوں میں کبھی وہ وقت سے پہلے پہنچ جاتے تو کہتے کہ کہاں ہیں وہ جواں سال مولوی صاحب جو علوم پر بڑی اچھی نظر رکھتے ہیں ۔ جب کمیٹی کی رائے اور نصاب تعلیم حکومت کے سامنے پیش کیا گیا تو اس میں نصاب کا بڑا حصہ وہ تھا جس کو حضرت نے پیش کیا تھا ۔

ڈاکٹر الالطیفی کے نظامت تعلیمات پر مامور ہونے کے بعد دار العلوم کی ترقی کی طرف توجہ بڑھ گئی ۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم ایک پروفیسر سائنس کا تقرر تھا ۔ اور بابو امرت لال سیل کے باعث کئی جماعتوں میں سائنس کی تعلیم اردو میں ہونے لگی ۔ ساتھ ہی مولوی الٰہی بخش کو وظیفہ ہوگیا ۔ اور صدارت دار العلوم پر مولوی حمید الدین فراہی بی ۔ اے مامور ہوئے جو مولانا شبلی کے قریبی رشتہ دار تھے ۔ الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر عربی ہونے کے علاوہ عام علمی شہرت بھی رکھتے تھے ۔

اسی زمانہ میں ۱۳۳۲ ہجری میں طلبہ کی انجمن ثمرۃ الادب کا احیاء ہوا جو ۱۳۱۱ ھ میں قائم کی گئی تھی ۔ جس کے بانی مولانا عبدالقدیر تھے ۔ اور آپ کے شرکائے کار مولوی اکبر علی مدیر صحیفہ مولوی مرزا محمد بیگ ، مولوی عبدالباسط (سابق ناظم عدالت) مولوی غلام حسین صاحب (ناظم عدالت) مولوی حافظ محمد مظہر ، مولوی حبیب الزماں خاں ، رائے کیشو پرشاد (از خاندان راجہ شیوراج بہادر) وغیرہ تھے ۔

اس کے مقاصد توسیع معلومات ، مطالعہ اخبارات و کتب ، مشق تقریر ، تہذیب اخلاق ، اتفاق و اتحاد طلباء تھے ۔ چنانچہ اس انجمن کے زیر اہتمام ہفتہ وار تقریریں ہوتیں ، اخبارات و رسائل آتے اور کتابیں فراہم کی جاتیں ۔ دائرۃ المعارف نے بھی اس انجمن کو اپنی کتابیں دی تھیں ۔ مولوی رضی الدین کیفی بھی اس انجمن کے سرگرم کارکن تھے ۔ اس انجمن کا پہلا سالانہ جلسہ ملا عبدالقیوم کی صدارت میں ہوا ۔

انجمن کے ایک جلسہ کی صدارت معتمد تعلیمات مولوی عزیز مرزا نے بھی کی تھی ۔ جس میں محمد اکبر حیدری ، بخشی رگوناتھ وغیرہ معزز عہدہ دار بھی شریک ہوئے تھے ۔ دارالعلوم کے قدیم طلباء بھی جمع ہوئے تھے ۔ اور گروپ فوٹو بھی لیا گیا تھا ۔

جب خود مدرسہ میں اضمحلال پیدا ہوا تو انجمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی ۔

۱۳۳۲ ھ میں انجمن ثمرۃ الادب کا دوبارہ احیاء ہوا اور دار العلوم کی ساٹھ سالہ سالگرہ منائی گئی جو دار العلوم کے قدیم دور کا شاندار کارنامہ اور جامعہ عثمانیہ کی بنیاد کا آغاز تھا ۔ ●

● ماخوذ از تذکرہ دارالعلوم مولفہ مولوی نصیر الدین ہاشمی ۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام میں سرگرم کوشش کرنے والوں میں نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی ، مسٹر گلانسی صدر المہام فینانس ، سر راس مسعود صاحب ناظم تعلیمات ، مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو و ناظم الترجمہ ، تھے ۔ اور بعد کو مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور امور مذہبی ۔ لیکن مستقل اور علمی تعلق ابتداء سے سر اکبر حیدری کا رہا ۔ جامعہ عثمانیہ اعلیحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خان آصفجاہ ہفتم کی فیاضانہ علم پروری کی شاندار یادگار ہے ۔ جب یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو حضرت وظیفہ حسن خدمت پانے تک بحیثیت پروفیسر شعبۂ دینیات و صدر شعبہ کارگذار رہے ۔

زمانہ ملازمت میں کبھی رخصت بیماری یا رخصت خاص نہیں لی ۔ گیارہ سال توسیع پانے کے بعد ۱۹۳۲ء میں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے ۔ حضرت نے عثمانیہ یونیورسٹی کی ہر جہتی ترقی سے دلچسپی لی ۔ حضرت کی ذات بابرکات سے شعبۂ دینیات کی کرسی صدارت ہی نہیں بلکہ عثمانیہ یونیورسٹی بھی زینت پاتی رہی ۔ حضرت کو تاحیات ۵۰۰ پانچ سو روپیہ وظیفہ ملتا رہا ۔

وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہونے کے بعد حضرت نے ۹۴ سال کی عمر تک درس و تدریس کا سلسلہ گھر پر جاری رکھا ۔

۹۔ سفرِ حج و زیارت

حضرت یکم رمضان ۱۳۴۵ھ م ۶۔ مارچ ۱۹۲۷ء روز یکشنبہ شب دوشنبہ کو حیدرآباد سے راہی بمبئی ہوئے اور ۲۹۔ ذالحجہ ۱۳۴۵ھ م ۳۰۔ جون ۱۹۲۷ء بعد فراغتِ حج و زیارت گھر لوٹ آئے۔ چار ماہ کے عرصہ میں بغداد، عراق، شام، فلسطین اور حجاز کا سفر فرمایا۔ حضرت اور آپ کے رفقاء کا قیام بغدادِ شریف اور ملحقاتِ شریفہ میں دو ہفتے، دمشق میں ایک ہفتہ، بیت المقدس میں ایک ہفتہ، مدینہ منورہ میں تین ہفتے، مکہ معظمہ میں دو ہفتے، غرض ہر مقام پر مختصر سی مگر سفر کا اعتبار کرتے کافی قیام رہا۔ حضرت نے سفرنامہ لکھا ہے جو کافی طویل ہے جس سے ضروری اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں، یہ سفرنامہ رسالہ النور میں بالاقساط طبع ہوا ہے۔ جو نایاب ہے۔

حضرت کے رفقاء سفر حسب ذیل تھے۔

۱۔ پروفیسر محمد الیاس برنی ۲۔ کرنل حبیب علی قادری ۳۔ حافظ سید لطف احمد مددگار ناظم طبابت اس طرح یہ چار درویش کا قافلہ روانہ ہوا۔ حضرت نے اپنا امیر سفر پروفیسر الیاس برنی صاحب کو بنایا تھا۔

کرنل حبیب علی صاحب اپنے سفرنامہ "سفرنامہ مقامات صدق و صفا" میں لکھتے ہیں۔

حضرت قبلہ نے تقسیم کاریوں فرمایا تھا "۱۔ امیر قافلہ الیاس برنی صاحب۔ ۲۔ حبیب علی صاحب کھانا پکانے والے ۳۔ حافظ سید لطف احمد صاحب ان کے مددگار (ہم دونوں کا نام حضرت نے "اولی النعمہ" رکھا تھا) ۴۔ فقیر (خود حضرت قبلہ) سے کیا ہوسکتا ہے سامان کی نگرانی اور دعا کرتے بیٹھنا۔

کرنل صاحب اپنے سفرنامہ میں "روانگی از حیدرآباد تا بمبئی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"شہر کے اکثر مشائخین علماء، عمائدین، عہدہ دار بھی اس قافلہ کو وداع کرنے اسٹیشن پر پہنچے۔ جب میں حضرت یحییٰ پاشا قبلہ قدس سرہ سے قدم بوسی کے لئے بڑھا تو آپ نے گلے سے لگالیا۔ اس وقت میں بے ساختہ رو رہا تھا تو پاشا قبلہ نے فرمایا "حبیب تم بڑے خوش نصیب ہو کہ عالم شباب ہی میں تمہاری یاد دربار رسالت سے ہوئی تمہیں تو خوش ہونا چاہئیے۔ رونا ان کو چاہئیے جن کی ابھی یاد نہیں ہوئی"۔

اقتباساتِ سفرنامہ

۲/ رمضان کو ۱۰ بجے شب بمبئی پہنچے۔ وکٹوریہ کرایہ پر لی گئی اور مسافرخانہ صابو صدیق میں اترے۔ ماہ رمضان کے پہلے جمعہ کو نکلنے کا ارادہ تھا مگر میل (Mail) کے جہاز کو سرکار نے اپنی فوجی ضرورتوں کے لئے کرایہ سے لیا تھا۔ مجبوراً ایک ہفتہ اور بمبئی میں رہنا قبول کیا گیا۔ اس اثناء میں مختلف محلے دیکھے۔ سمندر میں شیخ مہائی (المعروف حاجی علی) صاحبِ تفسیر کی درگاہ ہے۔ صاحب قبر، بزرگ اور صاحب برکت معلوم ہوتے تھے۔

سفر بغداد شریف و ملحقاتِ شریفہ

جمعہ کے دن ۱۰ بجے کے بعد جہاز پر سوار ہوئے، دو ہزار ٹن کا جہاز تھا۔ "وریلا" نام تھا۔ ہم کو پچھلے عرشہ یعنی ڈک پر بہت آرام کی جگہ ملی۔ پہلے روز تو بغرض امتحان روزہ نہ تھے۔ پھر برابر روزہ رکھتے آئے۔ اتوار کو کراچی میں اتارے گئے۔ بستروں کو بھپارہ دیا گیا۔

چہار شنبہ کو دس بجے بصرہ پہنچے۔ محصول خانہ سے فراغت کے بعد سباراؤ نامی ایک ہندوستانی ہندو نے جو ریل کا عہدہ دار تھا

ہمارے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا ۔ آرام دہ ڈبہ میں لے جاکر بٹھایا ۔ ریل مکینہ اسٹیشن پر ٹھہر گئی رات پر وہیں رہے گھڑی میں حیدر آباد سے تین گھنٹوں کا فرق ہوگیا تھا ۔ مکینہ سے بغداد جانے والے الگ ڈبوں میں بٹھائے گئے اور کربلا جانے والے الگ ڈبوں میں ۔

دربارِ غوثیہ شنبہ کی صبح کو بفضلہ ہم بغداد شریف پہنچے ۔ یہاں چند دلال ہیں جو زائرین کو بہت گھیرتے ہیں ۔ لیکن بفضلہ ہم پر کسی کا قابو نہ چل سکا ۔ ہم نے پہلے سید احمد شرف الدین کلید بردار صاحب سے ملاقات کی ۔ فقیر ہیں ۔ فقیر بے نفس مقدس عالم ، رات دن کنجی لئے دروازہ حجرہ مبارک پر بیٹھے رہتے ہیں ۔ حجرہ ہمیشہ بند رہتا ہے ۔ ہر نماز کے وقت کھلتا ہے ۔ دربار غوثیہ میں حاضر ہوئے تو دل سرور سے ، آنکھیں نور سے بھر گئیں ۔

یہ منقبت سنائی ۔

سرورِ دلِ مصطفیٰ غوث اعظم　　تجلیٔ نورِ خدا غوثِ اعظم
ہیں زیرِ قدم تیرے سر اولیاء کے　　ہے اعلیٰ ترا مرتبہ غوثِ اعظم
تم اچھے ہو اللہ کے ہو پیارے　　میں اچھا نہیں ہوں تو کیا غوث اعظم
بھلوں کی تو ہوتی ہے ساری خدائی　　برے کو بھلا کیجے یا غوثِ اعظم
کہاں چھوڑتے ہیں گنہگار دامن　　کہ وابستہ تیرے ہیں یا غوثِ اعظم
اغثنی اغثنی اغثنی اغثنی　　مدد اپنے خادم کی یا غوثِ اعظم
خبر بھی ہے کچھ حسرتِ بے نوا کی
کہ کیا حال اس کا ہے یا غوثِ اعظم

اور عربی غزل

الا ان قلبی فی قیود الهوی عان　　ولوعة وجد قد اضرت بجثمانی
وعینی تجری بالدموع صبابة　　واحشائی ملای من توقد نیران
ولی زفرات قد علت ذروة السما　　بهجر جمیل الخلق والخلق ذی الشان
جمیل الحیاو السجایا وقدوة ال　　برایا حبیب الله صفوة رحمان
غیاث و غوث للانام و امنهم　　امام الوری شمس الهدی فخر عدنان
له قدم تعلوا الروس وعزة　　لها تنحنی اعناق حن و انسان
بالف تباع البیض منه وفرخه　　علاقدده من ان یسام باثمان
لوانکشف بالشرق عورة خادم　　وبالغرب مولانا لغطی بغفران
ولا باس ان کانت فعالی قبیحة　　فان مرادی جید اهل احسان
اغث یا صفی الله یا عبد قادر　　فانی اسیر فی سلاسل عصیانی
اغث یا ولی الله یا ابن محمد　　شفیع الوری فی یوم فوز و حرملن
فکن موئلی من شر نفسی وزیغها　　وکن لی حرزا من مکائد شیطان
علیک صلوٰة الله ثم سلامه　　الی ان تشذی الزهو فی روض بستان

مسجد مبارک نہایت عالیشان ہے ۔ مسجد کا گنبد بہت بڑا ہے ۔ مزار مبارک کا گنبد چینی کا کام کیا ہوا ہے ۔ داخلی مسجد میں چار حصے ہیں ۔ شافعی مصلی ۔ مصلی حنفی جس پر بڑا گنبد ہے ۔ ایک کے بازو ایک حجرہ میں پہنچنے کے بعد قبلہ رو ایک دروازہ ملتا ہے جو حجرہ مبارک میں کھلتا ہے ۔ قبر مبارک کے اطراف چاندی کی جالی ہے ۔ بیچ میں صندوق مبارک ہے جس پر سبز مخمل کا کارچوبی کام کیا ہوا غلاف ہے ۔

شہر بغداد کے دو حصے ہیں ۔ بغداد شریف اور بغداد ۔ بغداد شریف میں حضرت غوث الاعظم اور امام غزالی و شیخ شہاب الدین سہروردی کی قبور متبرکہ ہیں ۔ (سفرنامہ کی عبارت ختم)

ایک مرتبہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے تعلق سے اور طریقہ عالیہ سہروردیہ کی تعلیم کے متعلق حضرت سے پوچھا تو فرمایا " ان کا کیا حساب کتاب ہے ، کیا معاملہ ہے مجھ پر نہیں کھلا ، ۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا " سارے سادات مجھ پر کھلے ، جزئیات میں نہ معلوم کیا بات ہے شیخ شہاب الدین سہروردی نے میری طرف توجہ نہیں کی " ۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

کاظمین شریفین

یکشنبہ کے روز کاظمین شریفین چلے ۔ درگاہ شریف نہایت عمدہ ہے ۔ مطلا گنبد ہے ۔ احاطہ بہت بڑا ہے ۔ دیواروں پر چینی کا کام ہے آیات قرآنی اور احادیث لکھے ہوئے ہیں ۔ جاتے ہی عجب حالت طاری ہوجاتی ہے ۔ یہاں ایک ہی روضہ میں حضرت امام موسیٰ الکاظم اور حضرت امام محمد تقی علیہما السلام کی مزاریں ہیں ۔ محسوس ہوا ائمہ کی الفت عظمت خاص رکھتی ہے ۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

ایک مرتبہ ائمہ کا تذکرہ تھا حضرت نے فرمایا " میری عادت تھی روزانہ بارہ اماموں کی فاتحہ دیا کرتا ۔ ایک مرتبہ دیکھا ایک صاحب نظر آنے لگے ۔ بغدادی وضع سبز رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے ، مٹنے کا نام نہیں ۔ ہمارے حضرت (یعنی حضرت کے مرشد خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ) کو پکارا تشریف لائے اور سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے ۔ میں اتنا سمجھ گیا کہ ضرور کوئی بڑی ہستی ہے یا تو پیغمبروں میں سے ہیں یا اولیاء میں سے ۔ حسب عادت فاتحہ دینے لگا جب حضرت امام علی تقی کے نام پر پہنچا تو حضرت نے مسکرا دیا ۔ میں نے عرض کیا " حضرت آپ ہیں " فرمایا " تمہاری ایک شکل ہمارے ساتھ کردو ہم بھی تربیت کریں گے " ۔ میں نے عرض کیا " میری شکل ہی کیا میں خود حاضر ہوں " ۔ ایک شکل امام کے ساتھ ہوگئی ۔ حج میں دوبارہ نظر آئے وہ شکل بھی ساتھ تھی ، نہایت منور آفتاب کے جیسی ، نگاہ نہیں ٹھہر سکتی ۔ انشاء اللہ وہ شکل کل قیامت میں اللہ کے سامنے ساتھ لے جاؤں گا ۔

(عبارت سفر نامہ شروع) کاظمین شریفین کے قریب پل کے دوسرے جانب حضرت امام اعظم کا مزار ہے ۔ چینی کا گنبد ، عالی شان مسجد ہے ۔ دیواروں پر آیات قرآنی و احادیث لکھے ہوئے ہیں ۔ مسجد کے احاطہ میں ایک مدرسہ ہے طلباء باقاعدہ یونیفارم میں نظر آئے ۔ حضرت کی زیارت کی گئی نسبت میں نہایت متانت اور سنجیدگی محسوس ہوئی (عبارت سفرنامہ ختم)

ایک مرتبہ امام اعظم کا تذکرہ تھا ، فرمایا " عالم باعمل ، زاہد ، عابد ، امام علوم شرعیہ تھے ۔ مبالغہ کرنے والے کے مبالغہ اور تعریف کرنے والے کی تعریف سے زیادہ بزرگ تھے " ۔

(عبارت سفرنامہ شروع) بغداد شریف میں حضرت امام غزالی کی زیارت کی گئی افسوس اہل بغداد نے اس حجۃ الاسلام کی کوئی قدر نہیں کی۔ ظاہری کروفر کا وہاں نام و نشان نہیں۔ بالکل معمولی چوکھنڈی میں جس پر چھت تک نہیں اور جس کا دروازہ تک شکستہ ہے اسلام کا وکیل، دین کا رکن آرام فرما ہے۔

کربلائے معلی

دوشنبہ کی صبح کی ریل میں راہی کربلا ہوئے ـــــ کربلائے معلی میں عجیب حالت ہے۔ کوئی مسجد میں پڑا ہوا ہے۔ کوئی زمین پر پڑا ہوا ہے۔ کوئی دوسرے کو پھلانگ رہا ہے، کھندل جاتا ہے اور پروا نہیں، جو کھندلا جاتا ہے اس کو بھی کوئی خیال نہیں۔ نماز پڑھنے والے نماز پڑھ رہے ہیں سامنے سے گذرنے والے سامنے سے گذر رہے ہیں۔ عورتیں مرد، شیعہ سنی ایک جوش میں ہیں اور کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ ایک شخص دعا کر رہا ہے ایک سلام پڑھوا رہا ہے۔ ایک شخص کو دو سو عورتیں گھیری ہوئی ہیں اور وہ شہادت کا ذکر کر رہا ہے۔ یا دعائیں پڑھواتا ہے۔ عاشقانِ حسین جالی کو چمٹے ہوئے معروضات کر رہے ہیں، عمامے، چادر، کفن کے لئے جالی مبارک کے ہر گوشہ میں ملتے ہیں۔ روتے چیختے زمین پر پٹکیاں کھانے والوں کی گنتی ہی نہیں۔ جزوِ رسول ہیں۔ جگر گوشہ بتول ہیں، وہی رنگ ہے، وہی خوشبو ہے۔ دین یہاں ہے۔ ایمان یہاں ہے۔ ایسی مدہوشی کی حالت میں آپ کے غلام نے یہ غزل پڑھی جس نے سنا خوش ہوا۔ سنی ہو یا شیعہ یہی نقطہ ہے جہاں شیعہ سنی ایک ہو جاتے ہیں۔

ہمہ شاہاں ز غلامانِ حسین — قدسیاں حلقہ بگوشانِ حسین
سرورِ جملہ جوانانِ بہشت — مرحبا رتبہ ذی شانِ حسین
بوسہ می داد رسولِ مقبول — آفریں بر لب و دندانِ حسین
ہر یکے بوئے امامت دارد — وہ چہ گلہاست بہ بستانِ حسین
نیک و بد از درِ والا خوش کام — ہمہ عالم شدہ مہمانِ حسین
من چہ پروائے قیامت دارم — دستم و گوشۂ دامانِ حسین
پائے ہر دولتِ دنیا زدہ ام — کہ گدایم ز گدایانِ حسین
بو کہ محروم نہ کردم ہرگز — دست بکشادہ سوئے خوانِ حسین

سرِ من بادفدایش حسرت
دل و جانم ہمہ قربانِ حسین

سات جالیاں ہیں۔ ایک جالی میں حضرت علی اکبر اور عبداللہ الرضیع جن کو ہمارے یہاں کے لوگ علی اصغر کہتے ہیں۔ دوسری جالی میں حضرت قاسم کے ساتھ بہت سے شہداء ہیں۔ اور ایک جالی میں گنج شہیداں ہے۔ وہیں حضرت کا مقتل ہے۔ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ حُر شہید کی قبر کچھ دور پر ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر جانا پڑتا ہے۔ راستے میں بدو کے بچے صدا دیتے ہیں یا حسین، یا علی، یا رسول اللہ، یا قرآن شریف، خاطر المظلوم، خاطر البتول۔ ان کے لئے پیسے بنائے تھے دیتے رہے۔ رات بھر کربلا میں سید ہاشم صاحب کے پاس رہے۔ کھانا، بچھونا ہر طرح کی آسائش تھی۔

نجفِ اشرف

صبح کو کربلا سے فورڈ موٹرلی اور نجفِ اشرف روانہ ہوگئے ۔ چہارشنبہ کو نجف اشرف میں حاضری ہوئی ۔ گنبد مبارک عالیشان ہے ۔ اندر باہر سونا ہے ۔ آئینہ کا کام ہے ۔ یہ سونا نادر شاہ نے چڑھایا ہے ۔ گنبد کے اندر ایک ڈبہ میں اس کے چڑھائے ہوئے جواہرات بھی ہیں ۔ ناصرالدین قاچار کا تاج بھی ایک ڈبہ میں ہے ۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ساتھ آدم و نوح علیہما السلام بھی ہیں ۔ اس دربار کا کیا کہنا میں تو مدہوش تھا ۔ الیاس برنی صاحب اور حبیب علی صاحب میرے بازو پکڑے ہوئے تھے ۔ عجب کیف تھا نہ سر کی خبر نہ پیر کی ۔

میں نے مواجہ شریف میں یہ غزل سنائی :

دلِ من رہنِ تمنائے علی — سرم آشفتہ سودائے علی
اے قبائے شرفِ عز و علا — چست بر قامتِ رعنائے علی
ہمچو موجے کہ سرِ بحر بود — بود بر دوشِ نبی جائے علی
سُرمہ در دیدہ مشتاق کنم — یا بم از خاکِ کفِ پائے علی
اے ادب دامنِ شوقم بگذار — تا بنہفتم بہ سرِ پائے علی
اے خوشا بخت کہ روزے برسد — سرِ سودا زدہ بر پائے علی

حسرتا نازم و بر خود بالم
کہ منم بندہ ادنائے علی (عبارت سفرنامہ ختم)

حضرت مولیٰ کا تذکرہ تھا ۔ دورانِ تذکرہ فرمایا ۔ ایک مرتبہ آنکھ کی پتلی ترک گئی ۔ حسینی پاشا کا ہاتھ پکڑے ٹہل رہا تھا ۔ سخت تکلیف تھی ۔ اتنی تکلیف کہ بیان نہیں کرسکتا ۔ اس وقت یہ شعر لکھا :

درد تو لا علاج بن او شبِ غم دراز ہو ÷ میں رہوں اور بیکسی کوئی نہ چارہ ساز ہو

میں کیا دیکھتا تھا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں پاس بیٹھا ہوا ہوں ۔ اس وقت مجھے اپنے تمام مرشدوں سے ملنے کا خیال آیا سرکار سے عرض کیا ۔ ارشاد ہوا جاؤ دروازہ کھٹکھٹاؤ اور کہو السلام علیکم ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علیہ و سلم سب سے پہلے ہمارے حضرت کے گھر پر گیا کھٹکھٹایا اور عرض کیا السلام علیکم ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علینہ و سلم حضرت نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر فرمایا اھلا و سھلا حضرت مولیٰ کے گھر پر پہنچا اور کھٹکھٹایا اور عرض کیا السلام علیکم ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علیہ و سلم مولیٰ نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھتے ہی ڈانٹا ۔ کیا گھر گھر دھنڈلاتے پھر رہے ہو ۔ میں نے عرض کیا میں کہاں گیا اپنے ہی پیروں کے پاس ۔ فرمایا ۔ ہاں ہاں پیر سہی مگر تم اٹھے کہاں سے ؟ میں بٹھا کر آیا تھا ۔ تم وہاں سے اٹھے کیسا ؟ مولیٰ کے تعلق سے حضرت نے ارشاد فرمایا ۔ ارسلنی الیک النبی صلی اللہ علیہ و سلم سننے کے بعد ڈانٹا ، تربیت کرنا بے شک مولیٰ ہی کا کام ہے ۔

(عبارت سفرنامہ شروع) اسی دن کوفہ میں جانا پڑا ۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ کی ایک مسجد وہاں ہے ۔ چھت باقی نہیں چو دیواری رہ گئی ہے ۔ حضرت علیؑ کے زخمی ہونے کی جگہ وہیں ہے ۔ بعض مقامات اس مسجد میں ایسے ہیں کہ ائمہ نے وہاں نماز پڑھی ہے ۔

لوگ ان کو مصلائے فلاں فلاں کہتے ہیں ۔ عصر کی نماز کا وقت قریب الختم تھا ایک مصلے پر نماز پڑھ لی ۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ مصلی جناب مولیٰ کا تھا ۔ والحمد للہ ۔

کوفہ میں حضرت یونس علیہ السلام کی اور نجف اشرف میں ہود و صالح علیہما السلام کی قبریں بھی تھیں ۔ بے شک شان پیغمبری ہے ۔ بالکل بے رنگی اور عبدیت ہے ۔ سبحان اللّٰہ و بحمدہ ۔

پھر ایک لاری میں بیٹھے اور ڈھائی گھنٹوں میں کربلائے معلی پہنچے ۔ اور وہاں سے ہدایا خریدے ۔ واپسی کا ٹکٹ ساتھ تھا ہی دو بجے ریل میں بیٹھے پانچ بجے داخل بغداد شریف ہوگئے ۔

بغداد کو واپسی

بغداد شریف واپس ہونے کے بعد سید حسین صفاء الدین (ابن سید محمد زین العابدین صاحب مدفون حیدرآباد) نے دعوت دے کر خدمت عالی میں یاد فرمایا ۔ خدائے تعالیٰ نے حسنِ صورت و سیرت عطا کی ہے ۔ گلشن قادری کے گلاب کا پھول ہیں ——— آپ نے جو سنا کہ ہم سامرا جانے والے ہیں تو کمال مہربانی سے وہاں کے ایک عہدہ دار کے نام ایک رقعہ لکھ دیا ۔ بہر حال ایک معصومیت کی شان دیکھی گئی ۔

فقیر کے اہل خانہ نے خواب میں دیکھا تھا ، دستِ شریف حضرت غوث اعظمؒ پر بیعت کی ہے ۔ لہٰذا وہ حضرت نقیب صاحب کی مسلک ارادت میں منسلک ہونا چاہتی تھیں ۔ چونکہ حضرت پیر سید عبدالرحمٰن صاحب نقیب الاشراف مدظلہ بہت معمر اور ضعیف ہیں اور تمام کام حضرت پیر سید محمود حسام الدین صاحب مدظلہ ، انجام دیتے ہیں لہٰذا مجھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا ضرور تھا ۔ حسب قاعدہ حیدرآباد ایک اشرفی اور چار روپئے مع عریضہ کے عربی میں لکھ کر بھیجے گئے ۔ عریضہ دیکھ کر ہمارے نامہ بر سید احمد صاحب سے فرمایا "یہ شخص بڑا ادیب اور فاضل ہے میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں ۔ مغرب کے بعد فقیر کو ، پروفیسر برنی اور حبیب علی اور لطف احمد کو دستر خوان عالیشان پر یاد فرمایا ۔ ہم بھی درباری لباس عمامہ اور جبہ سے تیار ہوکر دربار عالی میں پہنچے ۔ ہر ایک کا نام اور عہدہ پوچھا ۔ مغرب کی نماز ہم نے حضرت ہی کے پیچھے پڑھی ۔ میز پر محمد علیشاہ کے فرزند مظہر الدین شاہ قاچاری بھی تھے ۔ آپ نے سابق شاہ ایران کو بائیں ہاتھ کی کرسی پر اور خادم نوازی سے فقیر کو سیدھے ہاتھ کی کرسی پر جگہ دی ۔ حضرت اور محمد علی شاہ کے ساتھ خوب گفتگو ہوئی ——— دستر خوان سے فارغ ہوکر محمد علی شاہ تو چلے گئے اور ملاقات کے کمرہ میں ہم سب حضرت کے ساتھ جا بیٹھے مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی ——— اہل خانہ کے شجرہ کے لئے یاد دہی کی تو فرمایا شجرہ جلد تیار کرو ۔ مگر اس میں یہ نہ لکھو کہ وہ بغداد میں حاضر ہوئی تھیں ۔ پھر مجھے فرمایا " میں تم کو اپنے خاندانی طریقہ کی اجازت دیتا ہوں اور تم کو اپنا وکیل بناتا ہوں کہ اپنی بیوی کو اپنی طرف سے کلمہ طیبہ کی تلقین کریں اور بیعت لیں ۔ اور فرمایا

اوصیکم وایاها بتقوی اللّٰہ و الصدق والعمل بهٰذه الایة الجامعة ان اللّٰہ یامرکم بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربیٰ وینهیٰ عن الفحشآء والمنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون ۔ پھر سلسلۃ الذهب یعنی بتوسط امام علی الرضیٰ و شیوخ طریقت خاندان علیہ قادریہ یہ حدیث روایت کی لا الہ الا اللّٰہ حصنی من قالها دخل فی حصنی ومن دخل فی حصنی امن من عذابی ۔ اس روایت کو سن کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دست و زانوں کو بوسہ دیا تو استغفر اللہ کہا ۔

نمازِ عید اور عنایاتِ خصوصی عید کے دن صبح کی نماز کے لئے مسجد بھر گئی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر سے تکبیر پڑھی جاتی تھی ادھر آفتاب عالمتاب طلوع ہوا اور نماز عید آغاز ہوگئی۔ یوسف افندی نے خطبہ پڑھا۔ آہستہ ضرورت سے زیادہ متانت سے۔ لوگ خطبہ سے فارغ ہوکر حاضر دربار خوشیہ ہوئے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے ــــــ (حضرت سید احمد شرف الدین) کلید بردار صاحب اخلاق کے پتلے، مجسم نیکی و محبت و اخلاق کی تصویر ہیں۔ تین دفعہ اپنے دستر خوان پر یاد فرمایا۔ جب ملتے بڑے خوش ہوتے۔ اکثر فرماتے "مولوی صاحب تم ہمارے جگر کا ٹکڑا (ٹکڑا) ہے۔ ہمارا محبوب ہے" سینے سے لگا لیتے ہیں، فرماتے ہیں "تم حضور کا مقبول فقیر کا محبوب ہے"۔ کبھی اردو میں کبھی عربی میں دعا دیتے۔ کسی نے بطور مناجات کے شجرہ لکھا تھا مگر غیر موزوں تھا۔ مجھے دکھایا کہ یہ غیر موزوں ہے میں نے ایک شجرہ مناجاتی نظم کردیا تو بہت خوش ہوئے۔ فرمایا "یہ تمہارا یادگار ہے۔ فقیر تم کو ہمیشہ یاد کرے گا" ہم حضرت کو دیکھتے خوش ہوتے۔ حضرت بھی ہم کو نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے فرماتے "ہم محبت کا بھوکا ہے"۔

یہاں عید یکشنبہ کو ہوئی۔ مغرب کے بعد ہم پیر سید حسین صفاء الدین صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے مگر پہلے حضرت نقیب صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو دن بھر کے تھکے ماندے تھے آرام فرما چکے تھے۔ دوسری بار عشاء کے بعد پھر حاضر ہوئے تو ملاقات سے مشرف فرمایا۔ بہت دیر تک گفتگو رہی۔

اس آستانہ کے لئے جیسے عالی مرتبت، قائم مقام کی ضرورت ہے، حضرت بس ویسے ہیں۔ تہنیت عید کے لئے امراء، عمائد، پارلیمنٹ کے ممبر اور حکام حاضر ہو رہے ہیں مگر سب کو پانچ پانچ منٹ میں رخصت ہونا پڑتا ہے۔ کوئی مصافحہ نہیں کرسکتا۔ دامن مبارک کو ہاتھ لگا نہیں سکتا۔ مگر ذرا حیدرآباد کے چار درویشوں کو دیکھو دو دو گھنٹے بیٹھے ہیں، بے تکلف گفتگو جاری ہے۔ تخاطب تو دیکھو ــــــ مجھ جیسے ادنیٰ غلام کو سیدی تک فرمادیتے ہیں۔ میں نے تہنیت عید میں چند شعر لکھے تھے الغرض تاج تحسین سے سرفراز فرمایا۔ ہر شعر پر اس کے لائق ریمارک کئے اسعدنی لذالک کہیں استغفر اللہ کہیں انا اعلم بحالی کہیں وفقنا اللہ کہیں آمین آمین۔ ــــــ بہر حال مجھے حضرت نقیب صاحب مدظلہ، میں کمال عظمت اور کلید بردار صاحب میں فقر و مسکنت اور سید حسین صاحب میں معصومیت کے جلوے نظر آئے۔ جو جس جگہ ہے اس کا اہل ہے جیسی درگاہ ویسے ہی اس کے متعلقین ہیں۔ جس نے اس دربار سے منہ پھیرا اس کو دو جہاں میں پناہ نہیں۔

سفرنامہ شام

دمشق

پنجشنبہ کے روز گیارہ بجے بغداد شریف سے دمشق روانہ ہوئے ــــــ بعد مغرب رطبہ پہنچے وہاں کچھ کھایا پیا اور روانہ ہوئے۔ صبح تدمر (تدمور) کے کھنڈر ملے جو بی بی بلقیس کا دار السلطنت تھا۔ اب وہاں صرف ایک گاؤں آباد ہے ــــــ برفانی پہاڑیوں میں سے ہوتے ہوئے دمشق پہنچے ــــــ مغرب کی نماز ہم نے جامع اموی میں پڑھی۔ بڑی عالیشان مسجد ہے۔ تین منارے ہیں۔ متعدد عالی شان دروازے ہیں۔ دیواریں سنگ مرمر کی۔ فرش سنگ مرمر کا۔ بیچ میں بڑی کمانیں ہیں۔ جن پر بڑا گنبد ہے۔ ہر ایک جانب گیارہ گیارہ کمانیں ہیں۔ مگر بیچ کی کمان کے برابر نہیں۔ عرض میں تین درجے ہیں۔ مسجد میں وسط سے قریب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی جالی ہے اس پر سبز گنبد ہے۔ گنبد مسجد کے چھت کے نیچے ہے۔ منارہ مشرقی دکھایا گیا۔ جہاں سے حضرت عیسیٰ کے نزول کی امید ہے۔

صحن بھی بہت بڑا ہے ایک جانب یزید کا دربار ہال ہے ۔ ایک جانب ایک حجرہ ہے جہاں سَرِ جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام رکھا گیا تھا ۔ صحن کے ایک گوشہ میں سلطان صلاح الدین اعظم ایوبی اور اس کے وزیر کی قبر ہے ۔ ان کی ایک تصویر بھی ہے ـــــــ مسجد کے قریب وہ حجرہ ہے جہاں اہلبیت اطہار ٹھیرائے گئے تھے ۔ اس کے قریب ستنا رقیہ بنت علی کی قبر مبارک ہے وہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم کا پتھر ہے ۔ بڑی خیر و برکت کی جگہ ہے ۔ قبرستان کے قریب حضرت ابو عبیدہ بن الجراح امین ھذہ الامۃ کی قبر شریف ہے ۔ قبر مٹی کی اور زیر سماء ہے ۔ کیا پروا ہے ۔ شمشیر گوی میں سوتا پڑا ہے ـــــــ قبرستان میں ستنا میمونہ ستنا ام سلمہ ، ستنا ام حبیبہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ستنا زینب بنت علیؓ ۔ ستنا ام کلثوم بنت علیؓ ۔ ستنا سکینہ معصوم و فاطمہ صغریٰ بنات حضرت امام حسین علیہ السلام ۔ حضرت عبداللہ بن عثمان ۔ حضرت عبداللہ بن جعفر صادقؓ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار بھی وہیں ہیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ حضرت بلال حبشیؓ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، عبداللہ بن مکتومؓ موذن رسول بھی وہیں ہیں ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ، ابی بن کعبؓ اور دحیہ کلبی کی قبریں وہیں ہیں ۔

امیر معاویہؓ کا مقبرہ امیر معاویہؓ کے مقبرہ میں گودام ہے ۔ یزید کی قبر مٹا دی گئی ہے ۔ کیونکہ حضرات شیعہ اس پر پتھر مارا کرتے تھے ۔ سید عبدالوہاب اور سید عبدالعزیز فرزندان غوث پاک کے قبور بھی وہیں ہیں ۔

ٹرام میں بیٹھ کر شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی مزار کو پہنچے ۔ آپ کا مزار اور مسجد نہایت شاندار ہے ۔ قبر مبارک منبع علم معرفت ہے توحید کی سخت کیفیت محسوس ہر آن ہے ـــــــ قریب ہی (جبل طیبہ) بلند پہاڑ ہے ۔ اس کے قریب ہی ذوالکفل علیہ السلام ، حضرت محمد بن حنفیہ کے مزارات ہیں ۔ پہاڑ کی ایک چوٹی پر مغارہ اصحاب کہف اور دوسری چوٹی پر مقتل ہابیل ہے ۔ خون کا نشان اب تک باقی ہے گو ہزار ہا سال سے اس پر بارش ہو رہی ہے ۔

دمشق میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے تصانیف ملے ۔ قدس سے ان کو پارسل کر کے حیدرآباد روانہ کر دیا گیا ۔

دمشق میں ایک بہت بڑے عالم ہیں ۔ احادیث بہت یاد ہیں ۔ سو (۱۰۰) سال سے کچھ زیادہ عمر کے ہیں ـــــــ تمام شہر پر ان کا اثر ہے ۔ ان کا نام علامہ بدرالدین ہے ۔ ان کے ہزار ہا مریدین بھی ہیں اور ہزار ہا شاگرد بھی ۔ ان کے زیر نگرانی ایک دارالحدیث ہے ۔ بہت سے دینی مدارس ہیں ۔ مدرسہ شمسیہ کو میں بھی گیا تھا ـــــــ راستہ سے برنی صاحب و حافظ صاحب و شیخ عبدالرحمٰن صاحب السندی (شیخ زاویۃ السنود) جارہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ کوتوالی ادب سے کھڑی ہے دوکاندار دوکان سے اتر کر نیچے کھڑے ہوگئے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ شیخ بدرالدین صاحب راستہ سے گذر رہے ہیں ۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ عرب علماء کی بہت عزت کرتے ہیں ۔ اور ہندوستان کے لوگ مشائخین کی ۔ عرب میں مشائخ عالم ہی ہوتے ہیں ۔ ان دونوں حاجیوں کا تعارف شیخ عبدالرحمٰن السندی نے علامہ بدرالدین سے کیا ۔ پوچھا تم دو ہی ہو یا تمہارے اور رفقاء بھی ہیں ۔ شیخ عبدالرحمٰن نے کہا دو اور ہیں ۔ جن میں ایک بڑا عالم ہے ۔ سب کو دعائے توفیق و تائید اور ہم کو سلام کہلا بھیجا ۔ امیر صاحب • نے مجھ سے کہا ایک رقعہ لکھیے فرصت کا وقت معلوم ہونے پر ہم ان سے ملیں گے ۔ کیوں کہ وہ بڑے مقدس آدمی ہیں ۔ عربی میں ایک رقعہ لکھا ۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب نے رقعہ پہنچایا ۔ رقعہ دیکھتے ہی یاد فرمایا ۔ شیخ زاویۃ السنود کے ساتھ ہم لوگ ہوگئے ۔ حدیث میں تو گفتگو نہیں ہوئی ۔ قاضی صمد اور ملا حسن ، بحرالعلوم زوائد ثلاثہ کے متعلق گفتگو ہوئی ـــــــ میں نے حدیث میں الدین جو کتاب لکھنی شروع کی ہے اس کو سنایا ۔ غرض کہ اچھی صحبت رہی ۔ خود ہم کو دعائیں دیں اور التماس دعا بھی کیا ـــــــ (عبارت سفرنامہ ختم) ۔

• مولانا الیاس برنی

مولانا الیاس برنی صاحب اپنے سفرنامہ مقامات مقدسہ " صراط الحمید " میں علامہ بدر الدین سے ملاقات کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں ۔

" حضرت علامہ بدر الدین صاحب مدظلہ ، اپنے زمانے کے بڑے جید عالم مانے جاتے تھے ۔ صدہا علماء ممالک اسلام سے آکر حضرت کے درس میں شریک ہوتے ہیں ۔ تفسیر اور حدیث حضرت کا خاص مضمون ہے دیکھنے کو ضعیف اور سن رسیدہ ہیں لیکن ہمت جوان ہے ۔ تعلیم سے ازحد دلچسپی ہے ۔ شب و روز یہی مصروفیت رہتی ہے ۔ حضرت کی توجہ سے کئی عربی مدارس آباد ہیں ۔ عوام و خواص امیر و غریب سب حضرت کا احترام کرتے ہیں ۔ عقیدت کا دم بھرتے ہیں ۔ حضرت کا اثر دیکھ کر حکومت فرانس بھی دبتی ہے ۔ بہت لحاظ اور ادب کرتی ہے ۔ ہم لوگوں پر حضرت کی بہت خاص شفقت عنایت رہی اور حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب مدظلہ ، کی تو ایسی قدر شناسی فرمائی کے دمشق کے تمام علماء میں چرچہ ہوگیا کہ ہندوستان سے ایک بڑا عالم آیا ہے ۔ ایسی صحبت کہاں نصیب ہوتی ہے ۔ جو کچھ استفادہ کرلیں غنیمت ہے ۔ لیکن قیام بہت مختصر تھا سب کی زبان پر تھا ۔ ع

" حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد "

کرنل حبیب علی صاحب نے جو سفر میں حضرت کے ساتھ تھے اس ملاقات کا تذکرہ ہم سے بارہا اس طرح فرمایا تھا ۔

" علامہ بدرالدین صاحب نے مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد حضرت کے تبحر علمی کا اندازہ کرلیا تو حضرت کی نسبت قادریہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مراقبہ کیا ۔ حضرت قبلہ نے خیال کیا کہ آپ نقشبندی ہیں میری قادری نسبت کا کیا اندازہ کرسکیں گے ۔ میری نقشبندی نسبت دیکھیں ۔ چند منٹ کے بعد علامہ بدرالدین کی زبان سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا اور ہماری طرف متوجہ ہوگئے ۔ ان کو شاہ نقشبند نظر آئے اور ارشاد فرمایا " بہاء الدین ہے سو عبدالقدیر ہے عبدالقدیر ہے سو بہاء الدین ہے " ۔ بدر الدین صاحب حضرت قبلہ سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ باہر نکل کر اعلان کردیا کہ ہندوستان سے علم و معرفت کا شمس الشموس دمشق آیا ہوا ہے ۔ علماء حاضر خدمت ہوں ۔ اپنے شکوک رفع کرلیں ۔ اپنی تصانیف حضرت کے ملاحظہ میں پیش کریں ۔ ورنہ علماء کی ناقدری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو دمشق نہیں بھیجے گا " ۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

سفر فلسطین

چہار شنبہ ۱۰ شوال کے ، بجے حیفا جانے کے لئے اسٹیشن پہنچے دن بھر سبزہ زار ، برفانی کوہسار ، آبشاروں کو دیکھتے رہے ۔ یہ سفر کیا تھا سیر و تفریح تھی ۔ پونا اور بمبئی کے درمیان گھاٹ اور سرنگیں ان مناظر کے سامنے ہیچ ہیں ۔

قدس یا یروشلم

زاویۃ الہند ، مسجدِ اقصیٰ اور صخرہ معلق بہر حال بروز پنجشنبہ ۱۱ / شوال کو بیت المقدس یا قدس یروشلم پہنچے ۔ یہ شہر پہاڑ پر بلکہ پہاڑوں پر واقع ہے ۔ ایک قلعہ بھی ہے جابجا مورچے بھی ہیں ۔ شہر پر کفر کے آثار ظاہر و محسوس ہوتے ہیں ۔ یہودیوں اور نصرانیوں کا زور ہے باب ظاہریہ میں گھستے ہی زاویۃ الہند ملتا ہے ۔ کہتے ہیں یہاں ایک تہ خانہ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے چلہ کیا تھا ۔ جو اب تک موجود ہے ۔ اس زاویہ کے شیخ مولوی ناظر حسن صاحب انصاری ہیں ـــــ مولانا انصاری کے ساتھ ہم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے ۔

ماشاء اللہ دل کیف سے بھر گیا ۔ حرم بڑا ہے ۔ مسجد عالیشان ۔ صخرے پر جس کو تحت اللہ کہتے ہیں عظیم الشان گنبد بنا ہے ۔ اس گنبد کو عبدالملک بن مروان نے بنایا ہے ۔ اس میں جواہر اور قیمتی پتھروں کا کام ہے ۔ سونا صلاح الدین نے لگوایا ہے ۔ نیچے صخرہ ہے جو بہت بڑا پتھر ہے اور ایسی دیواروں پر قائم ہے جو کسی طرح اس کو اٹھا نہیں سکتیں ۔ صخرہ کے نیچے ایک معمولی ستون ہے ۔ بہرحال صخرہ معلق سا ہے ۔ مسجد میں صلاح الدین اعظم کا نذر کیا ہوا منبر بھی ہے ۔ جس میں مطلقاً کیلے نہیں ۔ وہیں ایک مسجد ہے جس میں حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی تھی ۔ ہم نے پانچ نمازوں کی قضاء صخرہ میں پڑھ لی ـــــــ عشاء کی اذاں حبیب علی صاحب نے عمدگی سے دی ۔ لوگ پلٹ پلٹ کر دیکھتے اور تعریف کرتے ۔ اس مسجد میں ایک گنبد ہے ۔ بعض روایات میں ہے وہاں سے سرکارؐ کا معراج ہوا تھا ۔ یہ گنبد سال میں ایک دفعہ کھلتا ہے مسجد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا بنایا ہوا فوارہ ہے ـــــــ ایک اور گنبد ہے جو حبس الجن یعنی جنات کا محبس ہے ۔ مسجد کے نیچے تہ خانہ یا اصل وقدیم تعمیر ہے جہاں سلیمان علیہ السلام کا اصطبل تھا ۔ ـــــــ جمعہ کی نماز کے لئے ہم دس بجے ہی سے مسجد میں پہنچ گئے تھے ۔ قضاء نمازیں پڑھتے رہے ۔ خطبہ بڑا شاندار اور مقتضائے حال کے مطابق تھا ـــــــ شنبہ کو زیارت مقاماتِ مقدسہ کیلئے موٹر لی ـــــــ پہاڑ کے بعد پہاڑ آبشاروں اور نالوں سے تر یا کبھی سبزہ سے ہرے ۔ کہیں بلندی کہیں پستی ۔

۳۰ ۔ ۳۵ میل کے بعد مدینۃ الخلیل یا خلیل الرحمٰن پہنچے ۔ یہ شہر پانچ چھ ہزار سال کا ہے ۔ اور قدس سے پہلے کا بناء کردہ ہے ۔ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام وستنا سارہ ۔ اسحٰق علیہ السلام و ستنا رقیہ ، یعقوب علیہ السلام اور ستنا رابعہ والدہ یہودا وغیرہ اور یوسف الصدیق علیہ السلام کی زیارتیں ہوئیں (الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم) حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ راحیل کی قبر راستہ میں ملتی ہے ۔ یہ مقام کیا ہے جنت کا روضہ ہے ۔ یہود کے لئے ایک خاص مقام ہے اندر جانے نہیں دیتے ۔ سیڑھیوں پر دیوار میں ایک سوراخ ہے ۔ جو قبر خلیل کے محاذی ہے ۔ یہود وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں ۔ عرضیاں لکھ کر اس سوراخ میں ڈالتے ہیں ۔ یہ تمام عمارتیں ایک غار پر بنائی گئی ہیں ۔ جس کا وہاں راستہ بھی ہے مگر کوئی اس میں نہیں اترتا ۔ کہتے ہیں جو اترتا ہے وہ ارواح کو مجسم دیکھتا ہے یا یہ کہ اس پر فوراً عالم مثال کھل جاتا ہے ۔ اور پھر وہ جلد مرجاتا ہے ۔ یا مجذوب ہوجاتا ہے وہیں ایک غار یا کنواں ہے جہاں بہت سے انبیاء دفن ہیں اسے بئر الارواح یا مرقد الانبیاء کہتے ہیں ۔

بیت اللحم قبروں کی زیارت سے فارغ ہو کر شہر بیت اللحم پہنچے ۔ جو ایک پہاڑ پر آباد ہے ۔ آبادی صاف ستھری اور عیسائیوں کی ہے ۔ یہاں یہود کا بالکل گذر نہیں ۔ عیسائیوں کی زبان عربی ، لباس عربی ہے کیونکہ ان کی قوم عرب ہے ۔ ایک دوکان میں سے چند صدف کی تسبیحیں ہم نے لیں ۔ یہاں صدف کے کام کی بہت چیزیں بنتی یا ملتی ہیں ۔ صلیب ، تسبیحیں ، ہار اور دوسری آرائش کی چیزیں نہایت خوبصورت ملتی ہیں ۔ بہرحال مولد جناب عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچے ۔ نہایت عالیشان کلیسا تھا ۔ تمام زرین کام ہے ۔ اصل مولد ایک مغارہ (غار) میں ہے لوگوں نے منتوں کی قندیلیں بھی جابجا لٹکا دی ہیں ۔

ایک بڑی داڑھی والے پادری صاحب غار کے دروازہ پر کھڑے تھے انہوں نے ہم کو اہلاً وسہلاً کہا ۔ ہم کو دیکھ کر دراویش دراویش کہنے لگے ۔ میں نے دل میں کہا سبحان اللہ تو چاہتا ہے تو غیر مذہب والوں سے بھی تصدیق کروا دیتا ہے ۔ ہاتھوں میں موم بتیاں دی گئیں اور ہم غار میں اترے ۔ سونے کے کام سے غار چمک رہا تھا ۔ تولد کی جگہ ، وہاں سے لے جا کر رکھنے کی جگہ ، کھجور کے درخت کی جگہ دیکھی گئی ۔ پھر جناب ستنا مریم کی قبر مبارک دیکھی گئی ۔ جو غار میں تھی ۔ وہاں بھی تمام سونے کا کام اور قندیلیں لگی تھیں ۔ جہاں جہاں

پھرتے وہی موم بتیاں ہاتھ میں تھیں ـــــ وہاں سے جناب عیسیٰ کو آسمان پر اٹھائے جانے کے مقام پر پہنچے ۔ جو جبل زیتون کے نام سے موسوم ہے ۔ اس جا بائی کمشنر فلسطین کا مقام بھی ہے ۔ یہودیوں کی یونیورسٹی بھی وہیں ہے ـــــ قدس میں کلیسائے قیامہ بھی ہے جس کے دروازہ پر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تھی تاکہ اندر نماز پڑھنے سے کلیسہ پر کوئی اثر نہ پڑے ۔ اب وہاں مسجد بنائی گئی ہے عیسائی گھنٹہ بجاتے ہیں ۔ مسلمان مسجد میں اذاں دیتے ہیں ۔ مگر اب تک کوئی نزاع نہیں پیدا ہوا ۔ خدائے تعالیٰ آئندہ بھی اختلاف پیدا ہونے نہ دے ۔

مسجدِ اقصیٰ

مسجدِ اقصیٰ کے نیچے اصطبل سلیمانی ہے ۔ عمارت قدیم و عالیشان ہے باوجودیکہ تہہ خانہ ہے مگر روشن بلند اور وسیع ہے ۔ مسجد کے دروازہ کے باہر ایک جگہ ہے جہاں یہود عبرانی زبان میں دعائیں کرتے ہیں کہ " خدایا تو ہم پر غضبناک ہے تو نے ہمارے معبد صخرہ کو ہمارے قبضہ سے نکال لیا " ۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک صخرہ ان کے قبضہ میں نہ آئے ان کی ارواح آسمان و زمین کے درمیان معلق رہیں گی اور بہشت میں داخلہ نہ ہو سکے گا ۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ادہم بلخیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی قبور مبارک بھی یہیں ہیں ۔ مگر افسوس کہ پریشانی کی وجہ سے زیارت میسر نہ ہو سکی کیونکہ ہمارا سفر دراز تھا اور مدت کم ـــــ مولوی ناظر حسین صاحب انصاری کو علمائے قدس نے ایک جلسہ میں دستار بندی کر کے ان کو شیخ تسلیم کر لیا تھا ان کی خواہش تھی کہ یہ کام کسی فقیر کے ہاتھ سے ہونا چاہئیے قرعہ فال بنام منِ دیوانہ زدند ۔ طریقہ علیہ قادریہ میں شریک کر لئے گئے ۔ اور قادریہ و نقشبندیہ کی اجازت بھی دی گئی ۔ خاندانی اذکار و اشغال کی تلقین کی گئی ۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے خواجہ کی نسبت کو انہوں نے محسوس بھی کر لیا ۔ حزب البحر اور طریقہ شاذلیہ کی اجازت بھی دی گئی ۔ اگرئی رنگ کا عمامہ ان کے سر پر رکھ دیا گیا

نہرِ سویز چہارشنبہ ۱۷ / شوال ۱/۲ ۸ بجے قدس سے نکلے ـــــ مغرب کے قریب قنطرہ پہنچے ـــــ قنطرہ کے معنیٰ پل کے ہیں ۔ یہاں پل تو نہیں ہے بلکہ نہر سویز کو کشتی کے ذریعہ عبور کرنا پڑتا ہے ۔ دوسرے کنارے پر ریل تیار تھی ـــــ سامان ریل میں پہنچ گیا ـــــ گھنٹہ بھر بعد اسمٰعیلیہ پہنچے ـــــ صبح کو محمد بن محمود علبہ (ایجنٹ کا لڑکا) ہم کو حجاز کونسل خانہ لے گئے اور پاسپورٹ پر کونسل کی دستخط کرادی پھر تامس لے گئے پہلے ہم کو قدس کے دفتر سے رسید ملی تھی اب اس کے دکھانے پر اصل ٹکٹ مل گئے ۔

خلیجِ عقبہ اور طورِ سینا ۱۹ / شوال روز جمعہ ۱۰ بجے صبح کے قریب جہاز خلیج عقبہ میں قریب طور سینا ٹھیرے ۔ سامان اتارا گیا بعض لوگ بھی اترے ۔ مسافر کہتے ہیں بحیرہ قلزم یا بحیرہ احمر (Red Sea) میں ہمیشہ گرمی اور حبس ہوتا ہے مگر ہمارے لئے سردی شدت سے تھی ۔ پچھلے سے ہوا بڑی زور سے بہہ رہی ہے ۔ جہاز کھڑا بھی ہے تو سرمستِ محبت کی طرح جھومتا ۔ طور سینا سے آگے بڑھنا تھا کہ ہوا نے طوفانی صورت اختیار کی ۔ کوہ پیکر موجیں اٹھتی تھیں اور جہاز کے پہلو پر آکر ٹکر مارتیں ۔ غریب جہاز ہل جاتا ہے ۔ قبطان جہاز کو ترچھا کر کے لے چلتا ہے ۔ حتیٰ کہ ساحل آفریقہ کے قریب سے گذر رہا ہے ۔ لائٹ ہوز یا منارے تک نظر آتے ہیں ۔

۲۰ / شوال شنبہ کا دن ہے ۔ دھوپ روشن ہے ۔ مطلع صاف ہے دشت کی ہوا بڑی شدت سے چل رہی ہے ـــــ یکشنبہ کی رات کو آنکھ کھل گئی ۔ ہوا کی شدت نے نیند بالکل ہی اڑادی ـــــ اب دن نکل گیا ہے ۔ سب کو گرمی ہو رہی ہے ۔ مجھے رات ہی سے گرمی ہو رہی ہے ۔ گویا کہ بخار ہے ۔ ڈاکٹر جہانگیر (ساکن حیدرآباد) کے پاس کی پوڑیاں اور گولیاں کھالیں ۔ مزاج کچھ صاف ہوگیا ہے ۔

سفرنامہ حجاز

۲۱ / شوال یکشنبہ کے روز ۱۰ بجے ینبوع پہنچے ایک کشتی میں بیٹھے جہاز سے اترتے ہی سید مصطفیٰ صاحب کے بھائی مل گئے۔ انہوں نے سامان اٹھوالیا۔ پھر سید مصطفیٰ صاحب سے ملاقات ہوئی ــــــــــ

۲۲ / شوال سہ شنبہ کو سید مصطفیٰ صاحب نے اونٹ کرایہ پر مقرر کروادیئے۔

۲۳ / شوال چہارشنبہ کو ۴ بجے کے قریب قافلہ نکلا۔ ایک شغدف اس میں فقیر اور حافظ صاحب اور ایک اونٹ پر سامان کے ۴ شلیسطے ان پر شبری (شبری میں جناب برنی صاحب و حبیب علی صاحب) شبری میں بڑی تکلیف ہوئی جھوک قائم نہیں رہتا۔ ــــــ اونٹ کا سفر سمندر کے سفر سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ بشرطیکہ سمندر طوفان خیز نہ ہو ــــــ بہر حال ۴ بجے نکلے اور گیارہ بجے منزل بئر عباس۔ پانچویں روز مدینہ منورہ۔ چھٹے دن صبح کو مدینہ منورہ داخل۔

مدینہ منورہ

یکم ذیقعدہ روز دوشنبہ کی صبح کو ہم مدینہ شریف پہنچ گئے۔ آخری منزل پر پچھلی رات ہم سب اتر گئے۔ راستہ میں صبح کی نماز پڑھ لی۔ آفتاب طلوع ہونے کے بعد مدینہ شریف پہنچے ــــــ لوگوں سے پوچھتے ہیں حسین بی کی رباط کہاں ہے؟ کوئی نہیں بتاتا۔ بلکہ وہاں لے جاکر پہنچایا۔ وہاں کے داروغہ کا نام عبدالغفور تھا۔ ان کا واقعی نام عبدالقاہر ہونا چاہیئے تھا۔ سیدنا مولانا عبدالغفور صاحب نے اتنا کہلا بھیجا کہ یہ حسین بی کی رباط نہیں ــــــ اتفاقاً اس رباط میں مولوی سید نظام الدین صاحب پر میری نظر پڑی وہ خضر راہ بن کر محمد جعفر داغستانی کے پاس لائے ــــــ ان دونوں صاحبوں نے ہمارا سامان اتروا دیا۔ ایک سرکاری مکان میں جس میں دونوں رہتے تھے ہم کو اتارا ــــــ مکہ شریف میں معلم، مزور یا مطوف کا مقرر کرلینا حاجی کے اختیار میں ہے جس کو چاہا مقرر کرلیا۔ مدینہ شریف میں معلم کا مقرر کرنا اختیاری امر نہیں ہے بلکہ اس کا تعین خود حکومت نے کردیا ہے ــــــ محمد جعفر داغستانی نے ہم کو حرم میں پہنچایا۔

سلام در دربارِ اقدس دربار قدسی مدار میں پیش کرکے سلام پڑھوایا۔ پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں۔ پھر ہٹ کر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں۔ پھر ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پڑھوایا۔

زیارت جنت البقیع دوسرے روز ہم جنت البقیع پہنچے۔ تمام گنبد شہید کردیئے گئے ہیں۔ گذشتہ سال قبریں بھی نہ تھیں۔ مگر اب قبریں بنادی گئی ہیں مگر پتھر اور مٹی کی۔ یہ منظر بڑا جگر خراش ہے ــــــ

سیدتنا فاطمۃ الزہرا، سیدنا عباس عم رسول اللہ، ان کے بائیں جانب امام حسن مجتبیٰ۔ امام علی زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق رضوان اللہ علیہم سیدھی جانب بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستنا رقیہ، ستنا زینب، ستنا ام کلثوم۔ ایک طرف ازواج مطہرات۔ ستنا عائشہ۔ ستنا صفیہ۔ ستنا حفصہ وغیرہا چند ازواج مطہرات دمشق میں بھی ہیں۔ ستنا خدیجہ مکہ شریف میں جنت المعلی میں ہیں۔ ایک طرف فاطمہ بنت اسد، ام سیدنا علیؓ۔ سید عبداللہ بن صفیہ۔ سیدنا عقیل، ایک طرف سیدنا عثمانؓ بن عفان، ایک طرف سیدنا ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایک طرف امام مالک، اور ان کے سرہانے نافع مولیٰ ابن عمر بقیع کے باہر ستنا صفیہ عمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باہر ایک طرف سیدنا اسمٰعیل بن جعفر صادق، حضرت اسمٰعیل کو اثنا عشری نہیں مانتے۔ بواہیر حضرت موسیٰ الکاظم کو نہیں مانتے۔ ہم نے دونوں جگہ زمین بوسی کی۔ الحمدللہ۔ باقی تمام لوگوں کی قبریں صاف کردی گئی ہیں۔

بقیع میں امام زین العابدین کی قبر شریف کے قریب بیٹھ کر میں نے پورا صحیفہ سجادیہ پڑھا ۔ جوشن کبیر ، فتوحات ربانی پڑھا ۔ جتنی عورتیں پہچانت کی تھیں کیا چھوٹی کیا بڑی حضرت سیدہ کی خدمت میں ان کو پیش کرتا گیا ۔ السلام علیک یا سیدۃ نساء العٰلمین عرض کرتا گیا ۔ قبر مبارک حضرت سیدہ و قبور ائمہ اہل بیت اطہار پر ہاتھ پھیر کر خاک کو منہ پر ملا اور کہتا گیا ، او خاک پاک ! تو میرے منہ پر انوار بن کر چمک ۔ ایمان بن کر چمک ۔ اخلاص بن کر چمک ۔ ان سعادت کے چراغ عبودیت میں سے شرارہ بن کر چمک (عبارت سفرنامہ ختم) ۔

۱ ۔ ایک مرتبہ سیدہ کی عنایتوں کا تذکرہ فرمایا ۔ میں کیا کرتا تھا ۔ مسجد میں جاکر پڑا رہتا تھا ۔ اس وقت ایک تجربہ ہوا ۔ ذکر نہ ہو ۔ تو کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ ایک آدمی ہے ذکر کرنے کا عادی ، اس کو ذکر نہ کرنے کے قابل کردیا جائے تو کیا کچھ مصیبت نہیں آتی ۔ اس وقت قرآن پڑھنے سے آرام ہوتا ہے ۔ پچھلی رات کو اٹھا گرمی کا موسم تھا بچہ باہر سوکر زنجیر لگایا تھا ۔ اب کیسے باہر جاؤں پکار کر اٹھانا اور اس کی نیند خراب کرنا اچھا نہیں ۔ اگر اللہ اللہ کرنا ہے تو یہیں بیٹھ کر کرو ۔ یکایک میرے دل میں تکلیف ہوئی ۔ بی بی فاطمہ کو پکارا ۔ اماں ! رسول اللہ کی قسم ہے اس وقت سنبھال لے مجھے ۔ حضرت علی اور بی بی زہرا نے اپنے اس غلام کو کبھی پیٹھ نہ دی ۔ اسی وقت سکون ہوگیا ۔ بی بی فاطمہ نے فرمایا ۔ ارے پریشان کیوں ہوتا ہے گلی میں اندھیرا رہتا ہے ، تو اسے پار کرنا پڑتا ہے ۔ اس پار تو روشنی ہے ۔ بس ذرا گلی پار کرلینے تک پریشانی ہے ۔ اس سے کیا گھبرانا ۔

۲ ۔ جنت البقیع میں حضرت امام حسن کی مزار مبارک کی زیارت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ۔ جنت البقیع میں امام حسنؓ کی مزار مبارک کے پاس بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھ رہا تھا آواز آئی ۔ عبدالقدیر ۔ پڑھنے میں منہمک تھا ، پھر آواز آئی ۔ عبدالقدیر ۔ چونکا ، عرض کیا لبیک یا امام ! فرمایا ۔ تم کو وہ حدیث پہنچی ہے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپری جسم سے میں مشابہ ہوں اور نیچے کے جسم سے حسین مشابہ ہیں ۔ عرض کیا پہنچی ہے ۔ فرمایا ۔ کیا مطلب سمجھے ؟ عرض کیا ۔ میں کیا سمجھ سکتا ہوں جو امام سمجھائیں ۔ فرمایا ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم علوی سے جتنا ربط ہے عالم سفلی سے بھی ہے ۔ عالم علوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ربط تھا اس کا مظہر میں ہوں اور عالم سفلی سے جو ربط تھا اس کا مظہر حسین ہیں ۔ کچھ نہیں مانگنا سیکھنا ہے تو مجھ سے سیکھو ۔ مانگنا ہے تو حسین سے مانگو ۔ دین مانگو دنیا مانگو جو چاہو مانگو ۔

(عبارت سفرنامہ شروع) سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں ایک ایک شخص کی طرف سے جوشن کبیر کی ادعیہ میں سے ایک حصہ ، قرآن شریف کا ایک سورہ پڑھتا گیا اور بخشتا گیا ۔ جنت کے ٹکڑے میں زندوں مردوں کے لئے نماز پڑھ کر دعا کی ۔ دلائل الخیرات ، حزب الاعظم و فیوضات ربانی وغیرہ پڑھتا جاتا ہوں ۔

۵ ۔ ذیقعدہ شنبہ کو دو مجیدیوں پر گاڑی کرایہ کرکے مسجد قبا گئے

مسجد قبا میں نماز کی بڑی فضیلت ہے ۔ اس مسجد میں وہ جگہ بھی ہے جہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو کعبۃ اللہ شریف دکھایا تھا ۔ تاکہ آپ کو تسکین و تسلی ہو ۔ وہ جگہ بھی ہے جہاں آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی ۔ وہیں ایک کنواں ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے گرگئی تھی ۔ اس کنویں کا پانی پیا ۔

حضرت سیدہ جس جگہ رہتی تھیں وہاں ایک مسجد بنائی گئی تھی ۔ اب اس کو سعودیوں نے شہید کردیا ۔

۶ ۔ ذیقعدہ یکشنبہ کو بذریعہ معلم ابو مسعود محمد جعفر داغستانی ، امیر مدینہ و شیخ الاعوات سے مسجد مبارک میں شب باشی کی اجازت لی گئی ۔ ۱/۲ ۸ بجے اعوات کے چبوترہ پر ہماری حاضری ہوئی ۔ باب المجید کے قریب ایک دروازہ ہے اس دروازہ سے سیڑھیاں چڑھ کر خارج مسجد طہارت خانہ و وضوگاہ ہے ۔ ایک خواجہ سرا نے ہم کو یہ مقامات بتادیئے ـــــ اس موسم میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہم کو شب باشی کی اجازت ہوئی ۔ دو تین اور صاحب بھی تھے مگر وہ چادر تان کر سوتے رہے اور صبح کو اٹھے منبر اور جالی مبارک کے درمیان روضۂ جنت ہے اس میں مصلی نبوی ہے جہاں سرکار نماز میں سجدہ کرتے تھے وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محراب بنا دیا ہے ۔ اب لوگ سرکار کے موضع قدم پر سجدہ کرتے ہیں ۔

ہر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود ÷ سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اس مصلے پر نماز پڑھنے کی ہر شخص کوشش کرتا ہے اس رات میں نے وہاں دو رکعتیں قضاء نماز کی پڑھ لیں ۔ اور تمام قرابتدار اور دوستوں کی طرف سے (۱۷) رکعتیں قضاء کی پڑھیں ۔ جب بجلی کی روشنی خاموش ہوگئی اور چند تیل کے گلاسوں کی روشنی رہ گئی تو ایک عظمت اور ہیبت کا اثر دل پر پڑنے لگا ۔ ہم سب مواجہ شریف میں حاضر رہے ۔ میں ہر ایک کی طرف سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھتا گیا اور ہر ایک کو خدمت عالی میں پیش کرتا گیا ۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

اسی تذکرہ کے سلسلہ میں حضرت نے فرمایا " میں نے دیکھا کہ آسمان سے دو بار اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دونوں بار میرے گلے میں ڈال دیئے "

(عبارت سفرنامہ شروع) حاصل زندگی ، خلاصہ عمر ہماری یہی رات تھی ۔ رات تمام ہماری آنکھوں پر بھور گئی ۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دنیا کی حکومت مل گئی ہے ۔ آقا کا دربار خاص ، محبوب کی خلوت ، مالک کا دیدار ۔ غرض کہ رات بھر ہم کو طہارت کی ضرورت ہوئی نہ وضو کی ۔ صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے ۔ آنکھوں میں نور تھا ، دل میں سرور تھا ۔

بجلی چمک چمک کر گرتی ہے چار جانب ÷ ہے ایک طورِ سینا گویا تری گلی میں
کھل جائے اب دریچہ ہوجائے ایک جلوہ ÷ سب منتظر کھڑے ہیں مولیٰ تری گلی میں

سہ شنبہ ۸ ۔ ذیقعدہ کو جبل احد جانا ہوا ۔ حضرت حمزہ کی قبر شریف کا نشان تو باقی ہے ۔ باقی چبوترہ کو توڑ ڈالا ہے ۔ کھود ڈالا ہے ۔

• مسجد کو صاف کردیا ہے ۔ جہاں دندانِ رسول مقبول دفن تھا قبہ توڑ کر اس کو بھی پتھروں کا ایک ڈھیر کردیا ہے ۔ حضرت حمزہ کے مصرع کا گنبد بھی توڑ ڈالا ہے ۔ مسجد رُماۃ یعنی وہ جگہ جہاں حضرت نے پچاس تیر اندازوں کو گھاٹ میں بٹھایا تھا ۔ اور ان میں سے ۳۰ سے زیادہ آدمی فتح کے بعد مالِ غنیمت لوٹنے دوڑ پڑے ، اس جانب سے کفار نے حملہ کیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں مبدل ہوگئی ۔ وہاں ایک مسجد بنائی گئی تھی نجدیوں نے اس کو بھی شہید کردیا ہے ۔ اس کے قریب حضرت امام جعفر صادق کے فرزند امام علی العریضی کی قبر مبارک ہے ۔

• یہ مسجد ، مسجد حمزہ کے نام سے موسوم تھی ۔ نجدیوں نے غالباً اس خیال کے تحت کہ یہ غیر اللہ کے نام سے موسوم ہے شہید کرڈالا ہے ۔ حالانکہ مسجد تو اللہ کا گھر ہوتی ہے ، لاکھ کسی کے نام سے موسوم ہوئی تو کیا ۔

چہارشنبہ ۹۔ ذیقعدہ کو مولوی عبدالباقی صاحب (فرنگی محلی) کے پاس چائے خوری کی دعوت ہوئی یعنی صبح کا کھانا ہوا۔ مطبق اور میٹھے چکولیاں بھی تھیں۔

وہاں سے اٹھ کر امین افندی کے مکان کو گئے اور ان سے بھائی اصغر علی شاہ صاحب (حضرت کی چوتھی بیوی رابعہ بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی) کے والد اکبر علی صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کرلیا۔ سید یٰسین مرحوم کے فرزند عبدالقادر زندہ ہیں۔ سید احمد عبدالحمید بھی ہیں۔ افغانی ان کے گھر میں اترتے ہیں۔ نجدی رشوت نہیں لیتے۔ مستحقین کو حق پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اصغر علی شاہ صاحب یہاں آئیں ساتھ حجتہ و توریث نامہ لائیں تو مکان سہولت سے مل سکتا ہے۔

ترکوں کے زمانہ میں اہلِ مکہ و اہلِ مدینہ اور بدوؤں پر بے دریغ روپیہ صرف ہوتا تھا اور جوش اعتقادی سے ان کی غلطیوں سے درگذر کرتے تھے۔ بدو پہلے حاجی کو مار ڈالتا پھر کر ٹوٹتا تھا۔ ترک ان کے مظالم سے درگذر کرتے تھے۔ پھر شریف حسین کا زمانہ آیا۔ بے شک ان کا نسب عمدہ تھا اور بس۔ پھر آلِ سعود کا نمبر آیا۔ حاجیوں کی جان و مال کو بالکل امن ہے۔ نہ ڈاکہ ہے نہ چوری ہے۔ مگر قبورِ متبرکہ کی توہین جگر پاش ہے، دل سوز ہے، جانگداز ہے۔

آرام ہو تو کیونکر راحت ملے تو کیسے ÷ ہر دم ہے تازہ فتنہ برپا تری گلی میں (حسرت صدیقی)

جالیِ مبارک کو بوسہ ایک مصرن آتی ہے جالیِ مبارک کو بوسہ دیتی ہے۔ سعودی کہتا ہے شرک شرک! مصرن کہتی ہے شرک دل کا کام ہے۔ ہم اپنے عقیدے سے بہ نسبت تمہارے زیادہ واقف ہیں۔ پھر بوسہ دیتی ہے اور پھر کہتی ہے یہ لو۔ پھر بوسہ دیتی ہے اور چل دیتی ہے۔ سعودی منہ تکتا رہ جاتا ہے۔

ایک افغانی آتا ہے جالی کو بوسہ دینا چاہتا ہے۔ سعودی روکتا ہے اور اس کا ہاتھ جالی کو لگتا ہے۔ افغانی سعودی کے ہاتھ کو بوسہ دے کر چل دیتا ہے۔ ایک افغانی آتا ہے۔ سلام پڑھتا ہے۔ جالی کو بوسہ دیتا ہے۔ سعودی بلاتا ہے جھنجھوڑتا ہے، وہ بوسہ دے کر سیدھا چلا جاتا ہے۔

جنت البقیع سے واپس جانے لگا تو ایک سعودی سپاہی نے کہا اُدھر جاؤ اُدھر اسمٰعیل بن جعفر ہیں اور قبر کی طرف اشارہ کیا جو ذرا گلی میں ہے۔ اور ابن سعود نے اس کی چودیواری کا دروازہ چین دیا ہے۔ ایک دفعہ ایک بچے نے ایک جھاڑو لاکر مجھے دی کہ تم بھی جھاڑو۔ میں بھی اس سعادت میں شریک ہوا۔ اس بچے کو ایک قرش دیا۔ دوسروں نے مانگا تو ان کو بھی دیا پہلے بچے نے کہا یہ سب مفت لیتے ہیں۔ میں نے تم کو جھاڑو لاکر دی تھی۔ ایک اور قرش اس بچہ کو دیا تو خوش خوش چلاگیا کہ دوسروں سے ممتاز تو رہا۔ یکشنبہ ۲۰ / ذیقعدہ۔ ● جناب ضیاء الدین قادری نے خواب دیکھا کہ میں (عبدالقدیر) باب السلام کے پاس کھڑا ہوں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر دربارِ اقدس میں لے جاتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں یارسول اللہ ھذا ابنی میں سر جھکا دیتا ہوں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک میری پشت پر رکھ دیتے ہیں۔ روحی و روح العٰلمین لک الفداء یارسول اللہ (عبارت سفرنامہ ختم)

● مولوی ضیاء الدین صاحب مرحوم پنجابی تھے قادری المشرب تھے۔ کئی سال بغداد شریف میں رہے بعد میں کئی سال مدینہ منورہ میں بحیثیت مہاجر مقیم رہے۔ اور حال ہی میں انتقال فرمایا ہے۔

اصل میں ہوا یہ کہ مولوی ضیاء الدین صاحب نے جب حضرت کا نام سنا اور ساتھ صدیقی تو ان کو خیال ہوا کہ بعض غیر سید بھی اپنے نام کے ساتھ سید لکھ لیتے ہیں۔ بلا تحقیق سید بن جاتے ہیں۔ یہ صاحب بھی صدیقی ہیں تو نہ معلوم کیسے صدیقی ہیں ؟ چنانچہ انھوں نے یہ خواب دیکھا۔ یہ تفصیل بھی حضرت نے ارشاد فرمائی۔ ضیاء الدین صاحب خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت سے ملنے بے قرار ہوگئے۔ صبح ہوئی تو اپنی اولین فرصت میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنا خواب بیان کیا اور عرض کیا آپ کی عظمت و بزرگی کا مجھے اس سے اندازہ ہوا کہ آپ کے صدیقی ہونے کے بارے میں صرف خطرہ آیا تو نہ صرف آپ کے صدیقی ہونے کی تصدیق کروادی گئی بلکہ آپ کے طفیل حضرت صدیق اکبر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی بیک وقت زیارت بھی نصیب ہوگئی۔

(عبارت سفرنامہ شروع) دوشنبہ ۲۱ ۔ ذیقعدہ ۔ آج پچھلی سے مواجہ شریف میں ہم سب حاضر تھے ۔ معلم لوگوں کو الوداع پڑھاتے تھے ۔ لوگوں کے ساتھ ہم بھی روتے تھے ۔ ظہر کی نماز کے بعد احرام باندھ کر حاضرِ مسجدِ مبارک ہوئے ۔ دو رکعتیں نفل پڑھیں ۔ پہلی رکعت میں قل یاایہا الکفرون ۔ دوسری میں قل ھو اللّٰہ احد نیت احرام پڑھ لی ۔ لبیک للعمرۃ اللھم انی اریدالعمرۃ فیسرھا لی و تقبلھا منی اور پھر لبیک کہا لبیک الہ الخلوۃ لبیک اور کہا اللھم لبیک ، لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک ۔ لبیک ، لبیک و سعدیک والخیر بیدیک والرغباء الیک والعمل ۔ پھر یہ دعا پڑھی اللھم انی اسئلک رضاک والجنۃ و اعوذبک من غضبک و النار ۔

محمد جعفر داغستانی ہمارے معلم کے نائب ہم کو سلام اور وداع پڑھانے آئے ۔ دل نے سرکارؐ کو وداع کرنے سے انکار کیا ۔ سرکارؐ کی معیت ہماری زندگی و وجود کا منشاء ہے ۔ اور یہی معیت ہمارے دل کی تسکین و قوت کا باعث ہے ۔ میں نے معلم صاحب سے کہا الوداع کے عوض الوداد پڑھئے ۔ اسی طرح پڑھا گیا ۔ چلتے وقت بجائے رونے کے دل میں بڑی قوت پیدا ہوگئی کہ سرکارؐ ہمارے ساتھ ہیں ۔ طبیعت شاداں و فرحاں تھی ۔ دل سے شکل رہا تھا ۔ خدا اس معیت پر دم آسان کرے ۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

مدینہ منورہ تا مکہ معظمہ اونٹوں کے سفر ، منزلوں پر اترنے ، پکانے کھانے ، راستہ میں اونٹوں کے بھڑک جانے وغیرہ کا حال سفرنامہ میں حضرت نے مفصل لکھا ہے ۔

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کل گیارہ منزلیں ہیں جن کو حضرت اور حضرت کے رفقاء نے دس دن میں اونٹوں پر طے کیا ۔ پہلی منزل بئرِ علی ، دوسری بئرِ درویش ، تیسری وتر ، چوتھی ابیارِ حسن ، پانچویں بئرِ شیخ ، چھٹی مستورہ ، ساتویں رابغ ، آٹھویں قدیمہ ، نویں عسفان ، دسویں وادی فاطمہ ، گیارھویں مکہ معظمہ ۔ حضرت ۲۱ / ذیقعدہ کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے اور یکم ذیحجہ بوقت مغرب مکہ معظمہ پہنچ گئے ۔ الحمدللہ ۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

مکہ معظمہ

شہر میں داخل ہوتے وقت ہم نے یہ دعا پڑھی ۔

اللھم ان ھذا الحرم حرمک والبلد بلدک والا من امنک و العبد عبدک جئتک من بلاد بعیدۃ بذنوب

کثیرۃ و اعمال سیئۃ اسئلک مسالۃ المضطرین الیک المشفقین من عذابک ان تستقبلنی بمحض عفوک و ان تدخلنی فسیح جنتک جنۃ النعیم ، اللھم ان ھذا حرمک و حرم رسولک فحرم لحمی و دمی وعظمی علی النار۔ اللھم امنی من عذابک یوم تبعث عبادک اسالک بانک انت اللہ لا الہ الا انت الرحمٰن الرحیم ان تصلی و تسلم علیٰ سیدنا محمد و علیٰ الہ تسلیما کثیرا ابدا۔ بہرحال بفضلہ تعالیٰ ہم مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے۔

للہ الحمد نہ مردیم و رسیدیم بیار ✤ آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ ما

مکہ معظمہ بہ نسبت مدینہ منورہ کے بہت بڑا شہر ہے۔ مکانات کئی کئی منزلہ ہیں۔ آبادی بہت گنجان ہے۔ دوکانیں بڑی بڑی مالا مال ہیں۔

طوافِ قدوم | ہم دلاور النساء بیگم صاحبہ کی رباط میں اترے۔ حبیب اللہ صاحب اس کے داروغہ یا منتظم ہیں۔ نہایت محنتی اور خوش اخلاق ہیں۔ رات کو ہم نے طوافِ قدوم کیا۔ رات زیادہ ہوگئی تھی۔ باب السلام سے حرم شریف میں داخل ہونا نہ ہوسکا۔ بلکہ قریب تر دروازہ سے داخل ہوئے۔ مسجد میں داہنا پاؤں رکھا اور یہ دعا پڑھی۔ اللھم افتح لنا ابواب رحمتک و سھل علینا ابواب رزقک پھر میں نے یہ دعا پڑھی اللھم صلّ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد مراۃ ذاتک و اول تجلیاتک و مظھر اسمائک و صفاتک ومنبع آیاتک و کمالاتک بعدد جمیع معلوماتک۔

بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو اللہ اکبر لا الہ الا اللہ تین دفعہ پڑھا۔ اس وقت کی خوشی ناقابلِ بیان ہے۔ دل سینہ میں اچھل رہا ہے۔ پھولے نہیں سماتا۔ کیا یہ سینہ توڑ کر باہر آئے گا؟ آنکھیں دل پر ناز کرتی اور اتراتی ہیں کہ ان کی نظریں دروازے ہی سے بیت اللہ تک پہنچ گئیں۔ اور حضرت دل ہیں کہ اپنی ہی جگہ پڑے اچھل رہے ہیں۔ دل میں جو آیا دعا کی۔

اللھم افردنی لما خلقتنی لہ ولا تشغلنی بما تکفلت لی بہ ولا تحرمنی وانا اسئلک ولا تعذبنی و انا استغفرک یا رب العٰلمین۔

اللھم ارزقنی لذۃ النظر الیٰ وجھک الکریم و الشوق الی لقائک پھر یہ دعا پڑھی۔ اللھم انت السلام و منک السلام فحینا ربنا بالسلام۔ اللھم زدبیتک ھذا تعظیما و تشریفا و تکریما و مھابۃ و زد من حجہ او اعتمرہ تشریفا و تکریما و تعظیما و برا۔ (عبارت سفرنامہ ختم)

اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ حضرت کے ایک مرید نے عرض کیا "میں جب نماز کی رکعت باندھتا ہوں تو میرے سامنے مقام سجدہ پر آپ کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں"۔ حضرت نے پوچھا "میری پیٹھ رہتی ہے یا اس شکل کا چہرہ سامنے رہتا ہے"۔ انھوں نے عرض کیا "حضرت کا رخ میری طرف رہتا ہے اور مجھے ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں"۔ حضرت نے فرمایا "بابا اگر میں رہا تو پیٹھ رہے گی۔ سجدہ لینے کا بندہ کو کیا حق ہے۔ وہ اللہ کی تجلی ہے۔ بڑے مرشدوں کی تشبیہ میں اللہ کی تجلی نظر آتی ہے تمہارے مرشد نے کیا قصور کیا۔ وہ سرفراز کرنے پر آئے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے"۔

(عبارت سفرنامہ شروع)

مطاف | یعنی اس جگہ کے اطراف جہاں طواف کرتے ہیں کمانیں قائم کی گئی ہیں۔ ایک کمان یا دروازہ کا نام باب بنی شیبہ ہے جو مقام ابراہیم سے قریب ہے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجدِ معظم اتنی ہی تھی جتنی مطاف ہے اور باب بنی شیبہ

اس کا دروازہ تھا۔ غرض کہ اسی میں سے ہم مطاف میں داخل ہوئے۔ برنی صاحب معلم کا کام دے رہے تھے۔ جس طرح معلم زور زور سے پڑھتا ہے اور حاجی اس کی نقل کرتے ہیں اسی طرح برنی صاحب پکار کر پڑھتے اور ہم اس کی نقل کرتے تھے۔

حجرِ اسود کے پاس کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ اٹھاکر جیسا نماز میں اٹھاتے ہیں یہ پڑھا۔ بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ وللّٰہ الحمد۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ۔ اللھم ایمانابک و تصدیقا بکتابک و وفاء بعھدک واتباعا لسنۃ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ و سلم۔

کعبہ شریف کو بائیں جانب رکھ کر حطیم کی طرف دعا مانگتے چلے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ پہلے تین شوط یعنی گردش میں رمل بھی کیا یعنی نزدیک نزدیک قدم ڈالتے ہوئے دوڑے، مونڈھے ہلائے۔ اس گردش میں حجرِ اسود کو واپس آنے سے پہلے ایک گوشہ خانہ کعبہ آتا ہے۔ اس کا نام یمانی ہے۔ اس کو صرف ہاتھ لگاکر بوسہ دیا۔

طواف میں لوگ یہ دعا، پڑھتے ہیں رب قنعنی بما رزقتنی و بارک لی فیھا اعطیتنی و اخلف علیّ کل غائبۃ لی منک بخیر لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر۔

جب حجرِ اسود کو پہنچتے وہی دعا پڑھتے۔ (بسم اللہ اللہ اکبر الخ) ہوسکتا تو بوسہ دیتے نہیں تو دوری سے اشارہ کرتے۔ جب سات شوط یعنی چکر ہوچکے تو حجرِ اسود کا آٹھواں استلام کیا یعنی بوسہ دیا۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں اور جو دل میں آیا دعا کی۔ اللھم انک تعلم سری و علانیتی فاقبل معذرتی و تعلم حاجتی فاعطنی سؤلی و تعلم مافی نفسی فاغفرلی ذنوبی۔ اللھم انی اسالک ایمانا یباشر قلبی و یقینا صادقا حتیٰ اعلم انہ لا یصیبنی الا ماکتبتہ علی فارضنی بما قسمتہ لی یاذا الجلال و الاکرام۔ اس کے بعد زم زم کا پانی پیا۔ ایک اور دفعہ استلامِ حجرِ سود کیا اور اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ تین دفعہ پڑھا۔

صفاو مروہ ہم سعی کو چلے صفا مروہ دوڑنے کے لئے۔ سعی کے وقت بڑے بادشاہ (سید محمد بادشاہ حسینی قادری) پھر مل گئے تھے۔ ساتھ مریدوں کا جمگھٹا تھا۔ ایک طرف زنانہ بھی تھا۔ بدرالدین معلم کا نائب مناسب دعائیں پڑھتا جاتا اور سب لوگ اس کی نقل کرتے۔ بڑے بادشاہ کبھی ہمارے ساتھ ہوجاتے کبھی اپنے مریدوں کے ساتھ۔ پہلے ہم کوہ صفا پر چڑھے، حرم مبارک کی طرف منہ کرکے دو ہاتھ اٹھاکر بلند آواز سے پڑھا اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر و للّٰہ الحمد۔ اور میں نے یہ درود بھی پڑھا۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد زنۃ عرشک و مداد کلماتک و منتھیٰ علمک کما ذکرک و ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرک و ذکرہ الغافلون۔

لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد۔ یحی و یمت وھو علیٰ کل شیء قدیر۔ لا الہ الا اللّٰہ وحدہ و صدق وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔ یہ پڑھ کر دعا، پھر سہ بارہ پڑھ کر دعا۔ یہ دعا بھی ماثورہ ہے۔ اللھم انک قلت ادعونی استجب لکم وانک لا تخلف المیعاد۔ وانی اسالک کما ھدیتنی للاسلام ان لاتنزعہ حتی تتوفانی و انا مسلم۔

اس کے بعد مروہ کا راستہ لیا۔ خدا ترکوں کا بھلا کرے انھوں نے سعی کے پورے میدان یا راستہ کو مسقف کردیا ہے۔ نہ دھوپ سے تکلیف ہوتی ہے نہ بارش سے۔ راستہ میں سبز ستون ملتے ہیں۔ وہاں سے تھوڑی دور پر اور ستون ہیں ان دونوں ستونوں کے درمیان اوسط دوڑ دوڑتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کا دوڑنا مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مروہ کی پہاڑی پر چڑھ کر پھر وہی ذکر، دعا درود پڑھا جاتا ہے۔

صفا سے مروہ تک ایک شوط۔ مروہ سے صفا تک دو شوط ہوئے۔ بعض پڑھے لکھے حاجیوں نے صفا سے مروہ ہوکر صفا پہنچنے کو ایک شوط سمجھا۔ اور اپنے مقلدین کو سات کے عوض چودہ شوط دوڑائے۔ سعی میں میں نے اپنے ایک ایک دوست کی طرف سے اللھم انی اسالک رضاک والجنۃ و اعوذبک من سخطک والنار پڑھتا گیا۔ سعی سے فارغ ہوکر دو رکعتیں مسجد معظم میں پڑھیں کیونکہ مستحب ہے والحمدللہ۔

سعی کے مقام پر دو طرف بڑی بڑی دوکانیں ہیں، روشنی بھی ہے، چائے شربت کی دوکانیں بھی ہیں۔ ہم نے آئسکریم یا برف کی ملائی بھی کھائی۔

یوم ترویہ قاری عبدالغنی صاحب بشیر جو بارون خان صاحب شیروانی پروفیسر عثمانیہ کالج کے قرابتدار ہیں ہمارے معلم بنائے گئے۔ چھ (۶) کی مغرب کے بعد نجدیوں کے قاضی نے اعلان کیا کہ آج سات (۷) تھی کل آٹھ (۸) ہے اور یوم ترویہ • ہے۔ تمام شہر میں گڑبڑ ہوگئی اور لوگ سرگرم انتظام ہیں۔ ۸/ کی عصر کو احرام باندھ کر ہم بھی عبدالغنی صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ پروفیسر بارون خان صاحب انہی کے گھر میں اترے ہوئے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد قافلہ چلا۔ علاوہ پیدل چلنے والوں کے چار شخدف اور چار شبریاں ہیں۔ قاضی عبدالغنی صاحب کے تین بھائی، ایک دوست، پانچ جمل ساتھ ہیں۔ بڑے انتظام سے ہمارا چھوٹا سا قافلہ چل رہا ہے۔ سب مل کر کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے اونٹ کسی سے نہ ٹکرائیں۔ چھ، چھ سات، سات قطاریں مل کر چل رہی ہیں۔ اور ٹکڑیوں سے چیخ و پکار ہے۔ یہ اونٹ گرا وہ اونٹ گرا۔ عبدالغنی صاحب خود بھی احرام باندھے ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ خود ان کا ایک اونٹ ہے مگر نہیں، وہ پیدل چل رہے ہیں۔

منیٰ منیٰ میں عشاء کی نماز پڑھی گئی۔

عرفات ۹/ تاریخ کی صبح عرفات پہنچے۔ عرفات کا میدان کیا ہے، میدان حشر ہے۔ ڈیڑھ لاکھ حاجی ان کے اونٹ اور جمل سب ایک کونے میں لگ گئے۔ اس وقت دل پر ایک سخت رقت طاری ہے۔ بہت دور سے اہلِ وطن وطن کو چھوڑ کر بغرض حج حاضر ہوئے ہیں۔ لبیک لبیک کی صدا دے رہے ہیں۔ معلوم نہیں ہمارا حج دربارِ خداوندی میں قابلِ قبول ہے یا نہیں۔

• یوم الترویہ سے مراد ۸/ ذی الحجہ ہے اس تاریخ کی شب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا خواب دیکھا تھا۔ اسی تاریخ کو حاجی مکہ معظمہ سے حج کے واسطے جانب عرفات روانہ ہوتے ہیں اور ۹/ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ اس میدان کے تین طرف پہاڑی کا سلسلہ ہے۔ میدان میں ایک طرف چھوٹی سی پہاڑی ہے جو جبل رحمت کہلاتی ہے۔ (۸ تاریخ کو حاجیوں کے لئے منیٰ میں پانی اکٹھا کیا جاتا تھا اس لئے بھی اسے یوم الترویہ کہتے ہیں)۔

خدائے تعالیٰ کے کون سے نیک بندے ہیں کہ ان کا حج قبول ہوگیا۔ ان کے طفیل سے دوسرے حاجیوں کا حج بھی مقبول ہوگیا ہے۔ اللھم لاتجعل منا شقیا او مطرودا۔ امام زین العابدین کی "صحیفہ کاملہ" میرے ساتھ ہے اس میں سے دعائے عرفات پڑھ لی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس نفس قدسی کے وسیلے سے اس دعا کو میرے لئے بھی قبول فرمالے۔ جبل الرحمۃ ہمارے سامنے ہے۔ نہ کسی خطیب کو ہم نے خطبہ پڑھتے سنا، نہ توپوں کی سلامی ہی ہوئی۔ نہ حاجیوں نے مبارک بادی کے طور پر رومال ہلائے۔

گرمی بڑی شدت کی ہے۔ میں ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل کرتا ہوں۔ علیکم بالشمس فانھا حمامات العرب یعنی دھوپ میں کبھی چھتری نہیں لیتا۔ نیز حیدرآباد خود ایک گرم ملک ہے۔ کشمیری، مغربی، ایرانی، دمشقی جو سرد ممالک کے رہنے والے ہیں ان کو سخت تکلیف ہے۔ ہاں اُن حیدرآبادیوں کو بھی تکلیف ہے جو بگھیوں میں بیٹھتے بھی تھے تو خس کی ٹٹیاں چھوڑ کر۔ بہرحال گرمی سے لوگوں کے دماغ مختل ہوئے جارہے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے سرسام ہوا جارہا ہے۔ مرنے والے مرتے بھی جاتے ہیں۔

مزدلفہ اور منیٰ زوال کے بعد سے جانے والے جانے لگے۔ ہم عرفات سے مغرب کے بعد نکلے اور "مزدلفہ" اتر پڑے۔

مزدلفہ سے منیٰ لے جانے کے لئے اونٹ والوں نے دیر کی لہذا ۸ یا ۱۰ بجے ہم پہنچے۔ ہارون خاں صاحب نے منیٰ میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ خیمے بھی تھے۔ شغدف اور شبریاں بھی تھیں۔ ●

ہارون خان صاحب نے اس نفسا نفسی کی جگہ ہم کو اپنا مہمان کرلیا۔ امیر صاحب نے اپنے پاس جو کچھ کھانے کا سامان تھا ان کے حوالے کردیا۔ ہارون خان صاحب نے خوب مہمان داری کی۔ لو خوب چل رہی تھی۔ ملک الموت اپنے فرائض بڑی مستعدی سے ادا کرتے نظر آرہے ہیں۔ راستہ کے ایک طرف ہم ہیں اور دوسری طرف مسجد خیف۔ جو مرتے ہیں سب مسجد خیف کے پاس جمع کئے جاتے ہیں۔ سرکاری طور سے معلوم ہوا کہ اس دن پانچ ہزار آدمی مرے۔ ہم لیموں کا شربت، تخم ریحاں کا شربت، آلو بخارا، تربوز کھاتے خدائے تعالیٰ کے دامنِ فضل و کرم میں پاؤں پھیلائے لیٹے ہیں۔ دوپہر کے وقت ہارون خان صاحب نے اس گھر میں جو صرف پتھر پر پتھر رکھ کر بنایا ہوا ایک کوٹھا ہے۔ بیچ میں پردہ باندھ دیا اور ہم وہاں مزے سے خراٹے لیتے سوتے رہے۔ یہ ہارون خاں صاحب کے اخلاق ہیں۔ اصل یہ ہے کہ خدا کا فضل ہے جو مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہورہا ہے۔

● وقوف مزدلفہ "۹/ ذلحجہ کی شام کو غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانہ ہوکر حجاج ۱۰/ ذلحجہ کی شب کو مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں اور فجر کی نماز کے بعد وقوف کرکے مزدلفہ سے روانہ ہوکر منیٰ پہنچ جاتے ہیں۔

وقوف منیٰ "اول عرفات جاتے ہوئے ۹/ ذلحجہ کی شب کو حجاج منیٰ میں ٹھیرتے ہیں ۹/ ذی حجہ کے دن عرفات میں بسر ہوتا ہے۔ ۱۰/ ذی حجہ کی شب کو مزدلفہ میں قیام رہتا ہے پھر ۱۰/ ذی حجہ کی صبح سے ۱۲/ ۱۳/ ذی حجہ کی شام تک منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے ۷۰ ستر کنکریاں رات ہی میں لے لیتے ہیں۔ ۱۰/ ذی حجہ کی صبح جمرۃ العقبہ کو سات کنکریاں مارتے ہیں۔ اپنے مقام پر واپس آکر قربانی کرتے ہیں (پھر رمی اور قربانی سے فارغ ہوکر) سر منڈالیتے ہیں جس کو حلق کہتے ہیں۔ عورتیں قصر کرتی ہیں۔ اس کے بعد مکہ معظمہ جاکر طواف و سعی کرنے کے بعد پھر منیٰ واپس ہوجاتے ہیں۔ پھر ہر روز ۱۱/ ۱۲/ ذی حجہ تینوں جمار کو یعنی پہلے پھر جمرۃ الاولیٰ پھر جمرۃ الوسطیٰ اور پھر جمرۃ العقبہ اسی ترتیب سے سات سات کنکریاں مارتے ہیں۔

جمرہ عقبہ | ۱۰ / ذی الحجہ جمرہ عقبہ کی رمی • کے لئے پیدل نکلے۔ رمیِ جمار کے بعد ہم اپنے مستقر کو واپس ہوئے۔ چار روپیہ چار آنے کو (قربانی کے لئے) بکری ملی جابجا جانور ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ جس سے ہر طرف تعفن ہے۔ سر مونڈنے کی دکانیں بھی ہیں۔ چار آنے دیجئے دو چار انگل سر مونڈ دے گا۔ اور اتنا ہاتھ تیز چلائے گا کہ کچھ نہ کچھ چرکا ضرور لگ جائے گا۔ ہم غریب ہندوستانی زخموں کو کیونکر برداشت کرسکتے ہیں۔ ہمارا " حلق " دوسرے روز پر موقوف رہا۔ ایک ہندوستانی حجام مل گیا جس نے بڑے اطمینان اور صفائی سے حجامت بنائی۔ آج ہمارے پاس ہمارے جمال حاجی عبداللہ آئے تھے۔ میں نے تُسر کا عمامہ دیا، حافظ صاحب نے کرتا دیا، امیر صاحب نے پائجامہ اور کربند۔ حبیب صاحب نے نعلین دیئے۔ کپڑے پہنا کر میں نے کہا۔ جب تم گھر پہنچو گے تو تمہاری دلہن کا دل باغ باغ ہوجائے گا کہ دولہا بڑے شاندار لباس میں ہے " اور آئینہ دیا کہ صورت دیکھئے۔ آئینہ دیکھ کر مجھ سے کہا۔ شیخ میں شیخ الجمالین نہیں شیخ العرب معلوم ہوتا ہوں۔ ہم نے چائے پلائی۔ بڑے خوش خوش ہم سے رخصت ہوئے۔

۱۱ / ذی الحجہ کو فی کس ایک ریال دے کر اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر مکہ شریف پہنچے اور طواف و سعی کی۔ طواف و سعی سے فارغ ہوکر ہم پھر منیٰ کو واپس چلے گئے۔

۱۲ / ذی الحجہ کو ہم لوگ رمی جمار سے فارغ ہوکر مکہ شریف آگئے۔

۱۳ / ذی الحجہ پروفیسر ہارون خاں صاحب نے ہمارے لئے شاہ نجد کے پاس سے بعد مغرب کے داخلہ کی اجازت حاصل کرلی۔ کل صبح ہماری روانگی ٹھیر چکی ہے۔

طوافِ صدر | عشاء کے بعد طواف صدر یا طواف وداع کا ارده کیا، عبدالغنی صاحب معلم ہمارے ساتھ تھے۔ بخار کی وجہ سے میرے لئے سبزہ رنگ دراز گوش لایا گیا۔ بہ تعمیل حکم امیر صاحب و تکمیل قاعدہ سفر عرب تھوڑی دیر کے لئے دراز گوش یعنی گدھے پر سوار ہوکر اتر گیا۔ عبدالغنی صاحب نے اس پر ضروری سامان لاد کر موٹر کے پاس روانہ کردیا۔ طواف صدر کے وقت بڑی برکت اور سرفرازی کے آثار پائے گئے۔ کیا تعجب ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمارا حج قبول فرمائے۔ اپنے اور اپنے قرابتداروں اور محبوں کے لئے دل کھول کر دعائیں کیں۔ امید ہے کہ وہ قبول ہوگئی ہوں گی۔ پھر موٹر کے قریب کے قہوہ خانہ میں جاکر سو رہے۔ موٹر نئی اور عمدہ کارخانہ کی ہے۔

۱۵ / ذی الحجہ　صبح ہورہی ہے۔ قہوہ خانہ کی صراحیوں سے پانی جمع کرکے ہم نے وضو کیا اور وہیں ایک جانب نماز پڑھ لی۔ ۳/۴ ۴ بجے ہیں اور موٹر روانہ ہورہی ہے۔ ، بجے جدّہ جا پہنچے۔ جدّہ میں قاعدہ ہے کہ مکہ شریف میں معلم رہتے ہیں ان کا وکیل یہاں بھی رہتا ہے جو حجاج کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے۔ غرض کہ خالد کے مکان میں خاصی جگہ ہم کو مل گئی۔

• " رمی جمار " ۔ منیٰ میں ۱۰ / ذیحجہ سے ۱۲ / یا ۱۳ / ذی الحجہ تک قیام کرتے ہیں۔ ۱۰ / ذی الحجہ کو صرف جمرۃ العقبہ کو سات کنکریاں مارتے ہیں۔ پہلے روز طلوع آفتاب سے دوپہر تک وقت مسنون ہے۔ زوال سے غروب آفتاب تک مباح، بعد غروب مکروہ الا ضعیفوں اور عورتوں کے کہ ان کے لئے بعد غروب مکروہ نہیں۔ باقی دنوں میں رمی کا وقت زوال سے غروب آفتاب تک ہے۔ قبل زوال جائز نہیں۔

۱۸/ ذی الحجہ خالد جو شمشیر براں ہیں ہم پر مہربان ہیں۔ اصل میں خدا ہم پر مہربان ہے۔ یا تو اندیشہ تھا کہ ہم کو جدہ میں ایک مہینہ تک انتظار کرنا پڑے گا یا تین دن میں ٹکٹ مل گیا۔ یہ مسبب الاسباب کے فضل و کرم کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے۔ بسیدک الخیر انک علیٰ کل شیء قدیر مکہ شریف سے سامان اونٹوں پر بار ہوکر آگیا۔

۱۹/ ذی الحجہ حبیب علی صاحب کا مکلہ کا ٹکٹ مل گیا۔ ۲۱/ کو جہاز روانہ ہوگا۔

جہاز سے واپسی تجربہ سے ثابت ہوا کہ خالد ہمارے لئے رحمتِ خدا ہے۔ خود پہنچانے ساحل تک آئے۔ سامان کشتیوں میں احتیاط سے رکھوا دیا اور ہم کو بھی سوار کرادیا۔ پردے کی کشتی ہے اور ہم کو اڑائے لئے جارہی ہے۔ جہاز کے قریب پہنچے تو کشتیوں کا ہجوم ہے۔ آدمیوں کی کشمکش ہے۔ کشتیوں پر سے کودتے پھاندتے امیر صاحب اور سیدھا چاند صاحب جہاز پر چڑھ گئے۔ بڑی دیر کے بعد ہماری کشتی کا نمبر آیا اور وہ جہاز سے جا لگی۔ کشتی سے سیڑھی تین چار فٹ بلند ہے۔ قدم خطا کرے تو سمندر میں غوطہ۔ برنی صاحب اوپر سے دیکھ رہے ہیں۔ بسم اللہ کہہ کر سیڑھی کا ڈنڈا پکڑ کر ایک جست کی بس سیڑھی پر تھا۔ پھر کیا تھا اپنے رفیقوں سے جاملا۔

۲۲/ ذی الحجہ کو جہاز عدن کے قریب سے گذر گیا۔

۲۴/ ذی الحجہ مون سون کی ہوا بہت زور سے بہنے لگی۔

۲۵/ ذی الحجہ۔ جہاز میں یالطیف کی زکوٰۃ دے رہا تھا۔ (لاکھ سوا لاکھ پڑھنے کو صوفیہ زکوٰۃ کہتے ہیں) آج یکایک مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری دونوں کنپٹیوں سے سرچ لائٹ سے زیادہ تیز روشنی نکلی۔ اس روشنی سے میرا دل و دماغ پریشان ہوگیا۔ سخت اختلاج ہونے لگا۔ سکرات کا مزہ آگیا۔ اس وقت پڑھنا چھوڑ دیا اور بے قرار ہوکر کھڑا ہوگیا۔ امیر صاحب نے پریشانی کی جو حالت دیکھی تو مجھے ہاتھ پکڑ کر عرشہ یعنی ڈک پر لے گئے۔ سکنڈ کے سامنے کے حصہ میں تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ اس واقعہ سے کئی دن تک میرے دل و دماغ پر اثر رہا۔

۲۷/ ذی الحجہ: صبح کے قریب بمبئی کا منارہ نظر آنے لگا۔ یعنی لائٹ ہاوس دنیا یا خشکی کو پہنچنے کی جو امید بندھی تو گھردار، بیوی بچے، دوست آشنا یاد آنے لگے۔ ۹ بجے جہاز گودی پر پہنچا۔ اول بیمار اتارے گئے۔ پھر تندرستوں کو اترنے کی اجازت ہوئی۔ گودی پر اترتے ہی ایک پان والا ملا۔ ہم سب نے لے کر پان کھایا۔ یا تو میں پان اور تمباکو (زردہ) دن بھر کھاتا تھا یا مہینوں ہوگئے ہیں۔ نہ پان ہے نہ تمباکو۔

واپسی بمبئی تا حیدرآباد از ریل سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور ریل میں جا بیٹھے۔ اتنا بڑا سفر کل چار مہینوں میں ختم ہوا۔ میں تو اس قابل نہ تھا کہ لوگ میرے آنے کو اس قدر اہمیت دیتے۔ حیدرآباد کا اسٹیشن استقبال کے لئے آنے والوں سے بھر گیا۔ میں نے حضرت یحییٰ پاشاہ (حضرت کے مرشدزادے) کو دیکھا تو دل بے قرار ہوگیا۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ بادشاہ سے ملوں اور وہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے باپ کے غلام سے ملیں۔ مگر ہجوم کی وجہ سے ملنا دشوار ہوگیا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ جلوس کے ساتھ گھر چلیں۔ مگر ملتے ملتے بہت دیر ہوگئی ہے۔ مغرب کا وقت قریب آگیا ہے۔ مولوی انوار الحق صاحب اور دوسرے حضرات کی موٹریں تیار ہیں۔ گلے میں کے پھول موٹروں میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ راستے والے سلام کرتے جاتے ہیں۔ گھر پر بہت لوگ جمع ہیں۔ زنانہ میں تمام قرابتدار بیسبیاں اور قادریات جمع ہیں۔ گھر پر بھی پھول سپنائے گئے اور مصافحے اور التماس دعا کا سلسلہ چلتا رہا۔

(حضرت کا روز نامچہ سفر عرب ختم ہوا)۔

۱۰۔ حلیہ

حضرت کا قدمیانہ مائل بہ قصر۔ رنگ گندمی سرخی لیا ہوا۔ غصہ اور مسرت کے موقع پر بہت زیادہ سرخ۔ گٹھیلا مضبوط بدن، زیادہ موٹے نہیں مگر وجیہ سر بڑا حلق کیا ہوا، جب حلق نہیں فرماتے تھے تو گھنی گھنگھر والی زلفیں تھیں۔ چہرہ بارعب روشن کتابی قدرے گولائی لیا ہوا، پیشانی نورانی بلند و کشادہ۔ وسط پیشانی میں بال واضح۔ چوڑی کمانیدار قریب بہ متصل ابرو۔ پر خمار غلافی بڑی بڑی خوبصورت اور خوب نورانی آنکھیں۔ آنکھوں میں لال ڈورے۔ پتلی سبزی مائل جس میں غیر معمولی چمک۔ کوے کھلے ہوئے۔ پلکیں ڈاٹ لمبی لمبی۔ ناک بلند اور نتھنے کشادہ۔ رخسار ابھرے ابھرے۔ دہانہ قدرے کشادہ۔ داڑھی گھنی سفیدی غالب۔ سینہ کشادہ۔ جوڑ بند چوڑے۔ اعضاء میں تناسب۔ شکم ابھرا ہوا۔ ہتھیلیاں نرم کشادہ۔ انگلیاں پر گوشت۔ چلتے تو قدم اٹھا کر تیز تیز اور نزدیک قدم ڈال کر چلتے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اوپر سے اترتے ہیں، سنت کا نمونہ ہیں۔ ہر عضو سے سنجیدگی و متانت نمایاں۔ چہرہ کے خد و خال وضع قطع اور نشست و برخواست سے عربیت نمایاں تھی۔ دیکھنے میں بالکل مدنی معلوم ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ بعد نماز جمعہ حاضر خدمت ہوا، دور سے چہرہ پر نظر پڑی تو محسوس طور پر کچھ تبدیلی نظر آئی۔ قریب آکر دیکھا، داڑھی بہت چھوٹی ہوگئی تھی۔ عرض کیا حضرت! کیا کسی نئے اصلاح ساز نے اصلاح بنائی ہے؟ فرمایا، نہیں۔ عرض کیا پھر یہ اصلاح ساز کو کیا سوجھی تھی کہ داڑھی بہت زیادہ چھوٹی کردی (عام طور پر دیکھنے میں حضرت کی داڑھی ایک مٹھی کے اتنی نظر آتی تھی) فرمایا "داڑھی ذرا زیادہ بڑھ گئی تھی۔ لوگ زیادہ آنے لگے تو خیال ہوا، داڑھی کے بڑھ جانے سے چہرہ سے شاید تقدس ظاہر ہورہا ہے اس لئے اصلاح ساز سے کہا داڑھی چھوٹی کردے"۔

ایک مرتبہ حسینی پاشاہ حضرت نے پوچھا "باوا جان یہ آپ کی آنکھوں میں اتنا نور کیسے ہے؟ حضرت نے جواب دیا "باوا! جوانی جیسی جوانی گذر گئی کسی عورت کو آج تک نظر بھر کر نہیں دیکھا"۔

ایک دفعہ ایک خاتون حاضر خدمت ہوئیں اور سلام کیا۔ حضرت نے سرسری انداز سے جواب دے دیا۔ انھوں نے بطور گلہ عرض کیا "حضرت! آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہے؟ میں فلاں ہوں، حضرت نے فرمایا "میں کسی عورت کو یاد رکھنے کی نظر سے دیکھتا ہی نہیں"۔

ایک مرتبہ فرمایا "اپنی آنکھوں سے کب دیکھ رہا ہوں، میں محمدؐ کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں"۔

۱۱۔ لباس

حضرت ہر قسم کا لباس پہنتے تھے۔ اپنا کوئی خاص بانا مقرر نہیں فرمایا تھا۔

گھر میں عام طور پر سفید لمبا کرتا، پاجامہ اور سر پر عربی وضع کی سفید ٹوپی اور رومال یا شال گلے میں حمائل رہتا۔ تسبیح بھی گلے میں ڈالے رہتے تھے۔ جب دل چاہتا گلے میں سے تسبیح اتار کر پڑھنے لگتے۔

دعوتوں یا شادی بیاہ کی تقاریب میں تشریف لے جاتے تو جامہ وار کی شیروانی زیبِ تن فرماتے۔ عمدہ قسم کا عمامہ باندھتے اور ہاتھ میں تلوار رہتی۔

کالج کے دور میں سرج کے سیاہی مائل نیلے رنگ کی شیروانی۔ نرم بالوں کی اونچی دیوار کی سیاہ ٹوپی پہنتے۔ دوہرا پاجامہ پہنا کرتے۔ پاؤں میں قیمتی پمپ شوز رہتا اور گلے میں ناسی یا گجگئی رنگ کا قیمتی شال حمائل ہوتا۔

وظیفہ پر ملنے کے بعد حضرت آلیوگرین یا شاہ خاموشی رنگ کے دبیز کپڑے کا کرتا اور پاجامہ ایک عرصہ تک پہنا کئے۔ سر پر رومال لپیٹ لیتے۔ ہاتھ میں بنوٹ کی لکڑی جس کے دونوں کناروں پر نوک دار شام لگی ہوئی رہا کرتی۔ پاؤں میں نعلین یا پمپ شوز بڑی سے بڑی دعوت میں اٹھے اٹھے چلے جاتے قطعاً کوئی اہتمام نہ فرماتے۔

اعراس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے جاتے تو چوبغلہ بھی کبھی کبھار پہن لیا کرتے تھے۔

کہیں جلسوں کی صدارت یا سرکاری مجالس میں جانا ہوتا تو شایا، عبا، عمامہ پہننے کا اہتمام فرماتے تھے۔

سرما میں حضرت نے کوٹ اور سوئٹر بھی پہنا ہے۔

آخری زمانہ میں گدڑی بھی استعمال فرمائی۔ سر پر ٹوپی بھی اسی کے ساتھ کی پہنتے تھے۔

حضرت کا ڈیل ڈول اور چہرہ مہرہ ایسا تھا کہ ہر لباس آپ پر خوب پھبتا تھا۔

۱۲۔ خور و نوش

ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا ۔ حضرت دو پہر کے خاصہ پر تھے ۔ خاصہ تناول فرمانے کے انداز کو بغور دیکھتا رہا ۔ عام لوگوں کی طرح خشکہ اور سالن ملاتے نہیں تھے ۔ تھوڑے سے خشکہ پر سالن رکھتے اور پھر سالن پر خشکہ اور نوالہ اٹھاتے صرف اوپر کی پوریں ہلکی سی متاثر ہوتیں بعد میں ان کو چوس لیتے تھے ۔

حضرت کے خاصہ سے فارغ ہونے کے بعد عرض کیا ۔ آپ کے خاصہ تناول فرمانے کے انداز کو بغور دیکھا ۔ فرمایا " کیا دیکھے اور کیا سمجھے " ؟ عرض کیا دستر خوان پر تین سالن تھے ۔ حضرت نے تینوں سالنوں کو یکے بعد دیگرے خشکہ میں ملاکر خاصہ تناول کیا ۔ پھر پہلے اور دوسرے سالن کو ملاکر ، پھر دوسرے اور تیسرے سالن کو ملاکر ، اس کے بعد پہلے اور تیسرے سالن کے ساتھ ، آخر میں تینوں سالنوں کو ملاکر خاصہ ملاحظہ فرمایا ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا " کتنے مزے ملے ۔ اگر تینوں کو ملاکر کھاتا تو ایک ہی مزہ ملتا " ۔

ایک مرتبہ فرمایا " خوش ذائقگی ایک معنیٰ ہے ۔ لیکن یہ جب کبھی پائی جائے گی کسی نہ کسی شکل میں پائی جائے گی ۔ جیسے لیمو یا شکر میں ۔ اصل میں شکر یا لیمو جیسی شئے کے ساتھ روح مَس کرتی ہے تو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔ وہ کیفیت کہاں پیدا ہوئی ؟ مجھ میں پیدا ہوئی ۔ زبان ایک مادی چیز ہے ۔ اس کو کھٹا اور میٹھا کہاں محسوس ہوتا ہے ۔ یہ تمام ذائقے میں محسوس کرتا ہوں ۔ اس کا علم میری ذات کو ہورہا ہے ۔ آپ نے عطر سونگھا ۔ آپ کی ناک کیا سونگھے گی ۔ عطر سے آپ کی روح نے مس کیا تو اس میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی ۔ اس کا نام خوشبو ہے ۔

یہاں ایک واقعہ صرف اس غرض سے بیان کرتا ہوں کہ مزے کے تعلق سے رہبری ہوتی ہے ۔ فصوص الحکم کا درس چل رہا تھا ۔ آخری فص ، فصِ محمدی کے آخری حصہ کی ایک عبارت پڑھنے کے بعد کرنل حبیب علی صاحب نے عرض کیا ۔ " سرکار ، اس مقام کو ذرا تفصیل سے سمجھائیں " حضرت نے فرمایا " آگے بڑھو " ۔ حاضرین میں سے چند حضرات نے اصرار کیا تو فرمایا " میں اس کے اہل کو سمجھاؤں گا آگے بڑھو " ۔ فص ختم ہوئی ، کتاب ختم ہوئی ۔ کچھ لوگ واپسی کے لئے دست بوسی کرنے بڑھے ۔ حضرت نے دریافت فرمایا " صمدانی کہاں ہے " ؟ فوراً حاضر خدمت ہوگیا ۔ فرمایا " بیٹھو " ۔ بیٹھ گیا ۔ " قریب آؤ " قریب ہوا ۔ " اور قریب آؤ " بالکل قریب ہوگیا ۔ فرمایا " ان سب کو (یعنی اہلِ درس حضرات کو) چلے جانے دو " اور ہاتھ کے اشارہ سے سب کو چلے جانے کا اشارہ کیا ، انداز کچھ ایسا تھا کہ لوگ بغیر ملے سامنے سے ہٹ گئے ۔ حضرت مدینہ منزل کے نئے مکان کے دالان میں درس دے رہے تھے بعض لوگ پھاٹک کے باہر ہوگئے اور بعض کمرہ میں ۔ اور بعض ورانڈے میں جو دالان سے ملحق تھا تیزی سے ہٹ گئے ۔ جب تخلیہ ہوگیا تو حضرت نے مسئلہ سمجھایا پھر فرمایا " یہ لوگ گئے نہیں ٹھیرے ہوئے ہیں تم سے پوچھیں گے ، تم ان سے صرف اتنا کہنا ۔ آم اللہ کا عطیہ ہے ۔ آم ہم کھا رہے ہیں ، آم کھایا جارہا ہے ۔ آم مزہ دے رہا ہے اور ہم مزہ لے رہے ہیں ۔ نہ ہم نہ آم ، مزہ ہے مزہ ہی مزہ ہے ۔ کیا مزہ ہے " ۔ مزہ کی خاص حالت میں چہرہ پر مزہ کی کیفیت نسبت الی الحق کے ساتھ پیدا ہونے پر جو محویت اور خود فراموشی پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں میں جو چمک اور نشہ کی سی کیفیت نمایاں ہوتی ہے وہ تاثر پیش کیا اور اس کو اپنے چہرے سے نمایاں کیا تاکہ بات پوری طرح پلے پڑجائے تاکہ آئندہ اپنے وقت پر صحیح طور پر عمل میں آسکے ۔ اور ماسویٰ اللہ سے بے خبری ہوسکے ۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ایک مرتبہ فرمایا۔ حواس دو قسم کے ہوتے ہیں۔
۱۔ فنا کے پہلے تو بھی تھا، تیری لذت بھی تھی یہ شرک ہے۔
۲۔ فنا کے بعد جو لذت ملتی ہے وہ اللہ ہی کو ملتی ہے۔

ہمارے یہاں کا مسئلہ ارتقاء کا ہے۔ فنائیت کے بعد سب کا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔ ہم غفلت کی آرزو نہیں کریں گے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ حضرت بایزید سلطان العاشقین کہلاتے ہیں۔ آپ ایک مرتبہ فرمائے کہ دودھ پیا تھا، پیٹ میں درد ہورہا ہے۔ بس اتنی سی بات پر پکڑ ہوئی۔ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے۔ پوچھا گیا ہمارے لئے کیا تحفہ لائے؟ عرض کیا تیری معرفت۔ جواب ملا خوب معرفت ہے کہ پیٹ کا درد کا سبب دودھ بن رہا ہے"۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ ایک وقت ایک بہت زہریلا بچھو پیٹھ میں ڈنک مارا تو اس جگہ اتنی تکلیف تھی کہ چھالا آگیا۔ میں اس وقت لوائح جامی پڑھ رہا تھا۔ کسی دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہو تو میں بولتا، ارے میں کہاں ہوں؟ تو وہ درد غائب ہوجاتا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہونے لگتا کہ نہیں تو ہے اور میں تجھے ڈنک مارا ہوں۔ پھر میں کہا۔ ارے! کہاں ہوں میں؟ تیرے بولنے سے میں شرک کرتا ہوں؟"

ایک مرتبہ فرمایا۔ بھوک لگنا کیا ہے؟ گویا رزاق پوچھ رہا ہے بندے سے کہ تجھے کھانا ہونا کیا؟ اسی طرح تمام فطری طلبوں کا حال ہے۔ تجھے کھانا ہونا کیا؟ نیند ہونا کیا؟ بول تجھے کھانا دیتا ہوں۔ گویا سب کام ان ہی کے ذمہ ہیں۔ کھانے کی طلب، کھانا دینا، اور کھانا بن کر آنا۔ آدمی کچھ اسی وقت مانگے گا جب اس کے دل میں آئے گا۔ اور یہ دل میں آنا رزاق کی طرف سے ہے۔ اور یہ ہر بندے کو پیش آتا ہے۔ یہی مطلب ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (اقبالؔ)

میری عمر لگ بھگ آٹھ یا نو سال ہوگی۔ ہم لوگ والدہ کے ساتھ حضرت کے پاس مہمان گئے۔ حضرت رکاب گنج کے گھر میں تھے۔ حضرت بڑے گھر میں رہتے تھے۔ اور منجھلے گھر میں لوگوں سے ملاقات کرتے۔ منجھلے گھر میں دالان در دالان کے ایک طرف لمبا کمرہ تھا۔ جس میں حضرت کا کتب خانہ تھا۔ اس کے بالمقابل ایک اور لمبا اور کشادہ کمرہ تھا، جس میں حضرت آرام فرماتے تھے۔ اس میں حضرت کی مسہری، ورزش کا سامان اور کپڑوں کی الماری تھی۔ یہ کمرہ بسنتی کمرہ کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں سے بڑے گھر میں جانے کے لئے دروازہ تھا۔ دلہنوں کو بھی برکتاً اسی کمرہ میں اتارا جاتا تھا۔ میں جو والدہ کے ساتھ پہنچا اور حضرت کو بڑے گھر میں نہ پایا تو حضرت سے قدم بوسی حاصل کرنے کے شوق میں منجھلے گھر میں بھاگا۔ دیکھا تو دالان میں حصیر پر بیٹھے حضرت ایک صاحب کو درس دینے میں مشغول ہیں۔ وہ صاحب سفید عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ اور داڑھی سفید تھی۔ حضرت ان کو توحید کا مسئلہ سمجھا رہے تھے۔ اور بالکل منہمک تھے۔ میرے قریب آجانے کا بھی حضرت کو احساس نہ ہوا۔ میں حضرت سے ملے بغیر خاموش کھڑا ہوگیا۔ اور گفتگو سننے لگا حضرت ان سے فرما رہے تھے" باوا! کھانا کھاتے وقت خیال کرنا" اللہ کی تجلی کھانے کی صورت میں ہے، اور یہ تجلی ظاہر سے باطن

میں جارہی ہے ۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی ۔ حضرت نے مثال دی ۔ جیسے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل لیتی ہے ظاہر سے باطن کرلیتی ہے اپنا جزو بدن بنالیتی ہے ۔ اتنی واضح مثال کے بعد بھی بات ان کے پلے نہیں پڑ رہی تھی ۔ مگر میں پوری طرح سمجھ رہا تھا ۔ مجھے خیال آرہا تھا کہ حضرت یہ سمجھا رہے ہیں کہ اللہ کی تجلی کھانے کی صورت میں کھائی جارہی ہے ۔ اور اللہ کی تجلی کھانے والے کی صورت میں اس تجلی کو جو کھانے کی صورت میں ہے کھا رہی ہے ۔ ظاہر سے باطن کر رہی ہے ۔ اپنا جزو بدن بنا رہی ہے ۔ یہ سوچتے ہوئے بے اختیار سوال کر بیٹھا ۔ حضرت یہ تو کھانا کھاتے وقت کی بات ہوئی ۔ ضرورت سے بیت الخلا جائیں تو کیا خیال کرنا ؟ ۔ حضرت میری طرف اب تک متوجہ نہیں ہوئے تھے ۔ اچانک سوال پر چونک پڑے اور نظر اٹھاکر بغور میری طرف دیکھا چہرہ سے تعجب اور آنکھوں سے غیر معمولی محبت کا اظہار جھلکا مگر ساتھ ہی ڈانٹ کر کہا ۔ یہ تمہارے کرنے کا سوال ہے ۔ جاؤ کھیلو ۔ میں گھبرا کر بغیر ملے بڑے گھر کی طرف رخ کیا ۔ مگر یہ بات میرے دل و دماغ میں شدت کے ساتھ اور پورے یقین کے ساتھ اتر گئی اور تصوف سے میری دلچسپی کی ابتداء بن گئی ۔

(میں نے حضرت سے جو سوال کیا تھا اس کو اس طرح سمجھنا چاہئیے کہ آپ کے خیال میں بچہ ہے اور آپ نے خیال کیا کہ بچہ پیشاب کر رہا ہے ۔ اور آپ کا خیالی بچہ پیشاب سے فراغت بھی حاصل کیا ۔ اس کے پیشاب کرنے سے آپ کی ذات پر کیا اثر آیا ؟ کچھ اثر نہ آیا اور نہ آپ کی پاکیزگی ہی متاثر ہوئی ۔ آپ کے خیالی بچہ نے پیشاب کیا نہ کہ آپ نے ۔ خارج میں تو آپ ہیں بچہ تو آپ کے خیال میں ہے اور وہ خارج میں آ بھی نہیں سکتا ۔)

بچپن کا یہ تذکرہ جب آہی گیا ہے تو آگے کا حال بھی سن لیجئے اگر چہ موضوع سے ہٹا ہوا ہے ۔ مگر ہے اسی دن کا ۔ حضرت درس ختم کرکے اندر تشریف لائے اور والدہ نے حضرت سے قدم بوسی حاصل کی ۔ میری والدہ حضرت کی نہایت چہیتی صاحبزادی تھیں ان کو اپنے والد سے عشق تھا ۔ گھر میں اکثر فرمایا کرتی تھیں ۔ باوا جان رسول اللہ میں فنا ہیں ۔ میں ان کو دیکھ دیکھ کر درود پڑھتی ہوں ۔ یہ بات والدہ نے اتنی بار کہی تھی کہ ہمارے ذہن پر چھا گئی تھی ۔ والدہ کے زیر اثر ہماری نظر کھلی تو بجائے نانا کے مظہر رسول پر نظر پڑنے لگی تھی ۔ حضرت والدہ سے باتیں کر رہے تھے اور پان ملاحظہ فرما رہے تھے اور میں بچوں کے ساتھ بھاگ دوڑ میں مصروف تھا مگر حضرت سے غافل نہ تھا ۔ اسی کھیل کود کے دوران حضرت کے قریب سے گزرا تو مجھے مخاطب کرکے فرمایا ۔ بیٹے ! ذرا میری پیٹھ پر کودو ۔ اور حضرت دیوار سے قریب سرکنے لگے اور دیوار کے قریب لیٹ گئے ۔ مجھے حضرت کی خدمت کا یہ پہلا موقع تھا ۔ ذہن میں احترام کی وجہ سے تھوڑا تامل تو ہو رہا تھا مگر تعمیل حکم کا خیال خدمت کا شرف حاصل کرنے پر مائل بھی تھا ۔ اور اس بات کا تردد بھی تھا کہ حضرت ، رسول اللہ میں فنا ہیں میں یہ خدمت کیسے کروں ، ساتھ ہی دل میں خیال آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اپنے نواسوں کو پیٹھ پر بٹھا لیتے تھے حضرت اس ترکیب سے یہ سنت پوری فرما رہے ہیں کیونکہ میں بھی حضرت کا نواسہ ہوں ۔ اتنے میں حضرت نے پیٹھ پر کودنے کے متعلق سے ۔ ہوں ۔ کہا ۔ میں فوراً امام حسنؓ کا تصور کرکے پیٹھ پر چڑھا اور کودنے لگا ۔ حضرت نے فرمایا ۔ ہوں ۔ کودو زور زور سے کودو ۔ میں خیال کرتا گیا کہ میں نہیں کود رہا ہوں ، امام حسنؓ کود رہے ہیں ۔ اور دیوار پکڑ کر زور زور سے اچھل اچھل کر کودنے لگا ۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا ۔ اچھا اب بس شاباش ۔

ایک مرتبہ حضرت پانی پی رہے تھے۔ فرمایا "باوا! پانی میں حیات کی تجلی ہے۔ قرآن میں ہے کل شئی حی من الماء۔ یہ حیات کی تجلی ظاہر سے باطن ہورہی ہے۔ پانی پیتے وقت پانی جب حلق سے اترتا ہے تو حلق سے حی کی آواز نکلتی ہے۔ حی حی کا خیال کرتے ہوئے پانی پینا چاہئیے"۔

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت کمرے میں داخل ہوا۔ حضرت تنہا تھے۔ پیٹھ دروازے کی طرف تھی، کچھ مصروف تھے۔ میں قریب پہنچا اور قدم بوسی حاصل کی۔ دیکھا تو جوار کی چھوٹی سی روٹی، روغنی روٹی کے اتنی ہاتھ میں ہے اور ایک المونیم کے کٹورے میں انبارے کی بھاجی۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ ہوسکتا ہے۔ کسی عقیدت مند نے اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہو۔ حضرت نے مجھے دیکھا تو فرمایا "فقیروں کی غذا ہے کھاتے؟" میں سمجھا کہ کیسا فرمارہے ہیں۔ طلب کرنے سے ڈرا اور عرض کیا "حضرت آپ خود کھلائے تو کھاتا ہوں"۔ (یعنی کھلانے، کھانے اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ گزرنے والا ہے اس کو اٹھانے کی ساری ذمہ داری آپ کی)۔ حضرت نے اس روٹی میں سے پاؤ روٹی توڑ کر عنایت فرمائی۔ میں حضرت کے ساتھ اسی کٹورے میں سے بھاجی لیتا گیا اور کھاتا گیا۔ ع

وہ خود کریں نگاہ تو پھر کیا کریں گے ہم

ایک مرتبہ درس میں فرمایا "اپنے کسب کی روٹی کھاؤ اور اگر بغیر محنت اللہ تعالیٰ دے دے تو اس کا شکر ادا کرو"۔

موسم گرما تھا۔ دوپہر کے وقت مدینہ منزل کے بیرونی مکان کے کمرہ میں حضرت تخت پر لیٹے ہوئے تھے اور چند حضرات حضرت کو گھیرے کھڑے تھے۔ میں بھی پہنچا اور ان کے پیچھے جہاں جگہ ملی کھڑا ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا "پان"۔ ایک صاحب دوڑے، گلاس میں پانی لیا اور تھرماس میں سے برف کے چند ٹکڑے ڈال کر حضرت کے ملاحظہ میں پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا "یہ کیا؟ میں پان کہا تھا"۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر استفسار فرمایا "کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے پانی پیا جائے یا نہیں"۔ بعض لوگوں نے عرض کیا حضرت کی مرضی۔ فرمایا "میری مرضی ہوتی تو پوچھتا کیوں تھا"۔ حضرت سے معروضہ کیا گیا یہ جب لاہی لئے ہیں تو ملاحظہ فرمالیں۔ فرمایا "اچھا اٹھاؤ"۔ حضرت کو سہارا دے کر اٹھایا گیا۔ حضرت گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گئے، اور گلاس لے کر پانی پینے لگے۔ برف کی ڈلی منہ میں آئی تو فرمایا "یہ برف کی ڈلی ہے کتے، اس کو چبانا کتے"۔ حضرت کے دانت آخر تک مضبوط رہے برف چبانے کی آواز سنائی دی۔ پھر حاضرین پر نظر دوڑائی اور گلاس میری طرف بڑھادیا۔ گلاس لے کر میں نے بآواز بلند کہا "یہ میں ہوں کتے"۔ "یہ گلاس ہے کتے، اس میں پانی ہے کتے، اس کو پینا کتے، اور پانی پینے لگا۔ برف کی ڈلی منہ میں آئی تو کہا "یہ برف کی ڈلی ہے کتے، اس کو چبانا کتے، اور برف چبانے لگا۔ سب لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ خود حضرت بھی ملاحظہ فرمارہے تھے اور میری آواز بھی سن رہے تھے۔

(کتے کے مفہوم کو اس طرح سے سمجھئے، مثلاً کوئی یہ کہے "فلاں بات ایسی ہے کتے"۔ کتے کہنے سے ایک قسم کا مطلب میں جھول پیدا ہوگیا۔ یعنی فلاں بات ایسی بھی ہوسکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی ہے۔ کتے (دکھنی زبان کا لفظ) کہنے سے بات غیر یقینی ہوجاتی ہے۔) حضرت کا شعر ہے۔

میں ہوں بھی سہی اور نہیں ہوں بھی سہی ÷ حیرت بخدا عجب تماشہ ہوں میں

اصل میں موجود تو اللہ ہے، وجود تو اسی کا ہے۔ اور ساری تعینات وجود ہی کے ہیں۔ مگر اللہ ہی کے علم کے عین مطابق۔ موجود تو وجود ہے مگر تعین تو علمی ہے۔ انتزاعی ہے، خیالی ہے۔ اللہ کو جس طرح دیکھو خارج میں ہے اور بندے کو جس طرح بھی

دیکھو عدمی اور خیالی ہے۔ اسی بات کو حضرت نے دکھنی زبان کے ایک لفظ کتے سے ظاہر فرمایا۔ حضرت کا ایک شعر ہے۔

خارج میں ہے اصل وجود ÷ علم میں ساری خلقت ہے

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " شیخ سے صرف علم ہی نہیں احساسات بھی ملتے ہیں۔ استاد سے صرف علم۔ اصل چیز احساسِ وجود ہے، جو فقیر کی توجہ کے بغیر حاصل ہونا دشوار ہے "۔

ایک مرتبہ فرمایا " جنت، دوزخ، خدا کے سوا سب استعارہ ہے۔ ہم منطقی ہیں ہم بولتے ہیں خدا کے سوا سب انتزاعی۔

حضرت اکثر ناشتہ نہاری کلچوں سے فرماتے تھے۔ شہد کا استعمال بھی رکھتے تھے۔ اکثر رات کے کھانے کے بعد بالائی ملاحظہ فرماتے تھے۔

حضرت کو چپاتی (الٹے توے کی پتلی روٹی) روغنی روٹی اور خمیری روٹی پسند تھی۔ کھانوں میں جوگن ماتھی اور سالنوں میں شب دیگ، دہی کی کڑی، بیگن کا دلمہ پسند تھا۔ تلی ہوئی مچھلی شوق سے کھاتے تھے۔ مچھلی کے کانٹے کو مسکہ کی طرح گلا دینے کے سلسلہ میں حضرت نے کئی تجربات کرائے کانٹا گلا ضرور مگر حضرت جیسا چاہتے تھے ویسا نہ گل سکا۔ ٹٹی کا گوشت بھی شوق سے کھاتے تھے۔ دل چاہتا تو تیار کرواتے۔ آم کا مربہ۔ پکا ہوا آم رس، انار کا شربت اور فالسہ کا شربت پسند تھا۔ رحیم پاشا صاحب گرما کی چھٹیوں میں جب مدارس کو تعطیل ہوجاتی، میدک سے حیدرآباد تشریف لاتے تو انار کا شربت، آم کا مربہ اور پکا ہوا آم رس نہایت اہتمام سے گھر میں تیار کرواکر ان کے کئی مرتبان اور شیشے ساتھ لاتے اور حضرت کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت اس کو محفوظ رکھواتے اور کئی دن تک استعمال میں لاتے اور ذائقوں کی تعریف کرتے جاتے۔

بھٹوں کے زمانہ میں دودھیا بھٹے چن چن کر خریدتے اور رومال میں باندھ کر خود لے آتے۔ بھنے ہوئے بھٹے پسند تھے۔ دانتوں سے کترکتر کر بڑے سلیقے سے کھاتے تھے۔

ایک بیوی نے سُٹے کا میٹھا بناکر ملاحظہ میں پیش کیا۔ حضرت نے اس کو بے حد پسند فرمایا۔ اتفاقاً میں پہنچا تو سُٹے کا میٹھا چکھایا۔ اس کے ذائقہ کے تعلق سے دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا " حضرت اگر گھاس کو بھی کھویا یا بالائی ڈال کر پکایا جائے تو میٹھا تیار ہوجائے گا "۔ یہ سن کر حضرت کو ناگواری ہوئی۔ فرمایا " تم پہلے یہ بتاؤ سُٹے کی بو اور ذائقہ باقی ہے یا نہیں ؟ عرض کیا بو اور ذائقہ دونوں یقیناً باقی ہیں۔ پھر فرمایا " اس کے باوجود میٹھے میں لذت ہے یا نہیں ؟ عرض کیا لذت بھی ہے۔ فرمایا " سُٹے کی بو اور ذائقہ بھی باقی ہے اور لذت بھی ہے پھر یہ گھاس کیا بات "۔

میٹھوں میں پورن پوری۔ بادام کی جالی پسند تھی۔

مغزیات میں بادام اور پستے بکثرت استعمال کرتے تھے۔ جیبوں میں پڑے رہتے تھے۔ آم کی آئس کریم پسند تھی۔ اکثر گرما میں گھر میں تیار کرواتے اور سارے گھر والوں کو چکھنے تک کھلاتے۔ رنجبک بے حد پسند تھی۔ اپنے ذوق کے مطابق اس کا ایک خاصہ نسخہ مرتب فرمایا تھا۔ رمضان شریف کے اوائل میں اپنی ذاتی نگرانی میں تیار کرواتے۔ چھوٹے مرتبان یا روغنی کلیاں منگواتے اور اس میں رنجبک بھرکر رشتہ داروں اور قریبی ملنے جلنے والوں کے پاس پنڈ کھجور کے ساتھ تحفتہً روانہ کرتے۔ رنجبک کا نام رنجبک قدیری رکھا تھا۔ رنجبک قدیری کا نسخہ حسبِ ذیل ہے۔

امچور ۲۰ تولہ۔ املی ۲۰ تولہ۔ لہسن ۸ تولہ۔ ادرک ۱۲ تولہ۔ مرچ سرخ ۲۰ تولہ۔ کلونجی ۲ تولہ۔ رائی ۲ تولہ۔ سونف ۲ تولہ۔ اجوائن ایک تولہ۔ مرچ سیاہ ۳ تولہ۔ پودینہ خشک ۲ تولہ۔ کھجور ۵ تولہ۔ شکر ۲۰ تولہ۔ منقی ۵ تولہ۔ سرکہ ۸ تولہ۔

سہ پہر کی چائے

حضرت جب مردانہ حصہ میں رہنے لگے اور زنانہ مکان میں حضرت کی آمد و رفت کمزوری کی وجہ سے مشکل ہوگئی تو حضرت نے گھر کے تمام افراد کو حضرت کے ساتھ مل بیٹھنے اور وقت گزارنے کا موقع سہ پہر کی چائے کے وقت فراہم کیا۔ تخت کے اطراف کرسیاں رکھ دی جاتیں، درمیان میں میز رکھا جاتا۔ اور وقت مقررہ پر حضرت کی زوجہ محترمہ کے ساتھ حضرت کی بہو بیٹیاں، پوترا پوتری نواسہ نواسی، صاحبزادے اور داماد جو بھی اس وقت گھر میں رہتے جمع ہوجاتے۔ حضرت ان سے باتیں کرتے، ہنستے بولتے اور چائے کا دور چلنے لگتا۔

حضرت اپنے دل کو کبھی بجھنے نہیں دیتے تھے۔ کوئی حالت ہو۔ کوئی جگہ ہو۔ حضرت کا دل ہمیشہ مسرور رہتا۔ اگر کسی شخص نے حضرت سے ہر حال میں خوش رہنے کا سلیقہ سیکھ لیا تو یقین جانئے اس نے زندگی کا سب سے بڑا گر سیکھ لیا۔ سہ پہر کی چائے کا یہ وقت تمام افراد خاندان کے اوقات کا سب سے زیادہ پر کیف وقت ہوتا تھا۔

حضرت کو بغیر دودھ کے سادہ چائے پسند تھی۔ فنجان میں پینے کو ترجیح دیتے تھے۔ کئی قسم کے فنجانوں کے سٹ موجود تھے۔ طلائی بھی اور سادہ بھی۔ فنجان پیالیوں کے مقابلہ میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر بے ذوقی کے ساتھ پیجئے تو صرف دو گھونٹ میں ختم ہوجائیں۔ حضرت چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے اور سب کو دیکھتے جاتے، تبسم فرماتے جاتے۔ کبھی فنجان کو اوپر اٹھاکر چائے کا رنگ دیکھتے اور رنگ کی تعریف کرتے۔ چائے کی چسکی لیتے اور ذائقہ کی تعریف کرتے۔ چائے کے (فلیور) خوشبو کی طرف متوجہ کرتے، موقع کی ایک آدھ بات بیوی بچوں سے کرتے، اس طرح کتنی دیر میں فنجان ختم ہوتا تو دوسرے کے لئے ہاتھ بڑھاتے۔ سب کو حضرت کا ساتھ دینا پڑتا۔ اگر کوئی ایک ہی فنجان پر اکتفا کرنا چاہتا تو اس سے فرماتے فنجان کو اوندھا رکھدو، ورنہ مزید چائے کی حسن طلب سمجھی جائے گی۔ عربوں کے چائے پینے کے انداز اور چائے کے دور کے طور طریق سے آگاہ کرتے۔ کسی سے بدذوقی کا مظاہرہ ہونے ہی نہ پاتا ہر شخص یہ محسوس کرتا جیسے اس کی طبیعت کا انقباض اچانک دور ہوگیا ہو۔ انشراح اور شگفتگی نے اس کی جگہ لے لی ہو۔

چائے کے سلسلہ میں حضرت کا ذوق دوسروں سے مختلف تھا۔ حضرت چائے کو چائے کے لئے پیتے تھے۔ بازار میں دستیاب ہونے والی سب سے بہتر قسم کی چائے استعمال فرماتے۔ چائے میں شکر کم استعمال کرتے تاکہ ہلکی سی تلخی جو چائے میں ہوتی ہے باقی رہے جو چائے کا حقیقی ذائقہ ہے۔

حضرت چائے میں چوکور دانوں کی موٹی قند استعمال کرتے تھے۔ چائے کا حقیقی ذائقہ اسی سے کھلتا ہے۔ چائے کا مزاج اس قدر لطیف واقع ہوا ہے کہ کوئی چیز جو خود اس کی طرح صاف اور لطیف نہ ہو وہ اس سے میل نہیں کھاتی۔ وہ نہ ملے تو قند، اگر معمولی شکر کی چائے پیش کی جاتی تو پی تو لیتے مگر حضرت کے ذوق کی تکمیل نہ ہوتی۔ کیونکہ چائے کا مزہ دراصل اس کی لطافت و کیفیت کے ذوق و احساس میں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت نے چائے میں مزید لطافت و کیفیت اور خوشبو پیدا کرنے کے خیال سے مجھے ایک تجربہ کرنے فرمایا۔ چند چیزیں منگوائیں، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، الائچی، عنبر دانہ، سادہ چائے کئی فنجانوں میں بھری گئی۔ ایک میں عرق گلاب کا خفیف سا جزو

دوسرے میں عرق کیوڑہ کا خفیف سا جزو تیسرے فنجان میں الائچی کے چند دانے اور چوتھے میں عنبر دانہ کے چند دانے ڈالے گئے ۔ مگر چائے کی لطافت نے کسی اور کی شرکت گوارا نہ کی ۔ عرق گلاب کا خفیف سا جزو کچھ ساتھ ضرور دیا مگر چائے کی اصلی خوشبو برقرار نہ رہ سکی ۔ لہذا حضرت نے کسی چیز کی ملاوٹ کو پسند نہ فرمایا ، بعض لوگ چاکلیٹ مکسچر کو پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ چائے کے پتے کو کیوڑے کے پھول میں بساتے ہیں ۔ اپنی اپنی پسند ہے ۔

اگر کوئی دعوت دیتا یا خود بغرض ملاقات کسی کے پاس تشریف لے جاتے ، وہاں کافی یا دودھ کی چائے پیش کی جاتی تو خوشی سے نوش فرماتے ۔

طشتری میں کوئی چائے پیتا تو ٹوک دیتے اور فرماتے طشتری پیالی رکھنے کے لئے ہے ، چائے پینے کے لئے نہیں ۔ پیالی سے چائے پینا چاہیئے ۔

ایک مرتبہ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمقتدر صدیقیؒ بغرض ملاقات حضرت کے دولت خانہ پر تشریف لائے ان کے ذوق کے مطابق زیادہ شکر کی چائے اور حضرت کے ذوق کے مطابق کم شکر کی چائے پیش کی گئی ۔ انھوں نے چائے کا ایک گھونٹ لیا اور مزید شکر طلب کی اور اس میں ملائی ۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا " یہ تو شربت ہے " مولانا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا " بھائی آپ جو پی رہے ہیں وہ تو جوشاندہ ہے ۔ میں تو چائے میٹھے کی خاطر پیتا ہوں " اس نوک جھوک سے سب لوگ نہایت محظوظ ہوئے ۔

۱۳۔ سیرت

سیدی و سندی حضرت عبدالقدیر جامع الکمالات تھے ۔ عالم تھے ، عارف تھے ، صاحبِ تمکین تھے ، صاحبِ یقین تھے ۔ دوامِ حضور ان کی جان تھا ۔ عشق و محبت ان کا ایمان تھا ، عبدیت ان کا مقام تھا ، ہر ایک کو اس کا حق دینا ان کا کام تھا ۔ اللہ کو اللہ کا ، بندہ کو بندہ کا ۔ احوال تابع شریعت تھے ۔ اتباعِ سنت سے ساری عزت و حرمت ملی تھی ۔ اپنے کو گمنامی میں رکھنے کے لئے کسی ایک چیز کو اپنا اوٹ بنالیتے ۔ کبھی علم کو تو کبھی فقیری کو ۔ کسی مسئلہ کی وضاحت فرماتے تو سامعین کے لئے اس سلسلہ میں ایسی شمع علم روشن کرتے جو اس اجمال کے دھندلکے پر تفصیل کی روشنی پھیلادے ، جہل اور تردد کو علم یقین میں مبدل کردے ۔ کبھی کسی جملہ کو بار بار دھراتے تو ہر وقت ایک نیا معنیٰ دیتے ، نئی فہم ملتی اور سننے والے سر دھنتے ۔ جہاں علم دیتے وہیں احساس بھی عطا کرتے ۔ شادی اور غمی کی روشنی ان کے در و دیوار سے نکلتی تھی ۔ جس کو نظر اٹھاکر دیکھ لیتے ۔ رنج و غم ، درد و دکھ سب کافور ہوجاتا ۔ ہر ایک اپنی صلاحیت کے مطابق فیضانِ ظاہری و باطنی سے حصہ پاتا ۔ بلکہ اس کو امید سے زیادہ ملتا ۔ دربار گہر بار سے لوٹتا تو چہرہ پر نورِ سکینہ نمایاں رہتا ۔ اس بندہ کی شان ہی کچھ نرالی تھی ۔ اطراف عاشقوں ، عارفوں اور جمال اللہ ● کا جمگھٹا رہتا ۔ صبح سے شام تک ہر روز ایک نیا ہی تماشا رہتا ۔ اپنے دیوانوں کو دیکھتے جاتے ، مسکراتے جاتے ، ان کی ایک ایک حرکت سے محبت ظاہر ہوتی تھی ۔ خدا معلوم وہ کیا دیکھتے تھے ؟ اور کیوں مسکراتے تھے ؟

نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے جو سمجھیں یہ تو حیرت ہے

ان کو کسی نے عالم سمجھا ، کسی نے عارف سمجھا ، کسی نے فقیہ سمجھا ، تو کسی نے محدث ، کسی نے صالحین میں شمار کیا تو کسی نے صدیقین میں جانا ۔ کسی نے قطبِ وقت سمجھا تو کسی نے غوثِ زماں جانا ۔ اپنی تو شروع سے عبداللہ پر نظر ہے ۔ جو دکھایا دیکھا ، جو سنایا سنا ، جو سمجھایا سمجھا ۔

حسرت جو مرے علم میں ہے جلوہ فگن آج ÷ کل آئے گا وہ بن کے تماشا مرے آگے

اللہ کے بعض بندے ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کا پتہ کہیں نہیں ملتا ۔ حاضر عند اللہ اور غائب عن الناس ۔ یہی تو عینِ حضور ہے ۔ باہمہ بے ہمہ یہی لوگ ہیں ۔ خلوت در انجمن ان کا وصف ہے ۔ ان کی نظر اطلاق و تقیید پر بیک وقت رہتی ہے ۔ اگر یہ مجاز کو استعمال بھی کرتے ہیں تو بالذات سے ہوشیار بھی رہتے ہیں ۔ ایسے انسانوں کو عوام تو کیا خواص بھی عام انسانوں سے بالاتر سمجھنے میں دقت محسوس کرتے ہیں ۔

ایسے آدمیوں میں مذہبی قدروں کے ساتھ ساتھ دنیاوی قدروں کا بھی کمالِ ظہور رہتا ہے اور یہی انسانیت کا کمال ہے کہ آدمی دو گھڑے اٹھائے سیدھا چلتا رہے اور توازن بگڑنے نہ پائے ۔ یہی صفت حضرت کے لئے باعثِ امتیاز تھی جبھی تو آپ کی شخصیت جامع الجہات تھی ۔ پھر بعض باتیں آپ میں ایسی جمع ہوگئی تھیں کہ بایدو شاید ۔ مثلاً ضعیفی میں جسم ضعیف فکر جوان ، بحالتِ غم آنکھیں پرنم اور قلب رضائے الٰہی سے شاد ، مولویت اور فقیری کا اجتماع ۔ کافر کے کفر کے دشمن پھر بحیثیت انسان کے کہ وہ بھی

● عاشقانِ الٰہی کی جماعت

خدا کا بندہ ہے اس پر مہربان ، بندگانِ خدا سے ہر طرح محبت ۔ پھر غیر اللہ سے کمالِ استغناء ، ایسے ہی بے شمار متضاد کیفیات کے آپ کی ذات میں اجتماع کے باعث آپ کی شخصیت کو سمجھنا ہی مشکل تھا۔

ذات آپ کی ذاتِ مجمع البرکات میں صفاتِ جمیلہ و فضائلِ حمیدہ جمع تھے ۔ آپ جیسے اوصاف کا شیخ نظر سے نہیں گذرا ۔ بہ نسبت کلام کرنے کے آپ کا سکوت زیادہ ہوا کرتا تھا۔ نہایت درجہ خدا ترس ، بارعب اور مستجاب الدعوات شخصیت تھے ۔ آپ کی روش سے مکارم اخلاق عیاں تھے ۔ اپنے نفس کے لئے کبھی غصہ نہ کرتے اور نہ خلافِ رضاءِ الٰہی کسی کی مدد کرتے ۔ توفیق و تائیدِ الٰہی آپ کے ساتھ تھی ۔ حضرت نے اللہ کی راہ میں اپنی ساری توانائیاں لگادیں اور اہلِ باطن نے آپ سے قوت حاصل کی ۔

مسلک آپ کا مسلک ہر حال ، ہر اعتبار اور ہر حکم میں توحید تھا۔ دل میں اطمینان اور مشاہدہ حق میں دوام حاصل تھا۔ آپ کے سامنے بڑی سے بڑی قوت ناقابلِ لحاظ تھی ۔ اللہ نے آپ کو ایسے مقام میں پہنچایا تھا جہاں تنزل کو راہ نہیں ۔ مخلوقِ خدا کے ساتھ رہتے ہوئے ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے بھی آپ کے مجاہدات اشغال اور عبادات جاری و ساری رہتے ۔ آپ کا یہ طریق کا ملین کے طریقوں میں کمال پر تھا۔

مخلوق سے آپ کا تعلق منقطع تھا ، ان کے نفع سے مستغنی اور ان کے ضرر سے بے خوف تھے ۔ اسبابِ ظاہری نظر سے ساقط تھے ۔ اور مالک الملک ، مسبب الاسباب پر نظر قائم تھی ۔ وہی آپ کا مجیب اور کارساز تھا۔ مشیتِ الٰہی کے سامنے آپ کا ارادہ فنا ہوچکا تھا۔ فعل اللہ آپ کے اندر جاری تھا۔ آپ کے اعضاء جوارح فعل اللہ کے سامنے ساکن تھے ۔ آپ قدرتِ الٰہی کے ہاتھ میں تھے ۔ خوارقِ عادات اور کرامات جو حقیقت میں افعالِ الٰہی ہیں آپ سے منسوب تھے ۔ حضرت سے خوارقِ عادات ایسے متواتر ظاہر ہوتے تھے کہ قریب رہنے والوں کو خرقِ عادت بھی عادت معلوم ہوتی تھی ۔ کثرتِ خوارق نہ ریاضت شاق کا نتیجہ تھے اور نہ عدمِ نزول اس کا سبب تھا۔ بلکہ یہ تقادیرِ الٰہی کا جریان اور ارادہ حق کا سریان تھا۔

اللہ نے آپ کو کمالات عالیہ سے سرفراز فرمایا تھا ۔ زہد بھی تھا اور طہارتِ باطن بھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت الی الحق سے تعلق استوار تھا۔ نورِ صدق و یقین آپ کے چہرہ سے عیاں تھا۔ نورِ ولایت سے آپ کی پیشانی تاباں تھی ۔ اپنے ملنے والوں کو تقویٰ کی تاکید فرماتے ۔ محرمات ، مشتبہات ، بے کار اعمال اور خیالات سے بچنے کی ہدایت فرماتے ۔ ہر ایک کو ذکرِ خدا کی طرف مائل کرتے ۔ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں کے ادا کرتے رہنے کا حکم فرماتے ۔ اقتضائے شریعت و معرفت کے مطابق خود بھی مستعد رہتے اور دوسروں کو مستعد بناتے ۔ اچھی اور کام کی بات کی ترغیب دیتے ۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ پیدا کرتے ۔ کسی میں کوئی برائی دیکھتے تو ایسی بات بتلاتے جس سے وہ برائی اس پر خود منکشف ہوجائے ۔ ضمیر کی ملامت سے خجل ہوکر خود تائب ہوجائے ۔ آپ جیسا پابندِ قول ، بامروت و وفا ، وسیع حوصلہ ، درگذر کرنے والا ، اور دوستی نباہنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا ۔ صدیق کے پوتے ، علی کے نواسے ، جلال کے ساتھ جمال ، مستی میں ہوشیار ، بے خودی میں خوددار ، دل کے سخی ، زبان کے سچے ، محبت کرنے اور کئے جانے کے لئے پیدا ہوئے تھے ۔ باوجود عظمت و بزرگی و فضیلت علمی چھوٹوں تک کے لئے کھڑے ہوجاتے ، بڑوں کی تعظیم کرتے ۔ ہر چھوٹے بڑے کو سلام میں سبقت کرتے ۔ دیکھتے ہی مسکراتے ۔ گھنی پلکوں کے نیچے سے آنکھیں بھی مسکرانے لگتیں ۔ امیر غریب کے ساتھ نہایت مہربانی اور التفات سے پیش آتے ۔ کھل کھلا کر ہنستا ہوا حضرت کو دیکھا نہیں گیا۔ پان کثرت سے

کھاتے تھے ۔ آنکھوں سے محبت اور توحید کی مستی اور چہرے سے معصومیت ٹپکتی ۔ جو لوگ آپ کے فیضِ صحبت سے کسی مجبوری کی وجہ سے دور ہوجاتے تو آپ ان کا حال دریافت فرماتے رہتے ۔ انھیں یاد رکھتے ، بھول نہ جاتے ۔ آپ سے ہر ملنے والا یہ یقین رکھتا کہ حضرت سب سے زیادہ اسی کو چاہتے ہیں ۔

حافظہ حضرت کا حافظہ خدا داد اور ذہن رسا تھا ۔ نظر نقاد تھی ۔ طبیعت میں غیر معمولی نزاکت تھی ۔ کسی کے متعلق کوئی رائے قائم کرلیتے تو وہ پتھر کی لکیر ہوتی ۔ اس سے ٹلتے نہ تھے ۔ مگر رائے جن بنیادوں پر قائم فرماتے وہ بہت ٹھوس ہوتیں ۔ کبھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو رنجیدہ ہوجاتے ۔ مگر دل میں کینہ یا بغض نہیں رکھتے تھے ۔ عمر بھر وہ بات ذہن سے نہ نکلتی ۔ کبھی برسوں میں غصہ آجاتا تو پوری باتیں گنا دیتے کہ فلاں وقت یہ تکلیف پہنچی ۔ فلاں وقت یہ ، اظہارِ ندامت پر غیر معمولی التفات سے پیش آتے ۔ کوئی شخص حضرت کے پاس سے ناخوش ، مغموم اور مایوس نہ لوٹتا ۔ البتہ اپنے بچوں یا مریدانِ خاص پر خفا ہوتے تو اس قدر خفا ہوتے کہ ان کو اپنی آخرت کی فکر شروع ہوجاتی ۔ غصہ دیر تک رفع نہ ہوتا ۔ جب رفع ہوتا تو اس قدر مائل بہ کرم ہوتے کہ گویا کبھی خفا یا ناراض ہی نہ ہوئے تھے ۔ اتنی دعائیں دینے لگتے کہ آدمی مارے خوشی کے رو پڑے ۔

بات کرتے تو صرف کام کی بات کرتے اور دوسروں کو بے کار باتوں کا موقع نہ دیتے ۔ کوئی شخص کسی کی غیبت اور عیب جوئی کرنے کی حضرت کے سامنے جرأت نہ کرسکتا ۔ سبق ختم ہو یا کوئی کام ، کوئی محفل ختم ہو یا گفتگو فوراً اچھا جاؤ فرمادیتے ۔ اگر اپنے ہی کمرہ میں ہوتے تو مطالعہ شروع فرمادیتے یا تسبیح پڑھنے لگتے اور لوگوں کو اٹھ جانا پڑتا ۔

حضرت کے حضور میں چونکہ قدرتی ہیبت و وقار تھا ۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ آپ کے سامنے مزاح کرسکے ۔ اگرچہ حضرت خشک طبیعت نہیں تھے ۔ آپ بھی مزاح فرماتے تھے مگر غایت درجہ لطیف اور بعض وقت تو اتنا بلیغ ہوتا کہ سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ۔

حضرت سلاطین اور امراء کے پاس جانے ان سے روابط رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے ۔ دوسروں کو بھی منع فرماتے تھے ۔ کیونکہ ہر شخص تو ایسا نہیں ہے کہ اپنی خواہشات اور آرزوؤں کو سلاطین یا امراء سے منقطع کرچکا ہو ۔

حسنِ سلوک حضرت اپنے اہلِ خاندان ، مریدوں ، شاگردوں اور ملنے والوں کی شادی بیاہ یا دیگر خوشی کی تقاریب میں بہ نفسِ نفیس شرکت فرمایا کرتے تھے ۔ اور ان کی خوشیوں کو دوبالا کردیا کرتے تھے ۔ چند تقاریب حضرت کو پسند تھیں ۔ وغیرہ ، بسم اللہ کی تقریب اور بچوں کے ختم قرآن کی تقریب ، روزہ کشائی ۔ مگر ساتھ ہی حضرت کا ایک شعر بھی سن لیجئے ۔

یہ چلہ یہ چھٹی یہ بسم اللہ خوانی ÷ سب اسراف ہے جبکہ ناداریاں ہیں

بعض دوست احباب اور رشتہ داروں کے عازمِ حج ہونے پر ان کو وداع کرنے یا واپسی پر خوش آمدید کہنے اسٹیشن بھی تشریف لے گئے ہیں ۔ حضرت کے سمدھی اور دوست مولانا الیاس برنی صاحب جب دوسری بار ۱۹۳۳ ء میں بعدِ فراغتِ حج حیدرآباد واپس آرہے تھے تو حضرت ان کو لینے وقارآباد اسٹیشن تک تشریف لے گئے تھے ۔ چنانچہ مولانا الیاس برنی صاحب اپنے سفرنامہ صراط الحمید جلد دوم میں لکھتے ہیں ۔

" وقارآباد ریل پہنچی تو دیکھا کہ سابق رفیق حضرت محترم مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی پلیٹ فارم پر کھڑے حسب عادت تبسم فرمارہے ہیں ۔ موسٰی سلمہ بھی ساتھ تھے ۔ ریل رکتے ہی میں اترا تو حضرت آکر بغل گیر ہوئے ۔ حسبِ قاعدہ دعا چاہی پھر

خوب دعا فرمائی " موسیٰ بھی محبت سے لپٹ گئے "۔

کسی کی موت کی خبر حضرت کو دی جاتی تو جس حالت میں ہوتے فوراً روانہ ہوجاتے اور غسلِ میت کے وقت موجود رہتے ۔ نماز جنازہ میں شرکت فرماتے اور دفن کے بعد گھر تشریف لاتے ۔ زیارت کے موقع پر قرآن خوانی میں شریک رہتے اور میت کے ورثاء کو تلقینِ صبر فرماتے اور ان کی دلجوئی کرتے ۔

شہرت پسندی فطری بات ہوتی ہے ۔ اس سے بچنا صاحبانِ کمال کے لئے قریب قریب محال ہے ۔ گو بعضوں نے اس کو فطری ضعف کہا اور بعضوں نے ضروری چیز سمجھا ۔ خواہ کچھ ہو حضرت نے اپنے لئے اس کو برا سمجھا ۔ اور گوشہ نشینی اختیار کی ۔ مگر گوشہ نشین رہتے ہوئے بھی انہوں کو درست کیا اور فائدہ پہنچایا کہ مشاہیر باوجود شہرت رکھنے کے نہ کرسکے ۔

ایک مرتبہ گلبرگہ شریف عرس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے تھے ۔ ہمارے کئی پیسہ بھائی ساتھ تھے ۔ کرنل حبیب علی صاحب بھی ساتھ تھے ۔ اور میں بھی تھا ۔ حضرت درگاہ سے اپنے ٹھکانہ کی طرف تشریف لارہے تھے ۔ لوگ کثرت سے دست بوسی اور قدم بوسی حاصل کرنے لگے ۔ بعض تو حضرت کو دیکھ کر درود پڑھ رہے تھے ۔ حضرت کو آگے بڑھنا دشوار ہورہا تھا ۔ عورتیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لالاکر قدموں میں ڈال رہی تھیں ۔ حضرت سیاہ رنگ کا عبا پہنے ہوئے تھے ۔ حبیب علی صاحب سے فرمانے لگے " کیا حبیب چور نعل صاحب والی بات تو نہیں ؟ لوگ سجادہ ہونے کا دھوکا تو نہیں کھا رہے ہیں " حبیب علی صاحب نے عرض کیا " میاں سجادہ صاحب سے لوگ خوب واقف ہیں کہ وہ جوان آدمی ہیں " فرمایا " پھر تو یہ عبا نکال دو ۔ شاید یہ عبا کی وجہ سے ہے "۔ حبیب علی صاحب نے عرض کیا " مگر میاں صورت کو کیا کریں گے ۔ یہ صورت ہی کچھ ایسی ہے کہ کھینچ رہی ہے لوگ عبا کو نہیں صورت دیکھ کر درود پڑھ رہے ہیں ۔

جیسا کہ میں نے حضرت کا حلیہ بیان کرنے کے سلسلہ میں لکھا ہے ۔ لوگوں کو زیادہ رجوع ہوتا دیکھ کر حضرت نے ایک مرتبہ داڑھی تک چھوٹی کرادی تھی کہ شاید داڑھی بڑھ جانے سے تقدس نمایاں ہورہا ہے اور اس کے زیر اثر لوگ رجوع ہورہے ہیں ۔ اصل میں حضرت عوام کی عقیدت کو بڑی ابتلاء سمجھتے تھے ۔

حضرت جن باتوں سے نام آوری ، طلبِ شہرت اور ریا پیدا ہونے کا امکان سمجھتے ان باتوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بچانے کی فکر کرتے تھے ۔

ایک مرتبہ پتھر گٹی سے مچھلی کمان مولانا احمد حسین صاحب صدیقی کے مکان کی طرف تشریف لے جارہے تھے ۔ میں حضرت کے ساتھ تھا ۔ راستہ چلنے والے ، حضرت کو دیکھ کر بعض سلام کرنے لگے اور بعض قریب آکر حضرت کی دست بوسی کرنے لگے ۔ مچھلی کمان سے جب مڑے اور کوچہ نسیم سے گزرنے لگے تو فرمایا " میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ دے رہا تھا ، جدھر سے گزرتا لوگ لٹنے دوڑ پڑتے ، مجھے خیال ہوا میں سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ دے رہا ہوں شاید اس سے تسخیر کا عمل ہورہا ہے ، پڑھنا چھوڑ دیا "۔ میں نے عرض کیا مگر حضرت اس وقت آپ سورہ فاتحہ کی زکوٰۃ تو نہیں دے رہے ہیں ۔

حضرت کی زندگی میں عبادتِ بدنی اور اعمالِ ظاہری میں شدت اور مبالغہ نظر نہیں آتا ۔ نہ تو عبادتِ شاقہ اور سخت سے سخت ریاضتیں کرتے اور نہ خلق اللہ سے دور اذکار و اشغال میں مصروف رہتے ۔ دل بیار و دست بکار ، باہمہ و بے ہمہ آپ کا

طریقہ تھا۔ خلق اللہ کے ساتھ رہتے ہوئے اور ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے بھی ان سے الگ کے الگ تھے۔

دل کسی سے نہ لگا دست فشاں سب سے رہے ÷ عمر بھر قیدِ تعلق سے ہم آزاد رہے (حسرت صدیقی)

اصلاحِ قوم قوم و ملت کی اصلاح و تعمیر و تہذیب کا کام تھا جو آپ کے پیشِ نظر تھا۔ دن رات نوافل میں لگے رہنے کے لئے وقت کہاں تھا۔ آپ حصولِ فضائل پر زور نہیں دیتے تھے بلکہ تعمیلِ حکم آپ کے پاس سب سے زیادہ اہم تھا۔ ظاہری پاکی صفائی میں مبالغہ اور آرائش و زیبائش پر زیادہ توجہ نہ دیتے تھے۔ آپ کو پڑھنے پڑھانے سے فرصت کہاں تھی جو ان جزئیات میں وقت گنواتے۔ البتہ دل کی پاکیزگی اور طہارت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی ہمیشہ پیشِ نظر رہی۔ غیر ضروری تکلفات میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت کو بس ایک دھن تھی کہ مسلمانوں میں یہ شعور پیدا ہوجائے کہ وہ کیا تھے؟ کیا ہیں؟ اور ہونا کیا چاہئیے؟ اس بے دینی اور الحاد کے زمانے میں اُن کے ایمان پر ڈاکہ نہ پڑجائے۔ خدا اور رسول سے ان کی نسبت استوار رہے۔ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مشعلِ راہ رہے۔ ان کے ہاتھ حبل اللہ کو مضبوط تھام لیں۔ ان کے اخلاق اور ان کا کردار اسلامی رہے۔ ان میں قوتِ عمل پیدا ہو۔ اس کے لئے حضرت نے ہر ایک کو وہ تعلیم دی جو اس کے لائق تھی۔

تہذیبِ نفس تہذیبِ نفس پر بہت زور دیتے تھے۔ ایسے اعمال کی ہدایت فرماتے جو مخاطب پر آسان ہوتے۔ حضرت کا ارشاد ہے "ایک دشمن پہلو میں اور ایک گھات میں بیٹھا ہوا ہے یعنی نفس اور شیطان، دیکھو! ان سے ہوشیار!"۔

حضرت کو یہ بات ناپسند تھی کہ ابتداء میں کام میں زور و شور رہے اور بعد میں وہ کام ہی چھوڑ دیا جائے۔ تھوڑا کام مگر پابندی اور اخلاص سے کیا جانا زیادہ پسند تھا۔

حضرت کی روش میں عجب خصوصیت تھی۔ سپاہیانہ انداز میں فقیرانہ طور پوری طرح نمایاں تھا۔ اور پھر مولویانہ عظمت و تمکنت اپنی جگہ برقرار تھی۔ صاحبانِ ثروت و عزت کی حضرت کے سامنے بات کرتے سٹی گم ہوجاتی۔ بات کرنا بھول جاتے۔ کہنا کچھ چاہتے منہ سے کچھ نکل جاتا۔ پسینہ پسینہ ہوجاتے۔ مجبوراً حضرت کو راست خطاب کرنے کے بجائے اپنے بچوں اور خادمین میں سے کسی نہ کسی سے کہنا پڑتا کہ پوچھو یہ کیا کہنا چاہتے ہیں، ان سے ایسا ایسا کہو۔ باریاب ہونے کے بعد باہر نکلتے تو کتنی دیر سنبھلنے نہ پاتے ایک ہلکا سا تبسم ہر وقت آپ کے چہرہ پر نمایاں رہتا۔ باوجود اس کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ جتنے آپ کے ملنے والے تھے وہ ہر وقت آپ سے مرعوب رہتے اور خود سے کچھ بولنے کی جرأت نہ کرسکتے تھے۔

صحبت کی برکت حضرت کی صحبت بابرکت میں وساوس دور ہوجاتے، ضمیر جاگتا، شعور بیدار ہوتا۔ اچھے برے کی تمیز تو جانوروں میں بھی ان کے لائق ہوا کرتی ہے۔ حضرت کے ملنے والوں میں خیر اور خیر الخیر، شر اور شر الشر کی تمیز پیدا ہوتی تھی۔ ساری کمزوریاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتیں۔ دنیا نظروں میں بے حقیقت ہوجاتی، نظر کھلتی، بصیرت پیدا ہوتی اور مقصدِ حیات بلند ہوجاتا۔ صفاتِ حمیدہ سے متصف ہوتا، اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دوستوں اور محبوبوں سے محبت پیدا ہوتی اور ربط ہوجاتا۔ مذہب کی تعلیمات کے اسرار منکشف ہوتے۔ مقصدِ خدا اور رسول کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہوتی۔ اعدائے دین کے مقابل ہتھیار ملتے۔ عقل روشن ہوتی، قوتِ روحانی پیدا ہوتی، بڑھتی، ماسوی اللہ کے کھیل ہونے، لہو و لعب ہونے کا یقین ہوجاتا۔ تکالیف اور مشکلات میں ہنستے ہنستے گزر جانے کا درس ملتا۔ خدا سے رضامندی پیدا ہوتی اور ایک طرح کا اطمینان اور سکونِ قلب پیدا ہوتا۔

نورِ نبوت سے دیکھنے اور ذاتی کشف و عقل پر اعتمادِ کلی رکھنے کا فرق محسوس ہونے لگتا، معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی۔ اپنی عدمیت نظر آتی۔ خدا ہی کے موجود بالذات ہونے کا یقین آجاتا۔

حضرت کی صحبت میں کچھ ایسی برکت تھی کہ بعض کند ناتراشیدہ جاہلِ مطلق، نہایت کند ذہن بھی چند روز میں ایسے جلا پاتے کہ حیرانی ہوتی۔ دیکھنے میں بالکل بدھو نظر آتے مگر جب ان سے بات کی جاتی تو ایسی ایسی باتیں اور نازک مسائل اپنی روز مرہ کی زبان میں بیان کرجاتے کہ تعلیم یافتہ بھی ششدر رہ جاتے۔

حضرت استاذ الاساتذہ ہونے کے باوجود کم عمر اور کم سواد بچوں کی تعلیم کو اپنے لئے کسرِ شان یا تضییعِ اوقات نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مصروف تھا۔ حضرت بچوں سے تک تم سے نہیں آپ سے مخاطب فرماتے تھے اور ان سے بہت کھل کر بات کرتے تھے۔ فرماتے "ہاں کچھ اِدھر اُدھر کی سناؤ"۔ اس سے مقصد ان کی قوتِ تقریر اور مافی الضمیر کی صحیح ادائی کی مشق کروانا ہوتا۔ جھجک دور کرنا، خود اعتمادی پیدا کرنا رہتا۔ خود بھی باتیں کرتے جاتے۔ سوالات ایسے کرتے کہ بچہ جواب دینے میں اپنے حافظہ پر زور ڈال سکے۔ اس کے علاوہ بچوں میں جو معصومیت، بھولا پن اور گفتگو میں جو بے تکلفی اور بے ساختہ پن ہوتا ہے اس کا لطف لیتے جاتے اور مسکراتے جاتے تھے۔ اصل میں یہی وقت ہوتا ہے جس میں ان کو بہت کچھ سکھایا جاتا ہے۔

اظہارِ حق اور بے غرضی حضرت کو امرِ حق کے اظہار میں کوئی قوت مانع نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی ایک وجہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا منصب تھا۔ دوسری وجہ للّٰہیت تھی تیسری وجہ عمر بھر کسی کے ممنونِ احسان نہ ہوئے کہ احسان کا بوجھ انسان کی آزادی کو متاثر کر دیتا ہے۔ اگر کسی نے کچھ خدمت کی اور حضرت نے اس کا دل رکھنے کی غرض سے قبول بھی فرمالیا تو ساتھ ہی دوسرے طریقہ سے اتنا احسان فرمادیا کہ اس کو اپنی خدمت بے حیثیت نظر آئی۔ حضرت نے کسی سے اپنی کوئی غرض وابستہ نہیں رکھی تھی۔ اللہ نے اتنا کچھ عطا کیا تھا کہ سب سے مستغنی تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے "میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب کا مجھ پر حق ہے مگر میرا کسی پر کوئی حق نہیں" یہ بھی فرمایا کرتے تھے "پیدا ہوا تو ۱۰۰ روپئے منصب ساتھ لایا، ماں باپ پر بھی بار نہ بنا۔ کبھی ملازمت کے دوران کسی بات کے لئے درخواست تک نہیں دی۔ سب کام خود ہی ہوتا گیا۔ ہزار روپیہ تنخواہ تک پایا۔ بچالی کا بختاور سنتے آئے ہو مجھے دیکھو، میری تقدیر اچھی ہے، ایسی کہ اس کی قسم کھائی جاسکتی ہے"۔

جسم دشمن نہیں عقیدہ دشمن حضرت کے جاننے والے جب کسی مشکل میں پھنس جاتے جس سے نکلنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آتی وہ وسائل جن پر بھروسہ تھا سب منقطع ہوجاتے، خدا سے دعا کرتے مگر استجابت نہ پاتے تو جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچ جاتا ہے اسی طرح حضرت کے پاس دوڑ پڑتے اور حضرت کی توجہ اور دعا کے طالب ہوتے۔ کافر بھی حضرت کے پاس اللہ کا بندہ تھا۔ لہذا اس کی بھی گنجائش تھی۔ وہ بھی خالی نہ جاتا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے "ہم جسم دشمن نہیں عقیدے کے دشمن ہیں۔ بھوکا آئے گا تو کھانا کھلائیں گے۔ بیمار کو ہماری ضرورت ہوگی تو تیمارداری کریں گے۔ اگر وہ ہمارے قتل کے درپے ہو تو مار کر پھینک دیں گے۔ ہندو لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ڈنڈوت بجالاتے، کہتے تم دیوتا ہو، اوتار ہو، بہرحال ہر قوم و مذہب کا آدمی حضرت کو اپنے آڑے وقت کا سہارا سمجھتا تھا۔ خدا جانے حضرت میں کیا بات تھی کہ ہر شخص انھیں ہمیشہ اپنے دل کے قریب پاتا تھا۔ حضرت خود بھی اپنے ملنے والوں سے خواہ وہ مرید ہی کیوں نہ ہو یا شاگرد کیوں نہ ہو، اپنے لئے دعا کرنے کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ لوگ عرض کرتے، حضرت ہم محتاجِ دعا ہیں تو فرماتے، میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں تم میرے لئے دعا کرو۔

حضرت اپنے علم سے مخلوقِ خدا کو استفادہ کا ہر وقت موقع فراہم رکھتے تھے۔ آپ کا شمار ان گنی چنی شخصیتوں میں سے ایک تھا جن کا دروازہ باوجود بہت بڑی شخصیت کے حامل ہونے کے ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلا رہا۔

اللہ نے حضرت کو علمِ صحیح کے ساتھ ساتھ عملِ صالح، کمالِ ایمان و یقین و اطمینان کے ساتھ اخلاص و عبدیت، للہیت اور بصیرت عطا کی تھی۔ جو بھی آپ کے پاس آتا وہی چیز پاتا جو آپ کے پاس تھی۔ پھر کبھی اس کو وہم و شک کی بے چینی رہتی تھی اور نہ جہل و ظلمت کا ہراس۔ بلکہ نورِ حقیقت اور مشکوٰۃِ معرفت کا ایک باب اس کے لئے کھل جاتا تھا۔

حضرت کے انوارِ تعلیم سے کتنے ہی سرگشتگانِ وادیِ جہالت، شاہ راہِ ہدایت پر آچکے ہیں اور کتنوں ہی کی قوتِ نظری اور عملی کی تکمیل ہوئی اور آج بھی ہورہی ہے۔ حضرت کی زندگی ہم کو بے شمار قیمتی سبق دیتی ہے۔ بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ، سمجھنے والا دماغ اور محسوس کرنے والا دل ہو۔

۱۴۔ خوشی اور غم کے مواقع

مولف کتاب ھذا کی شادی | حضرت کی صاحبزادی میری والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ نے میری نسبت اپنی بھتیجی سکینہ بیگم بنت مولوی محمد عبدالرحیم صاحب صدیقیؒ کی منجھلی صاحبزادی کے ساتھ لڑکپن ہی میں طے فرمادی تھی ۔ والدہ کے انتقال کے بعد یہ شادی حضرت کے زیرِ سرپرستی انجام پائی ۔ حضرت نے زندگی بھر اپنے نواسوں کو اتنی محبت دی تھی کہ وہ والدہ کی کمی کو کسی وقت بھی محسوس نہ کرسکیں ۔ عین شادی سے پیشتر ایک روز مجھے یاد فرمایا۔ میں حاضرِ خدمت ہوا ، تو ارشاد فرمایا " اگر تمہاری شادی ہمارے گھر ہوگی تو تمہاری شادی کا میں ذمہ دار " میں نے عرض کیا " حضرت یہ تو میری عین خوش نصیبی ہے " ۔ حضرت نے نانی اماں صاحبہ کو یاد فرمایا وہ تشریف لائیں تو کہا " بیوی دولھا اپنے نانا کے گھر اور دلھن اپنے نانا کے گھر " محترمہ نے نہایت مسرت سے جواب دیا " اس سے بہتر اور کیا بات ہوسکتی ہے " ؟ حضرت نے فرمایا " پھر تو بات طے ہوگئی " مولوی عبدالرحیم صاحب قبلہ حضرت کے گھر میں مقیم تھے اور شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے ۔ انھوں نے حضرت کا تصفیہ سنا تو اپنے سسرال واقع مچھلی کمان (کوچہ نسیم) اپنے ماموں اور خسر مولانا احمد حسین صاحبؒ کے گھر مع ساز و سامان منتقل ہوگئے اور میرے والد حضرت کے گھر آگئے ۔

عام رواج کے مطابق مانجھے شروع ہوئے ۔ گلپوشی کے موقع پر حضرت خود بھی رونق افروز رہتے ۔ ماموں ، خالہ اور دیگر اعزاء جمع ہوتے ۔ نانی اماں صاحبہ اپنے ہاتھوں سے پھول پہناتیں ۔ ماموں صاحبان اور سارے بھائی نعتیہ اشعار بطور کورس پڑھتے اور حضرت دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوتے ۔ بڑی خیر و برکت محسوس ہوتی ۔

حضرت فرمایا کرتے تھے " زندگی میں خوشی کی ساعتیں مختصر ہوتی ہیں ۔ اگر ان کو تھوڑا سا طویل کرلیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں " ۔ دلہن کے مانجھوں کو البتہ پسند فرماتے تھے کہ لڑکی ایک نئی زندگی شروع کرنے والی ہے ۔ شادی سے پیشتر اس کا شرم و حیا کے باعث سب سے الگ تھلگ رہنا فطری ہے ۔ علاوہ ازیں مانجھوں کے اہتمام کی غرض و غایت نفسیاتی طور پر اس نئی زندگی کے لئے اس کو تیار کرنا بھی ہے ۔

مانجھوں کے پہلے دن گل پوشی کے لئے دولھا کو مسند پر بٹھایا جانے لگا تو نانی اماں صاحبہ سے فرمایا " بیوی میری شادی کی صندلی رنگ کی جامہ وار کی شیروانی کہاں ہے ؟ نانی اماں صاحبہ فوراً اٹھیں اور شیروانی نکال لائیں اور میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا " لو یہ نانا کی شیروانی پہن کر مسند پر بیٹھو " ۔ مانجھوں میں مجھے حضرت کی شیروانی پہنتے رہنے کی سعادت نصیب رہی ۔

دولھا دلہن کی خاطر حضرت نے خود اپنا رہائشی کمرہ خالی فرمادیا اور دوسرے کمرہ میں منتقل ہوگئے اور اپنا تخت جس پر حضرت آرام کرتے تھے دولھا دلہن کے لئے کمرہ ہی میں رہنے دیا۔

عقد کے روز مجھے بخار آگیا تھا ۔ حضرت کو اطلاع ہوئی تو فرمایا " اچھا ہوا ، مجھے بھی عقد کے روز بخار آگیا تھا ۔ عقد کا وقت ۶ بجے شام تھا ۔ تین بجے کے عمل میں مجھے کسی نے کہا کہ حضرت مچھلی کمان تشریف لے جارہے ہیں اور موٹر میں تشریف فرما چکے ہیں ۔ یہ سنتے ہی میں دوڑا ، موٹر اسٹارٹ ہوچکی تھی ۔ عرض کیا " حضرت مجھے یہ خیال تھا کہ حضرت کی معیت کی سعادت مجھے نصیب ہوگی ۔ فرمایا " باوا ! وہاں جاکر بیٹی کو دیتا ہوں اور بہو کو بیاہ کر گھر لاتا ہوں " ۔ میں نے عرض کیا " زہے نصیب " اور موٹر روانہ ہوگئی ۔ دلہن کی جانب سے حضرت خود داعی تھے ۔

عقد ٹھیک وقتِ مقررہ پر ہوا۔ قاضی صاحب کو پیشتر سے پابند کردیا گیا تھا۔ عام طور پر شادی کا خطبہ حضرت اپنے ماموں زاد بھائی اور پیر زادے حضرت یحیٰی پاشا یا پھر دوسرے ماموں زاد بھائی مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب سے پڑھواتے تھے۔ اس مرتبہ فرمایا خطبہ میں دوں گا چنانچہ حضرت نے خطبہ خود ارشاد فرمایا۔ اس قابلِ رشک اہتمام پر سب حیران تھے۔ عقد کے ساتھ ہی نمازِ مغرب ادا کی گئی۔ اسنے میں حضرت کے ایک مرید کار لے کر پہنچے اور عرض کیا۔ سرکار غلام زادی کی شادی ہے۔ حضرت تشریف لے چلیں موٹر حاضر ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ باوا میرے گھر اس وقت ایک نہیں دو شادیاں ہیں (دولھا نواسہ دلہن پوتری) انھوں نے عرض کیا۔ میری لڑکی بھی تو حضرت ہی کی باندی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر تم جلد لاکر پہنچانے کا وعدہ کرتے ہو تو میں چلتا ہوں۔ مجھے جلوہ میں شریک رہنا ہے۔ انھوں نے عرض کیا۔ سرکار آدھے گھنٹہ کے اندر واپس لے آتا ہوں۔ حضرت نے میری طرف دیکھا اور نہایت محبت بھرے انداز میں فرمایا۔ باوا! ابھی آیا۔ چنانچہ حضرت تشریف لے گئے اور عین جلوہ سے پیشتر واپس ہوئے۔

جلوہ کے پلنگ کے سامنے کرسی رکھی گئی اور حضرت اس پر تشریف فرما ہوگئے۔ دولھا دلہن کو اڑھانے حضرت کی بھانجی (صابر حسینی صاحب کی بڑی بہن) سرخ چادر لائیں تو فرمایا۔ یہ کیا ہے۔؟ انھوں نے عرض کیا۔ ماموں! آرسی مصحف کی رسم کے لئے چادر۔ فرمایا۔ فقیر کا رومال۔ اور گلے سے رومال نکال کر بڑھا دیا۔ چنانچہ دولھا دلہن پر "فقیر" کا رومال اڑھا دیا گیا۔ دولھا دلہن کو دکھانے قرآن کے ساتھ آئینہ لایا گیا تو اشارہ سے آئینہ کو روک دیا۔ اور فرمایا۔ فقیر صورت دکھائے گا۔ چنانچہ رومال کا ایک گوشہ اپنے سر پر ڈال لیا اور دونوں کی طرف باری باری توجہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا گیا۔ دیکھ باوا، دیکھ بیٹے۔ دیکھ باوا، دیکھ بیٹے (حضرت مردوں کی طرح عورتوں سے بھی باوا، بیٹے ہی سے مخاطب ہوتے تھے)۔

ختمِ جلوہ پر حضرت مدینہ منزل روانہ ہوئے۔ سواری سے اترنے کے بعد دولھا دلہن کے انتظار میں حاضرین سے مخاطب رہے، تھوڑے تھوڑے وقفہ سے استفسار فرماتے جارہے تھے۔ "دولھا دلہن ابھی نہیں آئے"؟ حاضرین نے دیکھا کہ حضرت کھڑے ہوئے ہیں اور انتظار میں ہیں یکے بعد دیگرے کئی موٹریں اطلاع دینے کی غرض سے روانہ کردی گئیں کہ حضرت باہر ہی برآمد ہیں اور دولھا دلہن کے بےچینی سے منتظر ہیں۔ اطلاع ملتے ہی فوراً وداعی عمل میں آئی۔ دولھا دلہن کی موٹر آتی ہوئی نظر پڑی تو نہایت مسرور ہوئے۔ ساتھ لے کر مکان میں داخل ہوئے۔ پانی طلب فرمایا۔ کچھ دعائیں پڑھ کر پانی پر دم کیں۔ اور دونوں پر پانی چھڑکتے گئے۔ اور فرماتے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور بی بی فاطمہؓ پر اسی طرح پانی چھڑکا تھا۔

ولیمہ کا انتظام بھی حضرت نے اپنی جانب سے کیا۔

شادی کے ضمن میں جو رسومات حیدرآباد میں رائج ہیں اُن میں سے بعض میں تو حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں اور بعض غیر اقوام سے لی ہوئی ہیں۔

سہرہ سے ناپسندیدگی

مثلاً دولھا کا سہرہ باندھنے کا رواج۔ دولھا اگر سہرہ باندھ کر آتا تو حضرت سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ اور نہایت ناگواری سے فرماتے۔ کیا دولھا کے منہ پر ناک نہیں ہے؟ یہ تو ڈنکے کی چوٹ شادی ہورہی ہے اس میں منہ چھپانے کی کیا بات ہے۔؟ سہرہ کی لڑیاں منہ پر سے ہٹوا دیتے اور کاندھوں پر دلوادیتے۔ البتہ شادی میں سامعہ نوازی کو پسند فرماتے مگر اس میں اسراف ناپسند تھا۔ پسند فرمانے کی وجہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

• محمد بن حاطب جمحی سے روایت ہے اور وہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کہ آپ نے فرمایا کہ • حلال اور حرام میں فرق یہ ہے کہ نکاح میں صوت اور دف ہوتا ہے (احمد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ)

حیدرآباد کے ایک معزز اور متمول صاحب نے حضرت کو اپنے لڑکے کی شادی میں مدعو کیا اور ان کی خواہش تھی کہ خطبہ نکاح حضرت پڑھیں ۔ چنانچہ حضرت محفلِ عقد میں تشریف لے گئے ۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دولہا سہرہ باندھے ہے ۔ حضرت فوراً پلٹ گئے اور واپس جانے موٹر کے قریب تک پہنچ گئے ۔ دولہا کے والد کو اطلاع ہوئی کہ حضرت تشریف لائے تھے مگر واپس ہو رہے ہیں ۔ وہ دوڑتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس تشریف لے جانے کا سبب دریافت کیا ۔ حضرت نے فرمایا • دولہا سہرہ باندھا ہوا ہے جو اسلامی شعار کے خلاف ہے ۔ میں شریک ہونا نہیں چاہتا ۔ انھوں نے عرض کیا سہرہ ابھی ہٹا دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ فوراً سہرہ ہٹا دیا گیا ۔ حضرت شریک عقد تو ہوئے مگر باوجود اصرار کے خطبہ نکاح نہ پڑھا تاکہ آئندہ لوگ اس سے احتراز کریں ۔

دھینگانہ سے سخت ناپسندیدگی دھینگانہ کی رسم بھی سخت ناپسند تھی ۔ بعض اقوام میں جب برات دلہن کے گھر پہنچتی تھی تو دلہن والے برات کو روکتے تھے ۔ یہ گویا مزاحمت ہے ۔ اور یہ اسی زمانہ کی یادگار چلی آرہی ہے ۔ جب دلہن کو بذریعہ تاخت اٹھا کر لایا جاتا تھا ۔ مگر حضرت اس کو مثل غرچی • متصور فرماتے تھے ۔

حضرت کے صاحبزادے ابو القاسم محمد صدیقی عرف محمد پاشا کی شادی میں جب دولھا کی موٹر دلہن کے گھر پہنچی تو گیٹ اندر سے بند کر لیا گیا اور کھولنے کے لئے کچھ رقم کا مطالبہ کیا گیا ۔ یہ بات حضرت کو ناگوار گزری ۔ حضرت نے اپنے فرزند موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی اور مجھے حکم فرمایا کہ • قلعہ فتح کرو • یہ سنتے ہی ہم دونوں بجلی کی طرح گیٹ پر چڑھ کر اندر کود پڑے اور گیٹ بند کرنے والوں کو بزور ہٹا کر گیٹ کھول دیا اور دولھا کی موٹر گیٹ میں داخل ہوگئی ۔

گھر داماد لینا بھی حضرت کو ناپسند تھا ۔ بعض حالات میں داماد کا ضرورتاً بیوی کے ساتھ سسرال جاکر کچھ دن رہ جانا اور بات ہے ۔

گھوڑے جوڑے کی رقم ناپسندیدہ گھوڑے جوڑے کی رقم جو خسر سے وصول کی جاتی ہے اس کو حضرت معیوب خیال کرتے تھے ۔ اس مذموم رواج کا نتیجہ ہے کہ بہت سی لڑکیاں جن کے والدین کم معاش ہوتے ہیں ان بیاہی رہ جاتی ہیں ۔ اس کے باعث قوم میں بداطواری کی راہ ملتی ہے ۔ بنگالیوں میں اس لعنت کا رواج پاجانے کی وجہ سے بہت سی بنگالی لڑکیوں نے شادی سے مایوس ہوکر خود کشی تک کرلی ہے ۔

روپیہ لے کر ماں باپ کا نو عمر لڑکیوں کو ضعیف آدمیوں سے بیاہ دینا بھی حضرت کے پاس دولت کے عوض لڑکی کو فروخت کرنا ہے ۔ سنا گیا ہے کہ افغانستان میں یہ طریقہ رائج ہے جس کو افغانی اپنی اصطلاح میں • حق شیرِ مادر • کہتے ہیں ۔

مہر حسبِ حیثیت باندھا جائے بعض لوگ مہر بہت ہی کم باندھتے ہیں تاکہ جب چاہیں بہ آسانی چھٹکارا حاصل کر سکیں ۔ حضرت فرماتے تھے کہ مہر سے عورت کی عزت ہے ۔ اس کی حیثیت اور اپنی حیثیت دونوں کو پیش نظر رکھ کر مہر باندھنا چاہئے ۔ ساتھ ہی زیادہ مہر باندھنے کے نقصانات کو اس طرح پیش فرماتے ہیں ۔

• جیوا کی اجرت ۔

" اس زمانہ میں مہر بہت ہی بڑا باندھا جاتا ہے ۔ آپس میں ناچاقیاں بھی ہوجائیں تو جدائی کی کوئی صورت نہیں ۔ مرد طلاق نہیں دیتا کہ مہر دینا پڑے گا ۔ عورت خلع نہیں لیتی کہ مہر معاف کرنا پڑے گا ۔ اس کا نتیجہ طرفین کے حق میں برا ہے ۔ رکھنا ہو تو دستور کے موافق رکھو اور چھوڑنا ہو تو خوشی کے ساتھ چھوڑدو ۔ یہ ساری خرابیاں نکاحِ ثانی کو مکروہ سمجھنے سے پیدا ہورہی ہیں ۔ غیر مسلموں کی صحبتِ بد کا اثر ہے ۔ یہ خوب یاد رکھو ! طلاق اگرچہ جائز ہے مگر بدترین جائز ہے "۔

حضرت دل شکستہ ہوکر فرماتے تھے " موجودہ زمانہ کی آب و ہوا سخت ناگوار ہوگئی ہے ۔ نہ اگلا سا میل ملاپ ہے نہ اتحاد و اتفاق ہے ۔ اب لطفِ زندگی نہیں رہا "۔

سانچق مہندی حضرت کے پوتے حسن فضل اللہ صدیقی فرزند ابو تراب علی صاحب صدیقی کی شادی کے موقع پر سانچق مہندی کے رسومات کی ادائی کے سلسلہ میں لوگ مختلف الخیال ہوگئے ۔ دلہن کے والد حکیم سید عبدالرحیم صاحب جو مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب کے مرید اور خلیفہ تھے وہ ان رسومات کی شدت سے مخالفت کررہے تھے مگر عورتیں مصر تھیں ۔ یہ مسئلہ حضرت کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت نے فرمایا " باوا ! یہ خوشیوں کو ذرا طویل کرلینا ہے ۔ ان کا انجام دینا بھی ضروری نہیں ۔ اور اگر یہ انجام دی جائیں تو کچھ ہرج بھی نہیں ۔ مگر اسراف نہ ہونے پائے ۔ چنانچہ یہ رسومات نہایت خوشدلی کے ساتھ اور انتہائی سادہ انداز میں انجام دی گئیں ۔

پھول شکر نچھاور کرنا دولہا جب دلہن کے گھر پہنچتا ہے تو دلہن کو دروازہ کے قریب لاکر ایک نظر دلہن کو دیکھ لینے کا دولہا کو موقع فراہم کیا جاتا ہے اور دونوں پر سے پھول شکر نچھاور کئے جاتے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا " اس میں مصلحت یہ ہے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا ہے ۔ اگر دلہن ناپسند ہو تو دولہا اب بھی واپس جاسکتا ہے "۔

بعض نالائق دکھاتے تو ایک لڑکی کو ہیں اور عین وقت پر عقد کے لئے دوسری لڑکی بٹھادی جاتی ہے ۔ یہ اس کی روک تھام ہے ۔ پھول شکر نچھاور کرتے وقت چونکہ دولہا دلہن کو دیکھ لیتا ہے لہذا اب اس کے بدلنے کا موقع باقی نہیں رہتا ۔

تیسری مصلحت یہ کہ ذہنی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے قریب کردینا ہے ۔

آرسی مصحف کی رسم آرسی مصحف کی رسم جو وداعی سے پیشتر بوقت جلوہ انجام دی جاتی ہے اس کی مصلحت حضرت نے یہ بتلائی کہ دولہا دلہن پر چادر ڈال کر آئینہ میں دولہا کو ایک نظر دیکھ لینے کا دلہن کو موقع فراہم کیا جاتا ہے تاکہ دلہن دولہے کی پرچھائیں دیکھ لے اور اس کی صورت شکل سے واقف ہوجائے ۔ بعض وقت ایسے واقعات بھی پیش آجاتے ہیں کہ آدمی مجبوراً شادی کرلیتا ہے اور اپنی حالت کا اندازہ کرا دینے اور شادی سے انکار کردینے کی جرات نہیں رکھتا ۔ اور اپنا عیب پوشیدہ رکھنے کی خاطر جملہ عروسی میں عین وقت پر اپنے کسی دوست کو پہنچادیتا ہے ۔ ایسی صورت میں لڑکی دولہا کی پرچھائیں دیکھ لینے کے باعث اجنبی کے شر سے بچ جاتی ہے ۔

جمعگیوں کا مقصد پہلے پانچ جمعگیوں تک دلہن کو گھونگھٹ میں رکھتے تھے ۔ اب یہ رسم ختم ہوتی جارہی ہے ۔ حضرت فرماتے تھے اس میں مصلحت یہ ہے کہ دلہن کو گھونگھٹ میں سے گھر کے طور طریق سسرالی عزیزوں کے رشتے ناتوں سے واقف ہوجانے اور ان کی طبیعتوں کا اندازہ لگالینے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ خود کو ماحول کے مطابق ڈھال سکے اور ہر ایک سے اس کے اعتبار سے روابط قائم کرسکنے میں اس کو مدد ملے ۔

دوسرا مقصد دونوں طرف کے افراد خاندان میں باہم خلوص و محبت اپنائیت اور یگانگت پیدا ہوسکنے کے مواقع فراہم کرنا بھی ہے۔

بیک وقت دو پوتیوں کی شادی عام طور پر جاہلوں میں دولھوں کا آمنا سامنا کسی ایک پر بھاری خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت نے اپنے صاحبزادے مولوی حسن محی الدین صدیقی کی دو لڑکیوں کی شادی ایک ہی دن تاریخ ، ایک ہی وقت میں اپنے دولت خانہ پر مقرر فرمائی تھی۔ دو مسندیں بازو بازو بچھائی گئی تھیں۔ اور پھولوں کا منڈپ یہاں سے وہاں تک تھا۔ حضرت درمیان میں تھے۔ بڑی لڑکی کا دولھا حضرت کی سیدھی جانب اور دوسری لڑکی کا دولھا بائیں جانب کی مسند پر رونق دہِ محفل تھا۔

پہلے بڑی لڑکی کا عقد میرے چوتھے بھائی محمد اعظم الدین صدیقی سے ہوا۔ اس کے بعد دوسری لڑکی کا عقد حضرت کے چچازاد بھائی نواب اظہر جنگ بہادر کے نواسہ اور نواب میر یٰسین علی خاں چیف انجنیر ریلوے کے فرزند عابد علی خاں عرف عابد نواب سے ہوا۔

شادی کی یہ تقریب بھی تاریخی تھی۔ ایک فقیرِ کامل کا نواسہ دوسرا جلیل القدر نواب کا نواسہ ایک نہایت سادہ ، دل موہ لینے والا۔ دوسرا نہایت زرق برق اثر انداز ہونے والا۔

ان دونوں کی آمد کا حال بھی سنئے۔ ہمارے والد نے وقت پر پہنچنے کا پورا اہتمام کیا۔ عقد کا وقت ٹھیک چھ بجے شام دیا گیا تھا۔ والد ، دولھا کو ساتھ لے کر گھر سے ایسے وقت نکلے کہ دو تین منٹ قبل حضرت کے دولت خانہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ دولھا کی موٹر جب مدینہ منزل کے گیٹ میں داخل ہوئی تو چھ بجنے میں ایک منٹ باقی تھا۔ حضرت نے گھڑی دیکھی اور حاضرین سے پوچھا کونسا دولھا آیا؟ لوگوں نے بڑھ کر عرض کیا حضرت بڑا دولھا آیا ہے۔

ادھر نواب یٰسین علی خان اپنے فرزند کو ساتھ لئے بیانڈ ، باجوں اور برات کے ساتھ آرہے تھے۔ چادر گھاٹ کے پل سے آگے بڑھنے کے بعد انھوں نے گھڑی دیکھی اور شوفر سے کہا گاڑی نہایت تیز رفتاری کے ساتھ لے چل۔ بیانڈ والے اور سارے براتی دیکھتے رہ گئے اور دولھا کی موٹر نظروں سے غائب ہوگئی۔ جس وقت موٹر مدینہ منزل کے گیٹ میں داخل ہوئی اس قت ٹھیک چھ بجے تھے۔ ابھی بڑا دولھا سیڑھیاں چڑھ ہی رہا تھا کہ دوسرا دولھا بھی پہنچ گیا۔ حضرت کے پاس وقت کی پابندی کا بڑا لحاظ تھا۔ دولھوں کی اس طرح آمد پر لوگ حیران ہوئے اور داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

دولھوں کی آمد پر جو سینیارٹی قائم رہی اس پر لوگوں نے بطور خاص ہم کو مبارکباد دی۔ خود حضرت بھی بے حد محظوظ ہوئے

دونوں کا خطبہ نکاح یکے بعد دیگرے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب نے پڑھا۔ عقد کے بعد لوگ مبارکباد دینے پہنچنے لگے تو دونوں مسندوں پر ایک اژدھام ہوگیا۔ جب لوگ مل کر ہٹے تو موقع کے منتظر دونوں دولھے آگے بڑھے۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دی اور فرطِ مسرت سے باہم بغل گیر ہوگئے۔

الحمد للہ دونوں صاحبِ اولاد ہیں اور نہایت خوش و خرم ہیں۔ اس مثالی تقریب کے بعد اسی قبیل کی کئی شادیاں دیکھنے میں آئیں

میرے منجھلے بھائی مولوی محمد وقار الدین صدیقی کی شادی حضرت کی پوتی مولوی عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی صاحبزادی کلثوم بیگم سے حضرت ہی کی سرپرستی میں ہوئی۔ دولھا کو حضرت اپنی موٹر میں مدینہ منزل سے کالی کمان مقامِ عقد پر

ساتھ لائے ۔ دولھا ہلکے پنک کلر کی شیروانی اور رومی ٹوپی میں تھا۔ گلے میں پھولوں کے ہار اور رومی ٹوپی پر پھولوں کا سر پیچ لپٹا ہوا ڈرائیور کے بازو دولھا اور پیچھے کے حصہ میں حضرت اور میرے والد مع اپنے چھوٹے فرزندوں کے حضرت کے ساتھ تھے۔ جب حضرت کی موٹر ملک پیٹ صرفخاص پلٹن کی مسجد کے سامنے سے گزرنے لگی تو دولھا کو یاد آیا کہ نمازِ عصر ادا کرنا رہ گیا ہے ۔ انھوں نے دبی آواز سے والد سے عرض کیا ۔ والد نے حضرت سے معروضہ کیا کہ " حضرت اجازت ہو تو دولھا مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہے " حضرت نے فرمایا " بادا ! مسجد میں نماز ایسے دولھوں کو پڑھایا جاتا ہے جو نماز نہیں پڑھتے کہ کم از کم شادی کے دن تو نماز پڑھ لیں ۔ یہ تو نماز کا پابند بلکہ دوسروں کو نماز پڑھانے والا ہے ۔ اس کو نماز پڑھانے کی کیا ضرورت ؟ والد ادباً خاموش ہوگئے ۔ اور یہ عرض نہ کرسکے کہ دولھا نماز عصر ادا کرنا چاہتا ہے ۔ موٹر آگے بڑھ گئی ۔ اتنے میں حضرت نے شوفر سے کہا " موٹر روکو " پھر والد سے کہا " میں پیسوں کا بٹوا گھر میں بھول آیا ہوں کسی بچہ کو دوڑا کر منگوالو " ۔ چنانچہ میرے ایک بھائی دوڑے اور پرس لاکر خدمت میں پیش کردیا۔

محفلِ عقد میں پہنچنے کے بعد حضرت نے گھڑی دیکھی اور فرمایا " ہم وقتِ مقررہ سے چند منٹ تاخیر سے پہنچے ہیں ۔ مگر یہ تاخیر دولھا کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ میری وجہ سے ہوئی ہے ۔ دولھا نے وہیں ایک بازو نماز عصر ادا کی اور مسند پر آ بیٹھا۔ جن لوگوں نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی وہ دولھا کے پیچھے صف بستہ ہوگئے ۔ سید محمد بادشاہ حسینی صاحب نے خطبہ دیا۔ نمازِ مغرب کی امامت بھی دولھا نے کی جس میں حضرت شریک تھے ۔

جلوہ کے موقع پر حضرت کی جو عنایتیں میرے شریکِ حال تھیں وہی عنایتیں بھائی وقار کو بھی نصیب ہوئیں ۔ الحمدللہ ۔

حضرت کا خوشیوں کی تقاریب میں شرکت فرماکر خوشیوں کو دوبالا کردینے کا سب کو احساس اس وقت شدت سے ہوا جب کہ حضرت کی پوتی مولوی عبدالرحیم صاحب صدیقی کی منجھلی لڑکی حسینی بیگم کی شادی ان کے ماموں زاد بھائی محمد امجد حسین صدیقی سے مدینہ منسزل میں ہوئی تھی ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حضرت کے تمام جسم پر سوائے چہرہ انور کے چھالے نکل آئے تھے اور ان چھالوں میں شدید تکلیف تھی۔ چھالوں کو اسٹرلائیزا انجکشن کی سوئی سے چبوکر اس میں کا پانی جو گرم ہوتا تھا کپڑے میں جذب کرلیا جاتا تھا۔ اس سے حضرت کو گونہ تکلیف ہوتی تھی۔ چھالے جب پانی سے بھر جاتے تو بے انتہا خراش کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ سوزش اس قدر تھی کہ جسم پر کپڑا رہنا نہایت تکلیف دہ ہوتا تھا ۔ مجبوراً حضرت کرتے اور لنگی میں رہا کرتے تھے ۔ اسی تکلیف کے عالم میں جب عقد کا وقت قریب آیا تو حضرت نے کپڑے منگوائے ۔ کرتہ اور پاجامہ پہنا۔ جامہ وار کی شیروانی زیب تن فرمائی ۔ سر پر عمامہ باندھا اور اس طرح محفلِ عقد میں شریک ہوئے جس طرح صحت کی حالت میں شرکت فرماتے تھے ۔ چہرہ مسرت سے کھلا ہوا تھا عقد کے بعد لوگ مبارکباد دینے ملنے لگے تو اسی مسکراہٹ کے ساتھ ان سے ملاقات فرمائی جو ہمیشہ کی عادت تھی ۔ ہم لوگ نہایت متفکر اور پریشان تھے کہ اس وقت شیروانی میں ملبوس ہونے کے باعث نہ معلوم جسم کا کیا حال ہورہا ہوگا اور حضرت پر کیا کچھ نہ گزر رہی ہوگی ۔ ناواقف تو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ حضرت کس حال میں ہیں ۔ دلہن والوں کی جانب سے مہمانوں کی جو ضیافت کی جاتی ہے وہ حضرت کی جانب سے تھی ۔ جب عام مہمان رخصت ہوئے اور صرف اعیان رہ گئے تو حضرت نے اپنے کمرہ میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خادمین جو خدمت میں حاضر رہتے تھے اور تیمارداری کرتے تھے ۔ ان کے سہارے کمرہ میں تشریف لے گئے ۔ شیروانی اور عمامہ اتارا گیا۔ کرتے اور پائجامہ کا یہ عالم تھا کہ جسم کو چمٹ گیا تھا۔ لوشن سے کپڑوں کو تر کیا گیا تا کہ علحدہ کرنے میں آسانی ہو۔

باوجود اس کے کرتہ اتارتے وقت آبلے کرتے کو چمٹ جانے کے باعث علٰحدہ ہوتے گئے اور سارا جسم لہولہان ہوگیا۔ مگر حضرت اس قدر اطمینان سے گفتگو فرمارہے تھے گویا کوئی بات ہی نہیں ہے جو قابلِ توجہ ہو۔

اسی تکلیف کے دوران حضرت کے چچازاد بھائی نواب صدیق یار جنگ بہادر رکنِ عدالت العالیہ کے فرزند اکبر احسن اللہ صاحب کی شادی میں اپنے مرحوم بھائی کی نیابت کے مدنظر شرکت فرمائی تھی اور پورے اہتمام کے ساتھ اور موٹر میں دولھا کے ساتھ تھے وہاں بہت دیر تک ٹھہرے بھی رہے۔ جب گھر واپس ہوئے تو تبدیلِ لباس کے وقت وہی حالت درپیش ہوئی جو اوپر بیان ہوئی۔

غم کے مواقع

صاحبزادی آمنہ بیگم کا انتقال حضرت کی صاحبزادی آمنہ بیگم عین عالمِ شباب میں داغِ مفارقت دے گئیں۔ یہ صاحبزادی حضرت رابعہ بیگم صاحبہ کے بطن سے تھیں۔ جب بیماری نے شدت اختیار کی اور حالت نوبتِ احتضار تک پہنچی تو حضرت کی زوجہ محترمہ نے حضرت سے عرض کیا "میاں بچی کے لئے دعا فرمایئے۔ آپ کی بچی ہے کچھ تو کیجئے"۔ حضرت نے جواب دیا "تمہارے پاس روپیہ ہے پیسہ ہے ڈاکٹروں کو بلواؤ جو ہوسکتا ہے کرو" مولانا بادشاہ حسینی صاحب جو عیادت کی غرض سے تشریف لائے تھے حضرت کے اس جواب سے بےچین ہوگئے۔ رہا نہ گیا تو عرض کیا "حضرت دعا فرمائیں" حضرت نے ارشاد فرمایا "دعا کرنے سے میں نے کسی کو روکا تو نہیں ہے اگر آپ سے ہوسکتا ہے تو کیجئے" حضرت کے اس طرح جواب دینے سے ان کو اندازہ ہوگیا کہ یہ سب کچھ منشائے الٰہی کے تحت ہورہا ہے اور واپس ہوگئے۔

یہ واقعہ رکاب گنج کے گھر کا ہے۔ حضرت بڑے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اور صاحبزادی منجھلے گھر میں عمر کی گھڑیاں پوری کررہی تھیں۔ دم آنکھوں میں کھیل رہا تھا اور نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ کسی نے حالت کا اندازہ کرکے حضرت سے جاکر عرض کردیا "حضرت صاحبزادی آپ کو پکار رہی ہیں" حضرت بڑے گھر میں تھے یا پھر منجھلے گھر میں بچی کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ رنگ متغیر ہوگیا۔ وہی دو منتظر آنکھیں مایوس نظروں سے سب پر گزرتی ہوئیں حضرت کے چہرہ مبارک پر رکیں اور جم گئیں۔ یکایک چمک اٹھیں۔ زبان پر اللہ کا نام جاری ہوا اور اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ حکمِ الٰہی جب نافذ ہوتا ہے تو پھر کسی کی کچھ نہیں چلتی۔ حضرت کی خاموشی اور سکوت منشائے الٰہی تھا۔ جب جانے والی جاچکی تو حضرت بڑے گھر میں واپس آگئے۔ انتظامات کرنے والے تجہیز و تکفین کے بندوبست میں لگ گئے۔

صبر کا وقت صبح سے حضرت نہایت خاموش تھے، ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ رابعہ بیگم صاحبہ نے حضرت کے لئے چاء تیار فرمائی۔ لےکے میں مولانا بادشاہ حسینی صاحب صاحبزادی کی کیفیت معلوم کرنے دوبارہ تشریف فرما ہوئے۔ محترمہ نے حضرت کے ساتھ بادشاہ حسینی صاحب کے سامنے بھی چائے پیش فرمائی۔ مولانا نے چائے پیتے ہوئے صاحبزادی کی کیفیت دریافت کی۔ محترمہ نے جواب دیا "پاشا جو ہونا تھا ہوچکا جس کی امانت تھی اس کو پہنچ گئی"۔ مولانا نے فرمایا "آپ کا اطمینان دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ چائے بنارہی ہیں حضرت بھی نوش فرمارہے ہیں اور تواضع بھی فرمارہی ہیں خیال ہوا شاید طبیعت سنبھل گئی ہے" محترمہ نے فرمایا "پاشاہ وہ حرکت کا وقت تھا اور اب صبر کا وقت ہے، رو پیٹ کر اللہ سے راضی ہوجانا بھی کوئی راضی ہونا ہے۔ وقت پر راضی رہنا ہی اصل ہے"۔

صاحبزادی خدیجہ بیگم کا انتقال حضرت کی صاحبزادی میری والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ عرف بی جانی تقریباً ۴۹ سال کی عمر میں وفات پائیں اور اپنے پیچھے چھ نرینہ اولاد چھوڑ گئیں۔ اپنے باپ سے جو مرشد بھی تھے ان کو عشق تھا اور نسبت بڑی قوی تھی اور یہی نسبت ان کے ہمیشہ پیشِ نظر رہی۔ یا رسول اللہ کا ایک ورد تھا جو ان کی سانس سے جاری تھا۔ راضی بہ رضا رہنا مشکلات میں سے ہنستے گزر جانا ورثہ میں ملا تھا حضرت نے ان کے متعلق فرمایا تھا " فقیرنی ہے، عورتوں میں کی مرد ہے " آخری زمانہ میں مرض استسقاء میں مبتلا ہوئیں۔ بیماری نے طول کھینچا تو حضرت کی بڑی صاحبزادی نے جو حضرت کے ماموں اور مرشد حضرت خواجہ میاں کی بہو تھیں بیمار بہن کو مع متعلقین اپنے گھر قاضی پورہ بلوالیا۔ والدہ کا آخری زمانہ خواجہ کے قدموں میں گزرا۔

حضرت کے نانا اور دادا پیر حضرت میر پرورش علی صاحب المعروف بہ سید محمد بادشاہ حسینی قدس سرہ کے عرس کا زمانہ تھا۔ والدہ کی طبیعت زیادہ خراب تھی۔ زندگی کی گھڑیاں پوری کر رہی تھیں مگر ہوش و حواس پوری طرح درست تھے۔

۲۴ / ربیع الثانی کو چراغوں کی محفل میں حضرت کی تشریف آوری ہوئی۔ نمازِ مغرب کے بعد کچھ دیر صحنِ مسجد ہی میں تشریف فرما رہے۔ اندر والدہ، باوا کا نام سنتے ہی ملنے بے چین ہوگئیں۔ بار بار کہنے لگیں " باوا جان سے کوئی جاکر کہے ذرا تشریف لائیں میں مل لیتی ہوں۔ صورت دیکھ لیتی ہوں۔

حضرت کے ایک خادم بھائی غلام حسین بیگ وکیل جو حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ والدہ کا پیام سنا تو بڑھ کر عرض کیا " حضرت صاحبزادی بیمار ہیں، حالت نازک ہے۔ یاد کر رہی ہیں۔ ملنے بے قرار ہیں " حضرت نے جواب دیا " ان سے کہو اللہ کو یاد کریں، جب دوبارہ معروضہ کیا گیا تو فرمایا " کیا باوا باوا۔ اللہ کو یاد کرو بولو "۔

صحنِ مسجد سے اٹھے سماع میں شرکت فرمائی۔ خادمین کو ساتھ لے کر تبرک نوش کیا۔ عرس کے بازار سے بچوں کے لئے کھلونوں میں لکڑی کی تلواریں۔ لکڑی کے جھنجھنے اور ہوائی پستول خریدے اور موٹر میں سوار ہوگئے۔ بھائی غلام حسین بیگ نے پان پیش کرتے ہوئے عرض کیا " صاحبزادی قدم بوسی کرنے اور صورت دیکھنے بے قرار ہیں اگر سرکار تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے تو ان کو تسکین ہوجاتی "۔ حضرت نے جواب دیا " ہم تو گھر جارہے ہیں " غلام حسین بیگ صاحب نے جرأت کرکے عرض کیا۔ آپ مرشد ہیں مریدنی کی ایسی حالت میں تشریف نہ لے جائیں تو پھر کس دن کے لئے ؟ ارشاد ہوا " باوا وہ بیٹی بھی تو ہے " انھوں نے اصرار کیا تو فرمایا " ارے بھولے ! جب تک دنیا کے رشتے نہ ٹوٹیں خدا سے رشتہ نہیں جڑ سکتا۔ السلام علیکم، ہم تو چلے " اور موٹر روانہ ہوگئی۔

۲۵ / ربیع الثانی کو ختم کی محفل میں خلافِ عادت تشریف فرمائی نہیں ہوئی۔

محفلِ سماع حضرت یحییٰ پاشا قبلہ سجادہ نشین کی سرپرستی میں نہایت پُرکیف انداز میں جاری تھی۔ ایسے میں حضرت کے فرزند ابو القاسم محمد صدیقی عرف محمد باشا کو بہن کی یاد ستائی تو سماع سے اٹھ کر اندر پہنچے۔ ان کا بیان ہے کہ میں " آپا سے ملا تو ہاتھ اٹھاکر خوب دعائیں دیں اور سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ان کے قلب کا میرے قلب پر اثر پڑا تو میرے قلب سے بے اختیار یا رسول اللہ جاری ہوگیا "۔ ادھر صاحبزادے صاحب باہر نکلے ادھر صاحبزادی یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہتے کہتے رسول اللہ کے اللہ پر ختم ہوگئیں۔ اناللہ و انا الیہ راجعون اور ساتھ ہی عرس کی محفل بھی اختتام کو پہنچی۔ والدہ کے انتقال فرما جانے کی خبر نہایت سرعت کے ساتھ

عرس میں شرکت کرنے والوں میں پھیل گئی۔ والدہ نہایت ہر دلعزیز تھیں اور حضرت عبدالقدیر کی صاحبزادی تھیں۔ سارے لوگ میت کے گھر میں ٹوٹ پڑے۔ حضرت کو فوری اطلاع دی گئی۔ حضرت تشریف لائے۔ سفید چوبغلہ زیب تن تھا۔ لوگوں نے پہلی بار حضرت کو سیاہ عمامے میں دیکھا۔ جس میں حضرت کی آنکھیں شدت غم کی ترجمان تھیں۔ حضرت سیدھے اپنے خواجہ کی مزار پر پہنچے اور چوکھنڈی کے قریب رومال کا حدوا ڈال کر تشریف فرما ہوگئے۔ حضرت کا یہ نواسہ قدم بوس ہوا تو سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ماں کی جدائی پر شدت غم میں قدموں سے لپٹ گیا تو فرمایا " باوا! ایک اللہ مل گیا تو سب مل جاتے ہیں۔ سرکار (صلی اللہ علیہ و سلم) بھی مل جاتے ہیں اور ماں بھی مل جاتی ہے "۔ حضرت کے اس ارشاد سے دل میں سکون اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

غسلِ میت کے بعد آخری دیدار کے لئے خاندان جمع ہوا تو حضرت بھی اندر تشریف لائے۔ چھوٹے چھوٹے بچے نانا کو حسرت سے کھڑے تک رہے تھے۔ ماں کی میت بھی دیکھتے جاتے تھے۔ نہایت حسین، خوبصورت اور منور چہرہ آج تک نظروں میں ہے۔ حضرت پہلے سے تین بیویوں اور کئی بچوں کا غم اٹھا چکے تھے۔ اس مرتبہ خلافِ عادت حضرت کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے شمار آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ عورتوں کے آنچل اور مردوں کی دستیاں تر ہوگئیں۔ فقط آنسو تھے جو سب کی آنکھوں سے رواں تھے۔ نہ بین نہ ماتم نہ ہائے ہائے نہ وائے وائے۔ والد جو نہایت سنجیدہ و متین انسان تھے ان کی آنکھیں سرخ سرخ ہوگئی تھیں اور بڑی مشکل سے خود کو قابو میں رکھے ہوئے تھے۔ حضرت کی آنکھوں سے آنسو رواں دیکھ کر وہ حدیث پیشِ نظر ہوگئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صاحبزادے ابراہیم کے انتقال کا ذکر ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ و سلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور فرمارہے تھے " اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی میں مغموم ہیں "۔ مگر سرکارؐ کا دل اللہ سے راضی تھا۔ یہی اقتضاء تھا جسے حضرت پورا فرمارہے تھے۔ آنکھوں کو ان کا حق رے رہے تھے۔ اور آنسو رواں تھے۔ اور دل کو اس کا حق دے رہے تھے اور دل خدا سے راضی تھا۔ فقیر کے لئے بڑی مشکل ہے۔ ذرا ذرا سے میں گرفت ہے۔ تکلیف کا اثر بھی قبول کرے اور خدا سے ناراضگی کی کیفیت کا شائبہ بھی دل پر نہ آنے دے۔ ان متضاد کیفیات کا بہ یک وقت حق دینا اور پورے کمال اور اعتدال کے ساتھ دینا بجز اللہ کے فضل کے ممکن نہیں۔

نمازِ جنازہ وہیں مسجد النور میں ادا کی گئی اور تدفین محبوب آباد حال باقر نگر نزد عیدگاہ جدید قریب تالاب میر عالم عمل میں آئی جہاں حضرت کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت بادشاہ بیگم اور دوسری زوجہ محترمہ حضرت عائشہ بیگم، حضرت کے فرزند اکبر مولوی عبدالعزیز صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ امتہ اللہ بیگم اور حضرت کی دیگر صاحبزادیاں اور صاحبزادے اور کئی محترم ہستیاں آسودہ خاک ہیں۔

بعدِ تدفین حضرت نے اپنے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب سے فرمایا " چھوٹے میاں، تلقین تم کرو "۔ انھوں نے عرض کیا " بھائی آپ خود تلقین کریں تو مناسب ہے "۔ حضرت نے فرمایا " تم اور میں الگ ہیں؟ " تم تلقین کرو "۔ چنانچہ عبدالمقتدر صاحب قبلہ نے قبر پر ہاتھ رکھ کر تلقین شروع کی اور حضرت نے آسمان کی طرف ایک نظر ڈالی اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا " تیرے گلے کا ہار بھلا "۔ اور واپس ہوگئے۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد فرمایا " بی جانی کے انتقال سے میری کمر میں گرہ پڑگئی ہے "۔ ایک مرتبہ فرمایا " بی جانی کیا گئے قوالی کا مزہ جاتا رہا۔ میری والدہ قوالی بہت شوق سے سنتی تھیں ۔ اور اندر چلمن میں باوا سے قریب تشریف فرما رہتی تھیں ۔ عورتیں ان سے ملتیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا گویا وہ حضرت سے مل رہی ہیں ۔ ان کو بڑی تسکین ہوتی تھی ۔ قوالی کے بعد حضرت اندر تشریف لاتے تو پوچھتے بی جانی کہاں ہیں ۔ اپنی بیٹی سے مل کر بے حد خوش ہوتے اور قوالی کے بارے میں ان کے تاثرات معلوم کرتے ۔

ایک مرتبہ میری والدہ مدینہ منزل تشریف لے گئیں ۔ صحن بے حد وسیع تھا۔ وہ صحن سے گزر رہی تھیں ۔ حضرت کے صاحبزادے حسینی پاشاہ صاحب کا بیان ہے کہ " میں دالان میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپا کے قریب آجانے تک میں یہ سمجھتا رہا کہ باوا جان تشریف لارہے ہیں ۔ اصل میں رات دن مرشد کے تصور میں رہنے کی وجہ سے بہن کی مثالی شکل دیکھ کر حسینی پاشا صاحب کو ایسا خیال ہوا۔ اس بات سے ہماری والدہ کے فنافی الشیخ ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔ حضرت کا والدہ کے تعلق سے یہ فرمانا کہ فقیرنی ہے ، عورتوں کی مرد ہے " بلا وجہ نہیں ہے۔

حضرت قبلہ کی صاحبزادی خواجہ بیگم صاحبہ ، حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب کی منجھلی بہو تھیں ۔ ان کو پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے ۔ بڑا لڑکا داغ مفارقت دے گیا۔ یہی وجہ تھی کہ بعد کا لڑکا عزیز از جان تھا۔ سب سے چھوٹی لڑکی کا انتقال ہوئے چار ہی دن ہوئے تھے کہ دوسرا لڑکا بھی چل بسا۔ یہ کچھ کم سانحہ نہ تھا۔ ان پر تو گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

حضرت مقتدر منزل واقع براق پنچی تشریف لائے ۔ صاحبزادی نہایت بے قرار تھیں ، والد کو لپٹ کر خوب روئیں ۔ حضرت خاموش تھے ۔ عبدالمقتدر صاحب قبلہ نے عرض کیا " بھائی کچھ تسلی آمیز الفاظ فرمایئے تاکہ اس کو کچھ تو قرار آئے "۔ صاحبزادی کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا " تم اور اتنے بے قرار ! میری بیٹی اور اس قدر روتی ہے ! میرے پاس اپنے کلیجہ پر آپ نمک مرچ چھڑک کر اور آگ پر بھون کر چبانا ہے ۔ اور اف تک نہ کرنا ہے "۔ حضرت کے یہ ارشادات سننے کے بعد ان کی بے قراری تسلیم و رضا سے بدل گئی۔ اور وہ اللہ سے دعا کرنے لگیں کہ " ان بچوں کے نعم البدل میں بس ایک تو مل جا "۔

حضرت کے ماموں زاد بھائی اور پیر زادے حضرت یحییٰ پاشا " جب اپنے رب سے جاملے اور زندہ جاوید ہوگئے تو عجب عالم تھا۔ عزیز و اقارب ، مریدین ، معتقدین ، محبین کا ایک اژدھام تھا۔ گویا قاضی پورہ میں ایک قیامت برپا تھی۔ ایسے میں حضرت کی تشریف آوری ہوئی ۔ اس وقت غسل میت کے بعد عورتوں کو آخری دیدار کا موقع دیا جارہا تھا۔ حضرت کو دیکھتے ہی وفور غم سے ایک کہرام ہوا۔ حضرت جسدِ اطہر کے قریب پہنچے تو کسی نے روتے ہوئے عرض کیا " حضرت یحییٰ پاشا ابھی رہنا تھا "۔ حضرت نے جواب دیا " ہاں باوا ! ہمارے حضرت بھی رہنا تھا ، غوث پاک بھی رہنا تھا ، میرے سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی رہنا تھا " اتنا سننا تھا کہ سب پر ایک سکوت طاری ہوگیا اور ایسا معلوم ہوا کہ سب کے سینے نور سکینہ سے معمور ہوگئے ۔

استاذ العلماء شیخ المحدثین شمس المفسرین

بحرالعلوم حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ رحمۃ اللہ علیہ سابق پروفیسر وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

بحرالعلوم کی سالگرہ کے موقع پر لی گئی ایک یادگار تصویر

بائیں جانب سے: شیخ الاسلام حضرت سید محمد بادشاہ حسینی ۔ حضرت پیر سید نجم الدین قادری گیلانی ۔ بحرالعلومؒ ۔ جناب حبیب علی صاحب اور محمد مصباح الدین صاحب خلفاء بحرالعلومؒ

۱۵۔ جشن سالگرہ کی ایک جھلک

حضرت کی سالگرہ حضرت کے اقرباء، احباء، مریدین اور معتقدین بڑے ہی اہتمام سے مناتے تھے۔

صبح سے گلپوشی کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ حضرت اپنی سالگرہ کے موقع پر اپنے پیر و مرشد کی مزار پر چڑھانے پھول اور غلاف روانہ فرماتے۔ اسی روز حضرت کی طرف سے فدیہ بھی دیا جاتا تھا۔ نمازِ مغرب کے ساتھ ہی سالگرہ کا پروگرام شروع ہوتا۔ محفلِ سماع منعقد ہوتی۔ حیدرآباد کے بیشتر مشائخین، فقراء، پروفیسرس، شاگرد، مرید، معتقدین، محبین جن میں امراء عہدہ دار وغیرہ سب ہی ہوتے شریکِ جشن رہتے۔ بڑا اجتماع ہوتا۔ جشنِ سالگرہ کے انتظامات میں سو (۱۰۰) کے لگ بھگ آدمی مصروف رہتے تھے۔ مفوضہ کام کی تفصیلی فہرست پہلے سے تیار کی جاتی تھی۔ اور نام کے محاذی دستخطِ اطلاع یابی لے لی جاتی تھی۔ ہر شخص اپنا مفوضہ کام پوری ذمہ داری سے انجام دیتا تھا۔ زنانہ میں قادریات انتظامات میں حصہ لیتی تھیں۔ جو زرد رنگ کے بانے میں ملبوس رہتیں۔ اور حضرت کے اسم گرامی کا مونوگرام بطورِ بیاج لگائی ہوئی ہوتیں۔ امتیازی لباس اور بیاج کے باعث ان کو انتظامات کرنے میں سہولت بہم پہنچتی اور مستورات کو ان سے ضرورت پر مدد لینے میں آسانی ہوتی۔ سالگرہ کے دوسرے دن تمام منتظمین کو حضرت اپنی طرف سے ایٹ ہوم پر مدعو فرماتے اور سالگرہ کی تفصیلات سے بھی واقفیت حاصل کرتے۔

حضرت امام جعفر صادقؓ کی فاتحہ کا اہتمام سالگرہ کے موقع پر دورانِ سماع لوگ حضرت کی خدمت میں پھولوں کے ہار پیش کرتے وقفہ وقفہ سے حضرت ہار اتارتے جاتے۔ ہاروں کے انبار لگ جاتے باوجودیکہ حضرت اپنے صاحبزادوں، خلفاء اور دیگر حضرات کو اپنے گلے سے ہار اتار کر پہنا بھی دیتے تھے۔ جس کو ہار عنایت ہوتا اس کی خوشی کی انتہاء نہ رہتی۔ دوسرے لوگ بھی اس کو خوش نصیب سمجھتے۔ حضرت کی جانب سے سالگرہ میں شرکت کرنے والوں کی تناول طعام سے ضیافت کی جاتی۔ حضرت اپنی سالگرہ کے روز حضرت امام جعفر صادقؓ کی فاتحہ کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت پیر نجم الدین گیلانی کی شرکت اکیانویں سالگرہ کے موقع پر پیر نجم الدین گیلانی نے بھی شرکت فرمائی۔ پیر صاحب کے تشریف لانے سے پیشتر حضرت نے لوڈ اسپیکر پر اعلان کروادیا کہ "کوئی شخص پیر صاحب کو ہاتھ نہ لگائے، اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر صرف سلام کرے" پیر صاحب کے استقبال کے لئے مخصوص حضرات متعین کئے گئے تھے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے پیر صاحب کو خوش آمدید کہا گیا۔ لوگوں نے حضرت کے حجرہ شریف تک راستہ بنادیا اور دور دیہ کھڑے ہوگئے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب اور حضرت کے صاحبزادے محی الدین پاشا پیر صاحب کی رہنمائی کرتے آگے آگے چل رہے تھے۔ پیر صاحب کے جلو میں حضرت کے متعین کردہ چند مخصوص حضرات تھے۔ پیر صاحب سب کا سلام لیتے آگے بڑھ گئے اور حضرت کے حجرہ میں داخل ہوگئے۔ اور حضرت سے ملاقات فرمائی۔ حضرت کرسی پر تشریف فرما تھے۔ اپنی مسہری پر حضرت نے پیر صاحب کو بٹھایا۔ حضرت کے بڑے داماد اور پیرزادے حضرت فقیر پاشا مع اپنے فرزند صادق پاشا کے حضرت کے پاس پہلے سے موجود تھے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب کے لئے بھی حضرت نے کرسی رکھوائی تھی۔ خاصہ کا میز چنا گیا۔ خاصہ کے دوران پیر صاحب نے حضرت سے فرمایا۔ آپ کا وجود عالم کے لئے باعثِ خیر و برکت ہے۔ آپ کا نقصان قوم کا نقصان ہے۔ آپ کی ایسی کئی سالگرہ

منانا سب کو نصیب ہو" حضرت نے دریافت فرمایا" کیا آپ اس کی تصدیق فرما رہے ہیں" پیر صاحب نے جواب دیا" بے شک میں اس کی تصدیق کر رہا ہوں، اسلام میں آپ کو مرکزیت حاصل ہے" حضرت چونکہ قادری تھے۔ غوث پاک کی نسبت سے پیر صاحب کا احترام ملحوظ رکھنے لگے تو پیر صاحب نے حضرت سے فرمایا" آپ کی بزرگی مسلم ہے۔ آپ میرے جد کی جگہ ہیں۔ مجھے آپ اپنے نواسوں میں شریک فرمالیں تو میرے لئے موجبِ سعادت ہے"۔

خاصہ سے فراغت کے بعد حضرت فقیر پاشا کو جلسہ گاہ میں لایا گیا۔ حضرت نے اپنے پیر زادوں کے لئے اپنی مسند کے قریب تخت پر جگہ رکھی تھی۔ فقیر پاشا نے فرش پر بیٹھنا چاہا۔ ان سے عرض کیا گیا کہ حضرت نے تخت پر اپنے قریب آپ کی جگہ رکھی ہے چنانچہ وہ مسند کے قریب اپنے فرزند کے ساتھ تشریف فرما ہوگئے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب کے ساتھ پیر صاحب کی جلسہ گاہ میں تشریف آوری ہوئی۔ پیر صاحب کی خدمت میں صوفہ پیش کیا گیا۔ وہ بھی نیچے بیٹھنے پر مصر تھے یہ معلوم کرکے کہ حضرت نے ان کے لئے بطور خاص صوفہ رکھوایا ہے۔ حاضرین کو مخاطب کرکے معافی چاہتے ہوئے فرمایا" میں حضرت کے حکم کی بناء پر بیٹھ رہا ہوں" صوفہ پر تشریف فرما ہوگئے۔ مولانا بادشاہ حسینی صاحب کو مسند کے قریب مقررہ جگہ پر بٹھادیا گیا۔

حضرت کی صحت اس قابل نہیں تھی کہ سہارے سے چل کر جلسہ گاہ تک آسکیں۔ لہذا حضرت کو متحرک کرسی پر بٹھاکر جلسہ گاہ میں لایا گیا۔ حضرت کی کرسی جس طرف سے گزرتی لوگوں کے سر تعظیم سے جھک جاتے۔ دست بوسی یا قدم بوسی کی مجال نہیں تھی۔ سفید کرتا اور سفید پاجامہ زیب تن تھا۔ سر پر زرد رنگ کا عمامہ اور سبز رنگ کا بوٹی دار نیم آستین پہنے ہوئے تھے۔ گلے میں در نجف کی تسبیح اور بکی شال حمائل تھا۔ باوجود پیری کے چہرہ کی ملاحت اور شادابی متاثر کن تھی۔ چہرہ روشن اور آنکھیں نہایت پر نور تھیں۔ لوگ دیکھ دیکھ کر درود پڑھ رہے تھے۔ کرسی سے اتر کر مسند پر بیٹھنے تک کچھ وقت لگا۔ حضرت محفل کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ پیر صاحب بھی سب کے ساتھ کھڑے حضرت کے تشریف فرما ہونے کے منتظر ہیں۔ حضرت نے پیر صاحب سے صوفہ پر بیٹھنے کی خواہش کی۔ پیر صاحب نے فرمایا" اگر حضرت کی اجازت ہو تو میں نیچے بیٹھتا ہوں" یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت کے تمام صاحبزادگان سب کے ساتھ نیچے فرش پر تھے۔ حضرت نے پیر صاحب سے فرمایا" مجھے ضعیفی کی وجہ سے نیچے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کے لئے صوفہ میں نے رکھوایا ہے۔ اور نہایت محبت اور متواضع انداز میں صوفہ پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ پیر صاحب صوفہ پر تشریف فرما ہوگئے۔ صوفہ تخت سے متصل حضرت سے قریب تھا۔

حضرت محفل کی طرف متوجہ ہوئے تو عزیز احمد خاں وارثی نے مبارک باد شروع کی۔

برتو ایں محفلِ شاہانہ مبارک باشد ÷ ساقیا بادہ و پیمانہ مبارک باشد

گلپوشی کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت نے بعض ہار روک لئے۔ پیر صاحب کو فقیر پاشاہ صاحب اور مولانا بادشاہ حسینی صاحب کو حضرت نے ہار پہنائے۔ نذر پر نذر شروع ہوئی۔ حضرت لوگوں سے نذر قبول فرماتے اور پیر صاحب کے سامنے پیش کرتے۔ اشعار پر پیر صاحب سر دھننے لگے اور خود بھی حضرت کے سامنے نذر پیش کی۔ دو تین چوکیوں تک پیر صاحب محفلِ سماع میں تشریف فرما رہے۔ جب وقار کی ٹھمری" ہرے جھنڈے کے شہزادے جی میرے پیر دستگیر" اختتام کو پہنچی تو پیر

صاحب نے حضرت سے واپسی کی اجازت لی اور واپس ہوئے ۔ جب موٹر میں تشریف فرما ہوگئے تو مولانا بادشاہ حسینی صاحب اور دیگر قادریوں نے نعرہ بلند کیا ۔ پیر نجم الدین زندہ باد ۔ پیر صاحب نے جواب میں نعرہ لگایا ۔ عبدالقدیر زندہ باد ۔ اور موٹر روانہ ہوگئی ۔

حضرت نے لوڈ اسپیکر پر امن الرسول والی دعا پڑھی اور آخر میں فرمایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کلمۃ حق علیہا نحی و علیہا نموت و علیہا نبعث ان شاء اللہ من الامنین مطمئنین فرحین فائزین غیر خزایا ولا نادمین ولا خائبین ولا محرومین ولا مفتونین ۔ حاضرین کی زبان سے نکلا انشآء اللہ ۔ پھر مجلس برخواست ہوئی ۔ حضرت کو زنانہ میں پہنچادیا گیا۔ جہاں قادریات پھولوں کے ہار لئے بے چینی سے منتظر تھیں ۔ اس سالگرہ کے بعد بیانویں اور تریانویں سالگرہ ہی منانے کا موقع حضرت کے متعلقین کو مل سکا ۔ سالگرہ کی یہ تقریب بطور یادگار آج بھی ۲۷ / رجب کو صدیق گلشن میں پورے احترام اور عقیدت کے ساتھ منائی جاتی ہے ۔

۱۶۔ایک ناقابلِ فراموش محفل

حضرت کی عمر شریف کا ترسٹھواں (۶۳) سال تھا۔ رکاب گنج کے مکان میں تشریف فرما تھے ۔ ماہ ربیع الاول کی بارھویں شب تھی ۔ ماہانہ محفل سماع منعقد تھی جو مولود برزنجی اور قصیدہ بردہ کے بعد ہوا کرتی تھی ۔ برزنجی سے پیشتر نماز مغرب کے ساتھ ہی ذکر کا حلقہ ہوتا تھا۔ اس محفل میں میں بھی شریک تھا اور اوائل نوجوانی تھی۔ بھائی وقار بھی میرے ساتھ ہی تھے۔

قوال نے مصرع پڑھا ع

"تھام لو بیاں ہماری میں واری تم پر جاؤں نبی جی"

حضرت کو کیفیت شروع ہوئی ۔ داڑھی کے بال کھل گئے ۔ ایک رنگ آرہا تھا ایک رنگ جارہا تھا ۔ بے خبری میں باخبری کے ساتھ کھڑے ہوگئے ۔ آنکھوں سے ایک نور نکلتا معلوم ہورہا تھا۔ وہیں کے وہیں چکر لگانے لگے ۔ پھر ہاتھ بڑھائے آگے بڑھنے لگے۔ بمصداق آتشِ شوق تیز تر گردد کیفیت تیز سے تیز تر ہونے لگی ۔ یہاں تک کہ لوٹنے لگے گویا ایک بجلی تھی کہ کوند رہی ہے۔ حضرت کو خلافِ عادت اس طرح لوٹتا ہوا دیکھ کر سب کے دل بے قرار ہوگئے ۔ کشتگان خنجر تسلیم را - والی محفل کا خیال آیا تو ہاتھوں کے طوطے اڑگئے اور ہوش رخصت ۔ بھائی حبیب جعفر اور بھائی محمد حسین چیخ پڑے ، حضرت چلے - لوٹنے کی سکت باقی نہ رہی ۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑنے لگے ۔ یہاں تک کہ نبضیں ساقط ہوگئیں ۔ گردن ڈھلک گئی ۔ سینہ بے حرکت اور جسم ٹھنڈا پڑگیا۔ ہرطرف یا رسول اللہ یا رسول اللہ کی دل دوز چیخیں تھیں ۔ لوگ دھاڑیں مارتے بے خودی میں ایک کے اوپر ایک حضرت کے اطراف گرپڑے ۔ کچھ دیر اور گزرتی تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ عورتوں کا چلمنوں سے نکلنا باقی تھا۔ اتنے میں حبیب علی بھائی جو نیچے دبے ہوئے قدموں سے لپٹے ہوئے تھے ، چیخ پڑے ۔ اٹھنے کی کوشش کرنے لگے ۔ حضرت کے ہاتھ پاؤں میں حرکت محسوس ہورہی تھی ۔ دیوانوں میں عقل کہاں تھی جو سمجھ سکیں ۔ بڑی مشکل سے عقل ٹھکانے آئی ۔ خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات لئے اطراف کھڑے ہوگئے ۔ کچھ دیر بعد حضرت نے آنکھیں کھول دیں ۔ اٹھنے کی کوشش فرمانے لگے ۔ ہاتھ پاؤں ایسے جیسے ان میں جان ہی نہیں ۔ بمشکل حبیب بھائی کے سہارے اٹھ بیٹھے ۔ نیم وا آنکھیں رنگت میں کبھی سپیدی تو کبھی زردی ۔ حبیب علی بھائی نے قدم بوسی کی ابتداء کی۔ حضرت پوری طرح محفل کی طرف متوجہ ہوگئے ۔ دیوانگانِ محبت نے اپنا مظاہرہ شروع کیا ۔ قوال مسلسل دھرائے جارہا تھا " میں واری تم پر جاؤں نبی جی "۔

دوسرے دن استفسار پر فرمایا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نظر آئے ۔ ہاتھ دیا اور غائب ہوگیا۔ حضرت نے ہاتھ تھام لیا۔ اور ساتھ لے چلے ۔ کچھ دور چلنے کے بعد فرمایا " تم سے ابھی کام لینا ہے۔ واپس جاؤ "۔ اور واپس فرما دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت مزید ۳۰ سال بقید حیات رہے ۔

۱۷۔ نیند کی نیند، بیداری کی بیداری

دنیا کے لئے رات اور رات کا وقت جو سونے کے لئے سب سے بہتر ہوتا ہے اس میں حضرت کے لئے بیداری اصل پونجی تھی۔ لوگ جن ساعتوں میں سب سے بے خبر ہوتے ہیں اور میٹھی نیند کے مزے لیتے ہیں۔ حضرت ذکر الٰہی میں محو اور قربِ محبوب اور اس کے وصل کی لذت سے شاد کام رہتے تھے۔ دنیا دیکھتی تھی کہ حضرت خراٹے لے رہے ہیں اور آرام فرما رہے ہیں۔ مگر دل حاضر رکھنے والا محسوس کرتا تھا کہ یہ خراٹے عام لوگوں کے خراٹوں کی طرح نہیں ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ اوپر کی سانس سے لا الہ کی آواز اور نیچے کی سانس سے الا اللہ کی آواز نکل رہی ہے۔ اور ذکر محو و اثبات میں مصروف ہیں۔ لاالٰہ محو۔ الا اللہ اثبات پھر ایسا معلوم ہوتا کہ اوپر کی سانس سے اللہ اور نیچے کی سانس سے ھو کی آواز خراٹوں میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ پھر اچانک ایسا معلوم ہوتا کہ خراٹے بند ہیں اور حضرت گہری نیند میں ہیں۔ دراصل حضرت حبسِ دم کر لیتے اور کتنی کتنی دیر تک سانس نہ لینے کی وجہ سے سینہ بے حرکت رہتا پھر سانس چلنے لگتا اور خراٹے بلند ہو جاتے۔

حبسِ دم جو لوگ خدمت کی سعادت سے مشرف رہتے طویل حبسِ دم سے گہری نیند کا دھوکا کھاتے اور اس خیال سے کہ پیر دبانے یا چپی کرنے سے حضرت کی نیند میں کہیں خلل واقع نہ ہو آہستہ سے سرک جاتے اور حضرت کے کروٹ لینے یا بیدار ہونے کے منتظر رہتے۔ حضرت کا دنیا سے یہ انوکھا انداز بہت کم لوگوں کے پلے پڑا ہوگا۔

کلمہ طیبہ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا "کلمہ طیبہ سے خطرات و اوہام دفع ہوتے ہیں۔ اور ماسوی اللہ کی نفی ہوتی ہے۔ اسم جلالہ، اللہ اللہ سے استغراق پیدا ہوتا ہے۔ بیخودی آتی ہے۔ ھو اور اللہ سے بالخصوص محویت و بے خودی آتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا "ایک بات یاد رکھو! کہ ہر سلیبل پر الگ توجہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اَل اور لاہ دو سلیبل میں کہنے کے بجائے ھو، ھو کو جتنا چاہیں لمبا کریں۔ زبان سے کہنے کی بھی حاجت نہیں۔ بلکہ دل سے ھو کو بہت لمبا کر سکتے ہیں۔ جتنا لمبا کریں گے اتنی دیر تک کوئی دوسرا خطرہ نہیں آسکتا۔ مشق اور عادت سے خیال کو ایک نقطہ پر جمنے کی عادت ہوتی ہے۔ غیر خدا کی طرف توجہ ہی بری بلا ہے۔ ادھر اُدھر کے خطرات بہت تباہ کرتے ہیں۔

پاسِ انفاس پاسِ انفاس تو ضروری ہے۔ حبسِ نفس بھی کم از کم صبح کی نماز کے بعد کچھ دیر تو کرنا چاہیئے۔ ہر شئے کا حق ادا کرنا ورنہ گنہگار۔ خلوئے معدہ میں حبسِ نفس سے گرمی بہت ہوگی۔ پیٹ بھری حالت میں بدہضمی ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ فرمایا "جاہل لوگ واقف نہیں ہیں، حبس دم کیوں کرتے ہیں زندگی سانس کا چلنا ہے۔ اس کو بند کر دیا جائے تو آنا جانا کہاں ہے؟ اب اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ کی طرف بے قرار ہو کر جائے۔ حرکت سانس لینے سے جو ہوتی ہے اس کو روک دیتے ہیں۔ ایک قسم کا عارضی سکون یا عارضی موت ہے۔

حضرت کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

بے قراری مجھی کو پہنچا دے ÷ وہ ستمگر اگر نہیں آتا

بعض وقت خراٹے دھیمے رہتے ۔ اوپر کا سانس بے آواز ہوتا ۔ اور نیچے کی سانس سے قاف (ق) کی آواز سے مشابہ آواز نکلتی معلوم ہوتی ۔ غور کرنے والوں نے یقیناً غور کیا ہوگا کہ یہ یاحی یا قیوم کا سانس سے ذکر ہورہا ہے ۔ اوپر کی سانس میں یاحی اور نیچے کی سانس میں ق کی آواز اسم قیوم کی ہے ۔ بعض وقت اس آیت کا خیال آتا و اللہ خیر و ابقیٰ بعض وقت یقین ہوجاتا کہ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار کی آیت کا ٹکڑا اوپر کی سانس میں لمن الملک الیوم اور نیچے کی سانس میں للہ الواحد القہار اور ق کی آواز قہار کی ہے ۔ اس طرح خراٹے لیتے لیتے حبسِ دم فرمالیتے اور جب سانس لیتے تو تیز تیز اور چھوٹے چھوٹے سانس لیتے اور ان سانسوں سے اللہ اللہ اللہ ، واحد واحد واحد ، قہار قہار قہار صاف سنائی دیتا ۔ اس طرح چھوٹے سانس اس وقت تک لیتے رہتے جب تک کہ دوبارہ حبسِ دم کے لئے سانس استوار نہ ہوجاتا ۔ جب سکون ہوجاتا تو پھر حبسِ دم کرلیتے ۔

بعض وقت اوپر کی سانس اور نیچے کی سانس دونوں سے ق سے مشابہ آواز نکلتی معلوم ہوتی میں نے اس پر کافی غور کیا ۔ مجھے بعض وقت قہار کی بعض وقت قیوم کی اور کبھی قوی کے اسماء اور بعض وقت قوی مقتدر اور بعض وقت قدیر مقتدر کے اسماء سمجھ میں آئے ۔ بعض وقت سانس گہرے لینے لگتے ۔ مجھے پورے انہماک سے سننے پر ایسا محسوس ہوا جیسے ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر کا دونوں سانسوں سے ذکر فرمارہے ہوں اور تھوڑی تھوڑی دیر سے حبس دم بھی جاری رہتا ۔ کبھی مختصر تو کبھی طویل ۔

حبسِ دم کی طوالت کے بارے میں میں نے اندازہ لگایا اس طرح کہ خود بھی حضرت کے ساتھ حبسِ دم کرلیتا اور خیال میں خود کو حضرت کے تعویض کردیتا ۔ مشق کرنے کی وجہ سے میں حبسِ دم کرکے آسانی سے تین سو مرتبہ اللہ کا ذکر کرسکتا تھا ۔ حضرت کے ایک حبسِ دم کے عرصہ میں مجھے کبھی دو بار اور بعض وقت تو تین سانسیں لینے پڑتے ۔ گھنٹہ پون گھنٹہ اس طرح ذکر میں مشغول رہنے کے بعد کروٹ لیتے یا کروٹ ہوں تو چت ہوجاتے ۔ پھر یہی شغل جاری رہتا ۔

چپی کرنے والے حضرت کے آرام میں خلل کا خیال کرکے جب ہاتھ روک لیتے تو خراٹے لیتے ، پیر کو اور پیر کی انگلیوں کو جنبش دیتے اور لوگ خیال کرتے کہ حضرت کی نیند بڑی ہوشیار نیند ہے فوراً چپی کرنے لگتے ۔

بعض کے ساتھ ایسا ہوتا کہ حضرت کے قرب کی وجہ سے رحمت کے زیر اثر راحت محسوس کرتے اور اونگھ جاتے ۔ حضرت یکے بعد دیگرے پیروں کی انگلیوں کو متحرک کرتے کبھی اس پیر کی تو کبھی اس پیر کی ۔ آدمی کبھی اس پیر کو دبانے لگتا تو کبھی اس پیر کو ۔ توجہ بار بار بدلنے سے نیند غائب ہوجاتی ۔

بعض حضرات کے ساتھ ایسا ہوتا کہ خدمت کرنے والا غیر شعوری طور پر حضرت کے ساتھ احدیت کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتا ۔ حضرت اپنے ساتھ اس کو بھی کھینچ لاتے اور اس کو اس کی ذات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کبھی اس پیر کو تو کبھی اس پیر کو یکے بعد دیگرے حرکت دینے لگتے ۔ آدمی کی توجہ کبھی اس پیر پر آتی تو کبھی اس پیر پر اور اس طرح اس کے حواس درست ہوجاتے

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

میرے اس طرح وثوق سے کہنے کی ایک وجہ ہے ۔

ایک مرتبہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس وقت حضرت مدینہ منزل کے جدید مکان کے کمرہ میں تشریف

رکھتے تھے ۔ کمرہ میں داخل ہوا ۔ حضرت تخت پر تنہا تشریف فرما تھے ۔ میں جب پہنچا تو اس وقت رات کے دس بجنے میں بیس منٹ باقی تھے ۔ حضرت نے سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا ۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا ۔ اتنا یاد ہے کہ حضرت سے آنکھیں چار ہوئی تھیں ۔ کچھ دیر بعد حضرت نے زور سے " ہوں " کہہ کر مجھے مخاطب کیا حضرت کی آواز پر میں چونک گیا ۔ حضرت نے پوچھا گھڑی میں کیا بجے ہیں ؟ میں نے گھڑی دیکھ کر عرض کیا دس بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں ۔ حضرت نے استفسار فرمایا " گھڑی گھنٹے بجائی ؟ میں نے عرض کیا " میں نہیں سنا " حضرت نے فرمایا " میں بھی نہیں سنا " حضرت کی بہو ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صاحب کی محلِ محترمہ (الیاس برنی صاحب کی صاحبزادی) نے بالکل جو بازو کے کمرہ میں رہتی تھیں پکار کر کہا " صمدانی پاشا گھڑی گھنٹے بجائی میں خود سنی ہوں " میں نے حضرت سے عرض کیا " موسیٰ ماموں کی دلہن فرما رہی ہیں گھڑی گھنٹے بجائی انہوں نے خود سنا ہے " حضرت نے فرمایا " گھڑی گھنٹے بجائی نہ تم نے سنے اور نہ میں سنا، پھر ہم کہاں تھے ؟ میں نے عرض کیا " مجھے ساتھ لے کر نہ معلوم حضرت کہاں تھے ؟ زندگی کے یہ چالیس منٹ میری زندگی کی معراج ہیں ۔

سلوک ایک مرتبہ فرمایا " سلوک میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ۔ ایک فنائے ذات میں بے ہوش ہوجاتے ہیں ۔ نہ ذاکر رہتا ہے نہ ذکر نہ مذکور ۔ اور دوسرے لوگ فنا ہوجاتے ہیں اور ان کو احساس ہوجاتا ہے کہ نہ ذکر نہ ذاکر نہ مذکور ۔ مگر ان کو بے ہوشی طاری نہیں ہوتی یہ اکثر قادریوں پر ہوتا ہے ۔ اس طرح ایک کے سلوک کی انتہا بے ہوشی اور نیستی پر ہے اور دوسرے کے سلوک کی انتہا علم صحیح پر ہے ۔ بے ہوش ہونے والوں کے پاس فنا اور بقاء دونوں کے درمیان زمانہ اور فاصلہ نہیں ۔

ایک مرتبہ فرمایا " ایک آدمی کو نیند آتی ہے تو نیند آجانے سے قبل بیداری و خواب کی درمیانی حالت بھی ہوتی ہے ۔ اس طرح فنائیت سے پہلے ایسی نیم فنائیت رہتی ہے کہ اس میں اپنے کمال دکھانے کی طرف انسان متوجہ رہتا ہے ۔ اسی مرتبہ میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ۔ اس درمیانی درجہ فنائیت میں ایسے ایسے خوارق سرزد ہوتے ہیں کہ اگر خدا سے ہٹ کر ان کی طرف توجہ کرے تو اس میں پھنس کر رہ جائے ۔

غفلت اور فنائیت فرمایا " لذت اور مزہ جسے کہتے ہیں نہ غفلت میں ہے نہ فنائیت میں تھوڑی غفلت ، تھوڑی فنائیت میں ہی مزہ ہے

مئے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

فنائیت کے بعد بقاء میں مزہ اس لئے رہتا ہے کہ دوام حضور تحت الشعور رہتا ہے اور دنیا کا خیال و شعور بھی رہتا ہے ۔ اس طرح وہی نیم حضوری و نیم غفلت کا عالم رہتا ہے ۔ بیستنے کی چیز بیتے تو معلوم ہوتا ۔ سمجھنے سے نہیں ہوتا ۔

لطفِ مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں

ایک مرتبہ فرمایا " سونے سے پہلے غفلت رہتی ہے اور فنائیت سے پہلے علم رہتا ہے ۔ یاد رکھو یہ بات ۔ ایک بات معلوم ہوئی ہم اپنی طرف سے سوگئے تو غفلت ہے اور حکم ہوا کہ سوجاؤ تو صرف تعمیل حکم ہی نہیں بلکہ وہ فنائیت ہے ۔

فرمایا " فنا کے معنیٰ ہماری توجہ اِدھر اُدھر کی چیزوں پر نہیں ۔ اور فناء الفناء یہ کہ " یہ علم ہے " یہ بھی نہ رہے ۔

نیند آنے سے پہلے جو درمیانی حالت رہتی ہے جس میں خفیف سا بیداری کا علم رہتا ہے وہ فنا کی مثال ہے ۔ اور جب نیند آجائے تو

فناء الفناء کی مثال ہے۔

سونے کے وقت کیا کیا ہوتا ہے اس پر غور کرو تو یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ نیند آرہی ہے تو نیند کے وقت کچھ معلوم ہورہا ہے اور یہ بھی علم ہے کہ اب چلا، چلا کہاں؟ ایسے مقام پر جہاں میرے ہوش چھن جائیں گے۔ جیسے اس میں کئی درجات ہیں۔ ویسے ہی توجہ اور فناء اور پھر فناء الفناء کے درمیان بھی درجات ہیں۔

نیند اور فناء میں فرق صرف یہ ہے کہ نیند میں اللہ کی طرف توجہ نہیں۔ آپ کیا کرو کہ اللہ اللہ بولتے ہوئے سونے کی عادت ڈالو تو ہوتے ہوتے توجہ ہوجائے گی۔

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ہوشیار ہوئے تو ایسا معلوم ہوا کہ سوئے نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم پہلے ہی سے ہوشیار ہیں۔ تنام عینی ولا ینام قلبی۔ بھولے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خاص تھا نہیں ان کے وارثوں کو بھی حاصل ہے۔

درمیان میں کسی صاحب نے کہا کہ کتاب میں تو سرکار کے ساتھ خاص تھا لکھا ہے۔

حضرت نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا "یاروں کا تجربہ ہے۔ جو اللہ کا نام لیا اسے اس لائق ایک حصہ ملا۔ منطبق کرنا اسم الٰہی کو مسمّٰی کے ساتھ یعنی صرف اسم نہیں بلکہ مسمّٰی کی طرف بھی خیال رہے۔ سوتے میں خود بخود صوتِ سرمدی آتی ہے۔ اسے ہی لوگ کہتے ہیں نیند کے گھماٹے انسا وراء عقولکم اللہ میاں ہدایت کرنا چاہیں تو نیند کو بھی حیلہ بنادیتے ہیں"۔

رات کا ایک حصہ گزرنے پر خود اٹھ کر بیٹھ جاتے یا سہارے سے اٹھ بیٹھتے۔ پانی پیتے، عشاء کی نماز ادا نہ کئے ہوں تو پلٹ کر قبلہ رخ بیٹھ جاتے کمر کی تکلیف کی وجہ سے سجدہ گاؤ تکیے پر کرتے۔ پان کھاتے۔ حوائج ضروری سے فراغت حاصل کرتے۔

حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا "وہ صاحب پائخانے میں بھی ہیں کہاں نہیں؟ پائخانہ بھی ایک اضافی چیز ہے۔ وہ منقطع الاضافات ہے۔ نماز پڑھنے کے وقت نماز پڑھیں گے۔ پائخانہ جانے کے وقت پائخانہ جائیں گے"۔

حوائج ضروری سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دیوار پر تیمم کرکے یا تولیٹ جاتے یا کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے۔ پان کھاتے یا پھر سگار ملاحظہ فرماتے۔ سگار کے ڈبے تکیہ کے بازو رکھے رہتے تھے۔ حضرت کی عادت شریف تھی کہ سگار عام طور پر رات کے دو بجے ملاحظہ فرماتے اس میں بھی شغل جاری رہتا۔ کش کھینچتے وقت اللہ اور چھوڑتے وقت ھو۔

ایک مرتبہ فرمایا "اپنے خیال کو غیر محدود بنالو۔ خیال کرو ذاتِ بحتہ کی طرف توجہ کررہا ہوں اور اپنے خیال کو اس پر منطبق کرو تو خود بخود حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا "دنیا کی تمام چیزوں کی تحلیل کرتے جاؤ تو مرکب کی خصوصیات مٹتی جائیں گی۔ اور ایک "ہے" رہ جائے گا "وجود بالذات"

فرمایا "حقائق میں پھنس کر حقیقت الحقائق کو چھوڑ دینا بڑی بدبختی ہے۔ اس کے لئے تحلیل کی عادت ضروری ہے"۔

حضرت کے آخری زمانہ میں خادم کی تحریک پر حضرت کے پوتروں، نواسوں اور چند پیر بھائیوں نے اپنی اپنی سہولت کو پیش نظر رکھ کر مغرب سے فجر تک ایک ایک گھنٹہ ڈیوٹی مقرر کرلی تھی تاکہ حضرت کی خدمت میں کوئی نہ کوئی حاضر رہے اور خدمت کی سعادت

سے مشرف ہوا کرے ۔ اور حضرت کو آرام پہنچے ۔ چنانچہ باقاعدہ ٹھیک وقت پر نشست و برخواست ہوا کرتی تھی ۔

عبداللہ | میں نے اپنی ڈیوٹی رات کے ۲ تا ۴ مقرر کروالی ۔ دن اور رات کے مختلف حصوں میں حاضر خدمت ہوا کرنے اور حضرت کی کیفیات کا اندازہ لگاتے رہنے کی بناء پر مجھے یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ حضرت ان اوقات میں " حبیب اللہ کی شان میں خصوصیت کے ساتھ جلوہ گر رہتے ہیں ۔ حبیب اللہ در اصل وہ ہوتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول باطنی جہت میں حبیب اللہ کہہ کر مخاطب فرمائے ۔ ایسا تخاطب سوائے " عبداللہ " کے جو غوث زماں ہوتا ہے اور محلِ نظرِ الٰہی رہتا ہے کسی اور کو نصیب نہیں ہوتا ۔

حضرت نے عبداللہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے ۔ " کامل بندہ تو وہی ہوگا جس کو خدائے تعالیٰ کی ذاتِ مجمع کمالات سے وابستگی ہوگی ۔ اور یہی شخص " عبداللہ " کہلانے کا مستحق ہوگا ۔ وہ اپنی عدمیت محض پر رہے گا نہ کسی شئے کو اپنی ملک جانے گا ۔ نہ کسی قوت سے خود کو موصوف سمجھے گا ۔ وہ خود کو بالکل عاجز پائے گا اور خدائے تعالیٰ اس سے عظیم الشان آثار قدرت و خوارق عادات نمایاں فرمائے گا ۔ بالجملہ عبداللہ وہ ہے جو اپنا کچھ نہ سمجھے اور خدائے تعالیٰ ساری دنیا کو اس کا کردے " ۔

جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندے کا
حسرت ترا بندہ ہے وہ تجھ کو بھلا کیا دے

غوث | ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں " نظام ظاہر باطن کا پرتو ہے ۔ یہ دنیا نمونہ ہے آخرت کا ۔ تمام عالم پر جو پھیل گیا ہے ۔ وہ غوث ہوتا ہے ۔ چھوٹے بڑے حصے پر جو پھیلا وہ قطب ہوتا ہے ۔ ہر زمانے میں ایک قطب اعظم ہوتا ہے اسے " غوث " کہتے ہیں ۔

ایک اور موقع پر یوں تشریح فرماتے ہیں " تجلی اعظم کی تفصیل ساری دنیا میں ہونے والی تجلیات ہیں ۔ یہ تجلی دو قسم کی ہے ایک موقت ایک غیر موقت ۔ غیر موقت تجلی اعظم حقیقت محمدی ہے ۔ ایک ایک زمانہ میں ایک پیغمبر یا قطب پر موقت تجلی ہوتی ہے ۔ مگر یہ موقت تجلیات ہیں تو سب حقیقت محمدی کی تفصیل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تجلی اعظم کا موقتی مظہر پیغمبر تھے ۔ اور آپ کے بعد " غوث " تجلی اعظم کے مظہر ہوتے ہیں " ۔

میں نے ایک مرتبہ حضرت سے سوال کیا ، غوثِ زماں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اٹھالیتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صورت اٹھالیتے ہیں ۔

حضرت نے ارشاد فرمایا " بعض کے ساتھ ایسا ہوتا ہے اور بعض کے ساتھ ویسا " ۔ میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کی صورت اٹھالیتے ہیں اس کا کیا معاملہ رہتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا " اللہ تعالیٰ اس کی تشبیہ میں جلوہ گر رہتا ہے ۔ مگر ایسا شخص صدیوں میں پیدا ہوتا ہے ۔

حضرت کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حبیب اللہ سے مخاطب فرمایا ۔ حضرت کے باطنی ناموں میں عبداللہ کے ساتھ ساتھ حبیب اللہ کا نام بھی ہے حبیب اللہ صدیوں میں پیدا ہونے والا عبداللہ ہے ۔

ایک مرتبہ قدیم مکان (واقع رکاب گنج) میں فصوص الحکم کا درس چل رہا تھا ۔ دورانِ درس حاضرین کے اصرار پر حبیب اللہ اور محبوب اللہ کے فرق کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ " حبیب اللہ وہ ہوتا ہے جس کو اللہ سے ذرا سی بھی غیریت اور دوئی نہیں رہتی " ۔

ایک مرتبہ میں نے چند منقبتی شعر حضرت کی شان میں لکھ کر حضرت کو سنائے اس کا مطلع تھا ۔

شاہِ عبدالقدیر عرش مقام ۞ بندہ ذوالجلال و الاکرام

عرش مقام | حضرت نے استفسار فرمایا - عرش مقام کیا بات ہے ؟ میں نے عرض کیا ۔ بیوی میاں کے ساتھ ، غلام مالک کے ساتھ ، ذوالجلال والاکرام کا بندہ ذوالجلال والاکرام کے ساتھ ۔ حضرت نے تائید میں سر کو جنبش دیتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا - دعویٰ مع دلیل ہے "

میں نے دوسرا شعر پیش کیا ۔

آئے گی سامنے یہی صورت ۞ لے کے دیکھے کوئی خدا کا نام

حضرت نے اثباتی انداز میں اپنے چہرہ مبارک پر زور دیتے ہوئے شعر کو دہرایا ۔

آئے گی سامنے یہی صورت ۞ لے کے دیکھے کوئی خدا کا نام

واردات | ایک مرتبہ حضرت نے اپنے چہرہ پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا - یار پچاس سال سے اسی صورت میں ہے "۔

پولیس ایکشن کے دور میں جب کہ حضرت مدینہ منزل سے متصلہ محبس کے مکان میں کرایہ سے مقیم تھے اور حضرت کے جسم مبارک پر سوائے چہرہ اقدس کے ، چھالے نکل آئے تھے اور حضرت انتہائی تکلیف میں تھے ۔ اس زمانہ میں کئی آدمی حضرت کی خدمت میں دن رات لگے رہتے تھے ۔ محی الدین پاشا صاحب نے رات کے دو بجے کے عمل میں قریب کی ہوٹل میں پیسر بھائیوں کے ساتھ چائے پیتے ہوئے تذکرہ فرمایا کہ " بھائی جان اکثر فرماتے رہتے ہیں کہ باواجان غوث زماں ہیں ۔ بھائی جان سچ فرماتے ہوں گے ۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ باوا جان مجھ سے خود فرمائیں کہ حضرت غوث ہیں ، چائے پی کر ہم واپس پہنچے تو دیکھا کہ حضرت بیرونی وارانڈے میں برآمد ہیں ۔ ہم لوگ حضرت کے اطراف بیٹھ گئے ۔

حضرت نے محی الدین پاشا صاحب کو مخاطب کرکے اپنی آپ بیتی بیان کرنی شروع کی تقریباً دو گھنٹے تک اپنے واردات ، کیفیات قلبی ، اور انکشافات بیان فرماتے رہے ۔ دورانِ گفتگو محی الدین پاشا صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا - باوا ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی شان قہر احدیت مجھے ہر آن فنا کردیتی ہے اور ساتھ ہی شان رحمانیت پھر سے مجھے اعطائے وجود کرتی ہے ۔ خود میرے اندر سے موجیں نکلتی رہتی ہیں ۔ ایک موج نکلتی ہے اور سارے عالم کو فنا کردیتی ہے اور ساتھ ہی دوسری موج نکلتی ہے اور عالم کو پھر سے قائم کردیتی ہے "۔ اس طرح محی الدین پاشا صاحب کے خیال کے مطابق حضرت نے اپنی زبان سے ان کو مخاطب کرتے ہوئے وارداتی انداز میں اپنے غوث ہونے کا اندازہ کرا دیا ۔ حضرت نے اپنی یہ آپ بیتی پچھلی رات میں اس جملہ پر ختم فرمائی " باوا ! صمدانی فقیر ہے "۔ محی الدین پاشا صاحب نے اس سرفرازی پر مجھے مبارک باد دی ۔

تیری گویائی کی ایک ادنیٰ سی یہ تاثیر ہے

جو نکل جائے زباں سے بس وہی تقدیر ہے (انوار)

میں نے بعد میں ایک موقع سے حضرت کے ان ہی وارداتی جملوں کو دہراتے ہوئے سوال کیا کہ " حضرت اس عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک بھی ہے ۔ کیا حضورؐ کے جسد مبارک کو بھی غوث زماں کے ذریعہ ہر آن اعطائے وجود ہوتا ہے ؟ حضرت نے فرمایا - تم یہ کیسا سوال کررہے ہو ۔ وہ غوث بغیر سرکارؐ کے ٹکا کیسا ؟ مجھے بات پوری طرح سمجھ میں آگئی کہ سرکارؐ جو تجلی اعظم ہیں اسی

تجلی اعظم کی موقت تجلی کا مظہر ظہور ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا " رسول اللہ کو پکارو میں نظر آؤں گا۔ مجھے پکارو رسول اللہ نظر آئیں گے۔

میرا وجود تم سے ہے میرا نمود تم سے ہے
غیب و شہود تم سے ہے میں ہوں کہاں تم ہی تو ہو (محمود قادری)

ان کے قدموں میں پڑا رہتا ہوں
قدِ محبوب کا سایہ ہوں میں (حسرت صدیقی)

مرحبا صلی علی اے جانشین مصطفیٰ
تو نہیں ہے چلتی پھرتی ان کی اک تصویر ہے (انوار)

ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا " بابا! ایک کام کر رہا ہوں۔ جو صورت سامنے آتی ہے، دیکھ کر درود پڑھتا ہوں " (یہ دراصل حقیقتِ محمدی کی طرف توجہ دلانا ہے)

ہم تو خیر حضرت کو دیکھ کر درود پڑھا ہی کرتے تھے۔ مگر اب یہ جو معلوم ہوا کہ ہم کو بھی دیکھ کر حضرت درود پڑھتے ہیں بڑی طمانیت ہوئی اور اللہ سے امید بندھی کے انشاء اللہ، اس کے حبیب کا ہم کو دیکھ کر درود پڑھنا نہ آج خالی جائے گا اور نہ کل خالی جائے گا۔ ع

بخشنے والے کو حیلہ چاہیے۔

اُن کا مرید ادھر حضرت کو دیکھ کر درود پڑھتا تھا مگر مرشد کو پیشِ نظر رکھ کر اور ساتھ ہی خود اپنے کو بھی دیکھ کر درود پڑھتا تھا۔ مگر حضرت کا مرید ہونا پیش نظر رکھ کر۔ ان کی ایک صورت مرشد کی شکل میں ہے اور ان کی دوسری صورت مرید کی شکل میں ہے۔ باوجود اس کے مرشد مرشد ہے اور مرید، مرید۔ ایک صورت ہے لاکھوں ہزاروں میں۔ ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

اختلاج بعض وقت رات میں حضرت کو سخت اختلاج رہتا تو پوتروں، نواسوں میں سے جو بھی حاضر رہتے ان سے فرماتے " ہاں! کچھ اِدھر اُدھر کی سناؤ " ان سے باتیں سنتے بظاہر ایسا معلوم ہوتا کہ اپنا خیال بٹانے اور دل بہلانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ نہ معلوم ان کا خدا کے ساتھ کیا معاملہ رہتا۔

وصال سے تقریباً تین ماہ پیشتر رات میں سخت اختلاج ہونے لگا۔ فرمایا " رحیم صاحب کو بلاؤ " رحیم پاشا صاحب دالان میں لیٹے ہوئے تھے سنتے ہی فوراً حاضر خدمت ہوئے ان سے فرمایا " رحیم صاحب تم میرے بازو لیٹ جاؤ اولاد سے بھی راحت پہنچتی ہے " چنانچہ رحیم پاشا صاحب تخت پر چڑھ کر حضرت کے بازو دیوار کی طرف لیٹ گئے۔ رحیم پاشا صاحب اپنے والد سے بیس سال چھوٹے تھے۔ اس وقت حضرت کی عمر شریف ترانوے (۹۳) سال ختم ہو کر چند روز ہوئے تھے۔ اور رحیم پاشا صاحب کا سن تقریباً تہتر (۷۳) سال تھا۔ اپنے والد سے نہایت مشابہ تھے۔ تخت پر دونوں کو بازو بازو لیٹا دیکھا تو بے اختیار یہ مصرع پیش نظر ہوگیا۔

ایک صورتیا میں دو دو مورتیا
کون مولا کون بندہ میں کیا جانوں

مجھے تو یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ رحیم پاشاہ صاحب کو جیسا کہ پہلے فرمایا تھا بڑوں میں دیکھنے کے خیال سے ان کی حیات کا سامان کر رہے ہیں ۔ اور ان کی روح میں وہ طاقتیں بہم پہنچا رہے ہیں کہ آئندہ پڑنے والے بار کی تاب لاسکیں ۔ رحیم پاشا صاحب کتنی دیر تک باوا سے لگے ہوئے لیٹے رہے ۔ اس وقت چونک پڑے جب حضرت نے ان سے فرمایا " مجھے اب سکون ہوگیا "۔

کیفیاتِ شب حضرت رات کا بڑا حصہ سوتے نظر آتے مگر دراصل بیدار رہتے تھے البتہ دن میں موقع ملتا تو سوجاتے تھے ۔ دن میں خراٹوں کی کیفیت رات کے خراٹوں سے بالکل مختلف ہوتی تھی ۔ گو ان خراٹوں میں بھی اللہ اللہ کی آواز ہی صاف سنائی دیتی تھی مگر انداز بالکل الگ ہوتا تھا ۔

حضرت جب نیند سے بیدار ہوتے تو آنکھوں میں بلا کا خمار رہتا ۔ کتنی دیر تک آنکھ کسی شئے پر جمی ہوئی نظر نہ آتی ، بلکہ نظر پھیلی ہوئی رہتی ۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کسی شئے مطلق مخفی مستور کے دیدار میں محو ہے ۔

ایک مرتبہ فرمایا " ما رایت شیئا الا ورایت اللہ قبلہ ورایت اللہ معہ ورایت اللہ بعدہ ۔ ایک ہی آدمی پر کبھی ایک کبھی تینوں حالتیں رہتی ہیں ۔ ذات پر توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ، بلکہ رہتی ہے اسی پر ، اور مخلوقات پر توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔

دوسری قسم کے لوگوں کی مخلوقات پر توجہ رہتی ہے اور ان کو ذاتِ حق پر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور بعض لوگ دونوں سے بھی ہوشیار ہوتے ہیں ۔

فرمایا " مقصد اصل میں یہ ہے کہ احدیت پر توجہ رہے ۔ جو چیز دکھ رہی ہے اس پر زور دینے سے کیا فائدہ ۔ جو نظر نہیں آتی اس پر زور دو ۔ اتنا کہ وہی پہلے دکھائی دے ۔ ہمیشہ اپنی نظر اپنے عدم ذاتی پر رہنی چاہئیے ۔

بالکل فریش ہونے سے پہلے عام طور پر چار بجے سے اٹھ بیٹھتے ، نماز فجر اول وقت ادا فرماتے ۔ نماز کے ساتھ ہی ذکر الٰہی میں مصروف ہوجاتے اور ذکر بالجہر فرماتے ۔ اس ذکر کو محی الدین پاشا صاحب نے نوٹ کرکے اہل سلسلہ کے استفادہ کے لئے راتب صدقی کے نام سے طبع کروایا ہے ۔

ذکر سے فارغ ہوکر بعض وقت چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ کھالیتے ۔ پان ملاحظہ فرماتے اور صبح کے درس میں آنے والوں کے انتظار میں گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھ جاتے اور دروازہ پر نظر جمی رہتی ۔

شاہی تخت اور سر پر تاج
بیٹھے ہیں دیکھو جگ مہاراج

۱۸۔ سفرِ آخرت

علالت علالت کم و بیش سقوطِ حیدرآباد کے کچھ ہی عرصہ پہلے سے شروع ہوئی ۔ سوائے چہرہ اقدس کے سارے جسم پر آبلے آگئے تھے ۔ صحت دن بدن کمزور ہوتی گئی اس کے بعد مختلف عوارض لاحق ہوتے گئے ۔

آخری نعتیہ قصیدہ بزبانِ عربی وصال سے تقریباً دوماہ قبل ماہِ شعبان میں ایک نوٹ بک میں پنسل سے اپنے ممدوح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ۔ اپنے نواسے محمد وقار الدین صدیقی صاحب سے رات میں جب کہ وہ خدمت میں حاضر تھے تکیہ کے نیچے سے نوٹ بک نکال کر ان کو دیتے ہوئے فرمایا " پڑھ سکتے ہو کیا دیکھو " حروف کے اشکال دقتِ نظر کے طالب تھے ایک تو حضرت بیماریوں کی وجہ سے کمزور ہوگئے تھے ۔ دوسرے عمر کا تقاضہ تھا ۔ علاوہ ازیں اپنے ممدوح اور محبوب میں پورے منہمک اور کھوئے رہنے کی بناء پر تحریر کی طرف جیسے کچھ توجہ دی جاسکتی ہے ظاہر ہے ۔ وقار الدین صدیقی صاحب نے کوشش کرکے ایک ایک مصرعہ سنانا شروع کیا ۔ چند شعر سننے کے بعد فرمایا " آرام سے دیکھو " اس کے بعد لفافے منگوائے اور اپنے فرزندوں اور بعض مریدوں کے نام خطوط لکھوائے جو پاکستان ہجرت کرچکے تھے ۔ اس کام سے فارغ ہوکر وقار الدین صاحب حضرت کے قصیدہ کو صاف کرنے بیٹھے ۔ ضرورتاً سامنے سے گزرے تو فرمایا " کیا کر رہے ہو " انھوں نے عرض کیا قصیدہ صاف کر رہا ہوں ۔ حضرت نے مسرت سے فرمایا " جیتے رہو مجھے تم سے یہی امید تھی " ۔ صاف شدہ قصیدہ جب ملاحظہ میں پیش کیا گیا تو اظہار خوشنودی فرمایا ۔ یہ جملہ گیارہ شعر تھے ۔ چند روز کے بعد مزید چار شعر لکھوا دئے (اس قصیدہ کو وقار الدین صاحب نے ترجمہ اور تفصیلات کے ساتھ مدیر ماہنامہ القدیر کو عنایت کیا جو حسرت نمبر میں شائع ہوچکا ہے) ۔ یہ نعتیہ قصیدہ حضرت کا آخری قصیدہ ہے ۔ اور قوم کے نام در پردہ آخری پیام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا دامن پوری عظمت کے ساتھ تھامے رہیں ان کی محبت میں مریں تاکہ مرکر بھی زندہ رہیں ۔

حضرت وصال فرمانے تک ہر روز اس قصیدہ کو پڑھا کرتے اور آنے والوں سے پڑھواتے اور خود سنتے تھے ۔ قصیدہ معہ ترجمہ بغرضِ استفادہ پیش ہے ۔

قصیدۃ فی نعت خیر البریۃ

صلاۃ وتسبیح وازکی التحیۃ — علی خیر خلق اللہ شمس الحقیقۃ
دعائے نزولِ رحمت بیانِ پاکی اور پاکیزہ ترین سلام — بہترین خلق اللہ ، آفتابِ حقیقت پر

نبی نبیہ شافع و مشفع — امام ھمام ملجا للبریۃ
وہ شہرہ آفاق نبی ہیں شفاعت کرنیوالے اور مقبولِ شفاعت ہیں — سردارِ عالی ہمم ہیں اور خلقت پناہ ہیں

فمن دان دین المصطفیٰ فازفی الوری — ومن حادعنہ کان غرق المصیبۃ
جس نے دینِ مصطفےٰ اختیار کیا کامرانِ زمانہ ہوا — اور جو اس سے الگ ہوا مصیبت میں ڈوب گیا گھر گیا

امین لوحی الله للدین حافظ ‏ وهادی عباد الله حامی الحقیقة
وحی الٰہی کا جوں کا توں پہنچانے والے ہیں محافظ دین ہیں ‏ بندگانِ خدا کے رہنما ، حقیقت کے حامی ہیں

وسیف لقتل الظالمین غضنفر ‏ وجلمود صخر عند کل کریهة
ظالموں کو قتل کرنے والی تلوار ہیں شیرِ مرد ہیں ‏ ہر شدید معرکہ کے مقابل اٹل اور مضبوط چٹان ہیں

اغث یارسول الله یاسید الوری ‏ فانی فقیر عاجز ببلیة
یارسول اللہ ، اے سردارِ زمانہ ، امداد ! ‏ کہ میں محتاجِ کرم ہوں مصیبت سے عاجز ہوں

عظیم العطایا للبرایا و صادق ‏ حبیب اله العالمین بعظمة
وہ خلائق کے حق میں داتا ہیں ، راست باز ہیں ‏ خداوندِ کائنات کے محبوب ہیں جاہ و حشم کے ساتھ

ویاخیر خلق الله یاسید الرسل ‏ فانی فقیر عاجز فی البریة
اے بہترینِ خلق اللہ ، اے رسولوں کے سردار ‏ میں محتاجِ کرم ہوں ، ناچارِ زمانہ ہوں

جمیل المحیا صاحب المجد و العلیٰ ‏ عظیم عباد الله تحت الارادة
وہ صاحبِ شکلِ جمیل ہیں بزرگ و بلند پایہ ہیں ‏ اللہ کے بندوں میں سب سے بڑے اور اس کے تحتِ ارادہ ہیں

فانت بفضل الله سید الرسل ‏ ونحن بفضل منک من خیر امة
اللہ کی عنایت سے آپ رسولوں کے سردار ہیں ‏ اور آپ کی عنایت سے ہم بہترین امت سے ہیں

جواد کریم طاهر و مطهر ‏ رؤف رحیم قد خلقت برحمة
آپ سخی ہیں کریم النفس ہیں پاک ہیں پاکیزہ ہیں ‏ بہت مہرباں ہیں رحم دل ہیں سراپا رحمت ہیں

جواد کریم شافع و مشفع ‏ وانت بفضل الله قاسم رحمة
آپ سخی ہیں کرم فرما ہیں شفاعت کرنیوالے اور مقبول شفاعت ہیں ‏ اور اللہ کی عنایت سے آپ رحمت کے تقسیم کرنیوالے ہیں

علیم عظیم للخلائق عزة ‏ ودین النبی واضح للبریة
صاحبِ علم و معرفت ہیں گراں قدر ہیں آپکا وجود موجودات کیلئے عزت ہے ‏ نبی کا دین سارے جہاں پر واضح ہے آشکارا ہے

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر ‏ فدین النبی ظاهر فی الحقیقة
پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے ‏ نبی کا دین تو اپنی حقانیت میں ظاہر ہے

شجاع غیور دافع الظلم و الجفا ‏ وللکفر ماح ذوالفقار الکریهة
اور بہادر ہیں غیور ہیں ظلم و جفا کو دور کرنیوالے ہیں ‏ کفر کو مٹا دینے والے اور معرکہ جنگ میں شمشیرِ جوہردار ہیں

مرض الموت ڈیڑھ دو سال کی علالت میں پہلوان جیسا قوی اور مضبوط بدن پوست و استخواں رہ گیا۔ سوار اس قدر قوی تھا کہ گھوڑا تاب لانے کے قابل نہ رہا۔ ڈاکٹروں نے دوائیں دیں ۱۰ انجکشن دیئے سب کچھ کرکے دیکھ لیا۔ تھوڑا بہت افاقہ ہوا لیکن قابلِ اطمینان صورت نہ ہوئی۔ کمزوری بڑھتی ہی گئی۔ سب کی تشویش بڑھی ، مایوسی بڑھی ، اور مرض الموت بڑھا۔ بالآخر ہوا وہی جس کا یقین تھا۔

ایسا یقین جو ٹالنے بہلانے کی حدوں سے باہر ہوچکا تھا ۔ باوجود اس کے حضرت کی وفات سب کے لئے خلافِ توقع اور اچانک تھی ۔ کیونکہ حضرت کے قوائے ذہنی پورے طور پر پراستعداد اور بیدار تھے ۔ بیماری کا خاتمہ یہ بھی ہے کہ آدمی زود رنج اور تنک مزاج ہوجاتا ہے اس وقت جب کہ وہ عمر رسیدہ کمزور اور ناتوان ہو اور مسلسل بیمار بھی رہے ۔ تو طبیعت کا توازن قائم نہیں رہتا ۔ حضرت میں عجیب بات یہ تھی کہ وہ اس نوبت پر بھی مسرور ، سنجیدہ اور متوازن رہے ہر طرح کی تکلیفیں سہیں باوجودیکہ ۹۳ سال ختم کرچکے تھے ۔ چہرہ بشرہ سے بھی مایوسی اور بیزاری کا کبھی اظہار نہ کیا نہ موت کی تمنا کی اور نہ تو کوئی ناملائم یا ناشکری کا کلمہ ہی زبان سے نکلا ۔ بڈسورس (bed _ sores) ہوگئے تھے ۔ حضرت کو حرکت کرنا مشکل تھا ۔ مرض اپنے شدائد کی آخری حدوں تک پہنچ گیا تھا ۔ مگر حضرت میں اندرونی یا بیرونی خلش نہیں پیدا ہوئی ۔ حضرت کی طاقتِ صبر اور قوتِ ارادی کی پختگی حیرت انگیز تھی ۔

حضرت فرماتے ہیں :۔

مرضِ عشق اور جینا ہوں ÷ میرا جینا خدا کی قدرت ہے

فرمایا " میں نے کہا (اللہ سے) مجھے اتنی تکلیف کیوں دیتا ہے " کہا " اتنی تکلیف نہ دی جائے تو تم اپنی بندگی بھول جاؤ گے " ۔

خدائی طاقتوں کا معلوم نہیں کیسا لازوال خزانہ خدا کی طرف سے ان کے ساتھ تھا " ۔

ایک مرتبہ فرمایا " ایک ہاتھ سے وزن ڈالتے ہیں ، دوسرے ہاتھ سے سہار بھی لیتے ہیں ورنہ کمزور کیا تاب لاسکتا ہے ۔

عیادت کی غرض سے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ۔ حضرت کی تکلیف کا خیال کرکے آنے والا سلام کرکے دور ہی کھڑا رہتا تو اشارے سے قریب بلاتے مصافحہ کے لئے خود ہاتھ بڑھاتے ۔ ان کی گرفت میں اب بھی توانائی تھی ۔ لطف و محبت کے دو چار کلمے کہتے ۔ کبھی طبیعت زیادہ ناساز رہتی تو ایسی حالت میں بھی آنے والے کا خیر مقدم آنکھوں کی پر معنیٰ و پر مسرت جنبش سے کرتے ۔ اور کسی کو یہ محسوس ہونے نہ دیتے کہ کس اذیت میں مبتلا ہیں ۔ حضرت کے خصوصی معالج دوسرے ڈاکٹروں کو لاتے اور حضرت کا معائنہ کرواتے تو واپسی پر ان کا شکریہ ادا کرتے ۔ آنے والے ڈاکٹروں کا سر عزت و تکریم سے حضرت کے تقدس کے سامنے جھک جاتا ۔ مرض الموت میں نماز کیلئے کروٹ بدلنے کی ضرورت تھی تاکہ قبلہ رخ ہوجائیں ۔ خدمت گاروں کو آواز دی ۔ جب کوئی حاضر نہ ہوا تو نماز کے لئے رکعت باندھ لی ۔ اتنے میں خدمت گار پہنچے دیکھا کہ ہاتھ سینہ پر بندھے ہوئے ہیں ۔ خاموش ٹھیرے رہے جب نماز سے فارغ ہوچکے تو انہوں نے عرض کیا ، سرکار! آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف نہیں تھا ۔ فرمایا " میں نے آواز دی ، کوئی آیا نہیں ، انتظار کیا ، مجبوراً رکعت باندھ لی ۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ ایسے ہی وقتوں کیلئے ہے ۔

وصال سے ایک دن پیشتر گیارہ بجے دن کے عمل میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ مدینہ منزل کے قدیم مکان کے اندرونی بڑے ہال میں حضرت تخت پر لیٹے ہوئے تھے ۔ جو ستون سے قریب تھا ۔ آخری زمانہ کے چند دن حضرت اسی مقام پر تشریف فرما رہے اور اسی مقام پر وصال فرمایا ۔ حضرت کو دیکھا تو جی بھر آیا ۔ تندرستی ، زندہ دلی ، استقلال و استقامت کا جیتا جاگتا نمونہ جو بہ یک وقت اپنے حبیب رسول صلی اللہ علیہ و سلم اپنے دادا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اپنے نانا مولیٰ علی اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ کی یاد دلانے والا تھا ان آنکھوں سے دیکھ چکا تھا ۔ حضرت نے اللہ کی راہ میں اپنی ساری توانائیاں پوری طرح لگادی تھیں اور اللہ کے حبیب کی ذات میں محوِ حق ہوچکے تھے ۔ حضرت نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جس سے مجھے آج تک سابقہ نہیں پڑا تھا ۔ اگر حضرت خود مجھے ٹکائے نہ رکھتے تو

شاید فنا کے گھاٹ اتر جاتا۔ حضرت نے میری طرف اپنا دستِ مبارک بڑھایا۔ میں نے ایک ہاتھ سے دست مبارک کو اور دوسرے ہاتھ سے کہنی کو سہارا دیا۔ حضرت چت لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت نے میری طرف آہستگی سے کروٹ لی۔ قیامت خیز نظروں سے مجھے ملاحظہ فرماتے ہوئے اپنے دستِ مبارک کو آہستگی سے کھینچا۔ حضرت کی ہتھیلی اور انگلیاں میری دونوں ہتھیلیوں پر سے گذریں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی لطیف سی چیز میرے اندر سے نکل گئی۔ میں چونکا اور شکستہ خاطر ہوا، ساتھ ہی میری توجہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز ہوگئی۔ مظہرِ رسول نے دوبارہ دستِ مبارک بڑھایا۔ میں نے پہلے کی طرح سہارا لیا۔ حضرت نے مجھے بغور ملاحظہ فرماتے ہوئے نہایت آہستگی سے ہاتھ کھینچا اور مجھے مسلسل محسوس ہونے لگا کہ کوئی چیز میرے اندر سے نکل جارہی ہے۔ اسی دوران میرے دل میں خطرہ آیا کہ حضرت نے مجھے جو کچھ فیض عطا فرمایا ہے وہ میری نااہلی اور کم ظرفی کی بناء پر سلب تو نہیں فرمارہے ہیں۔ ساتھ ہی دامنِ قلب نے اطمینان دلایا کہ حضرت حبیب اللہ ہیں دے کر کبھی واپس نہیں لیتے۔ اور اضطراری طور پر اللہ کی طرف میری توجہ آگئی۔ تیسری بار مظہرِ خدا نے دستِ مبارک بڑھایا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پہلے کی طرح سہارا لیا۔ حضرت نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیسری مرتبہ اپنا دستِ مبارک کھینچا۔ حضرت کی ہتھیلیاں اور انگلیاں میری دونوں ہتھیلیوں پر سے مَس کرتی نہایت آہستگی سے گزریں اور مجھے محسوس ہوا کہ میں بالکل خالی ہوچکا ہوں اور اپنے اندر اطمینان کے ساتھ ساتھ ایک مکمل خلاء محسوس ہونے لگا۔ حضرت کو پردہ فرمائے ۲۹ سال ہونے کو آئے ہیں مگر اندرونی اطمینان اور خلاء کا احساس آج بھی اسی طرح باقی ہے۔ اپنے اندر غور کرتا ہوں تو ایک ھُو کا میدان ہے جس کی نہ ابتداء سمجھ میں آتی ہے اور نہ انتہا۔ باہر سارے تماشے نظر آتے ہیں اور ہر آن ایک نیا تماشا۔

آخری ساعتیں ضعیفی، بیماری، مسلسل تکلیف، کمزوری اور نقاہت مگر حضرت کو سابقہ ان عوارض سے نہیں خدا سے تھا۔ دوسرا ہوتا تو نہ معلوم دل میں خدا جانے موت کے خیال سے جذبات کے کیسے کیسے مدوجزر ابھرتے مٹتے رہتے۔ مگر حضرت کے لبوں پر مسکراہٹ، چہرہ پر شگفتگی و چمک، آواز میں امید و استقامت اور آنکھوں میں روشنی جھلکتی رہی۔ ہراس و ناامیدی کا کوئی اثر نہیں۔ پگھل گئے مگر ملے نہیں۔ دعائیں مقبول ہوئیں نہ دوائیں کارگر۔ وقت ٹلتا رہا، مشیتِ الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے۔ جب کہ محبوبِ حقیقی خود اپنے محبوب کو مزید قریب کرنے اور اپنی ان نشانیوں اور قدرت کی کرشمہ سازیوں کو دکھانے پر مائل ہو جن کو آدمی اس دنیا میں رہ کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ دن آپہنچا جس میں وہ ساعت بھی تھی جو ایک حبیب کو دوسرے حبیب سے ملانے والی تھی۔

شوال ۱۳۸۱ھ کی سترہ (۱۷) تاریخ تھی ہفتہ کا دن تھا۔ صبح سے حضرت بے چین نظر آرہے تھے اور مسلسل عربی قصیدہ کے پہلے دو شعر پڑھتے جارہے تھے۔ آخری زمانہ میں حضرت کے خصوصی معالج ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی (قدیری) بھی وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے اور شریکِ مشورہ رہا کرتے۔ جسمِ مبارک پر جلد کے نیچے سرخ دھبے صبح ہی سے بلکہ رات ہی سے نمودار ہونے لگے تھے۔ حضرت نے اپنے پوتے ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی صاحب کو یاد فرمایا۔ حضرت کے چھوٹے صاحبزادے غوث محی الدین صدیقی صاحب (عرف غوث پاشا) نے مغل پورہ پہنچ کر عبدالعلیم صدیقی صاحب کو حضرت کے یاد فرمانے کی اطلاع دی اور اپنے ساتھ مدینہ منزل لے آئے۔ آتے ہی انہوں نے نبض دیکھی، نبض ملی نہیں، ٹمپریچر بھی دیکھا ہلکا سا بخار تھا۔ اور خون کا دباؤ ٹمپریچر کی موجودگی میں جتنا ہونا چاہئیے اس سے کم تھا۔ تنفس کی رفتار بھی کسی قدر تیز تھی۔ اسی اثناء میں ڈاکٹر ضیاء بھی آگئے۔ دونوں نے باہمی مشورہ سے کورامین (Coramin) کا انجکشن دیا۔ تھوڑی دیر بعد نبض واپس آگئی۔ دو تین روز سے حضرت کو اجابتیں بھی آگئی تھیں اس سے جسم میں پانی کی کمی ہوگئی تھی۔ لہٰذا گلوکوز سلائین

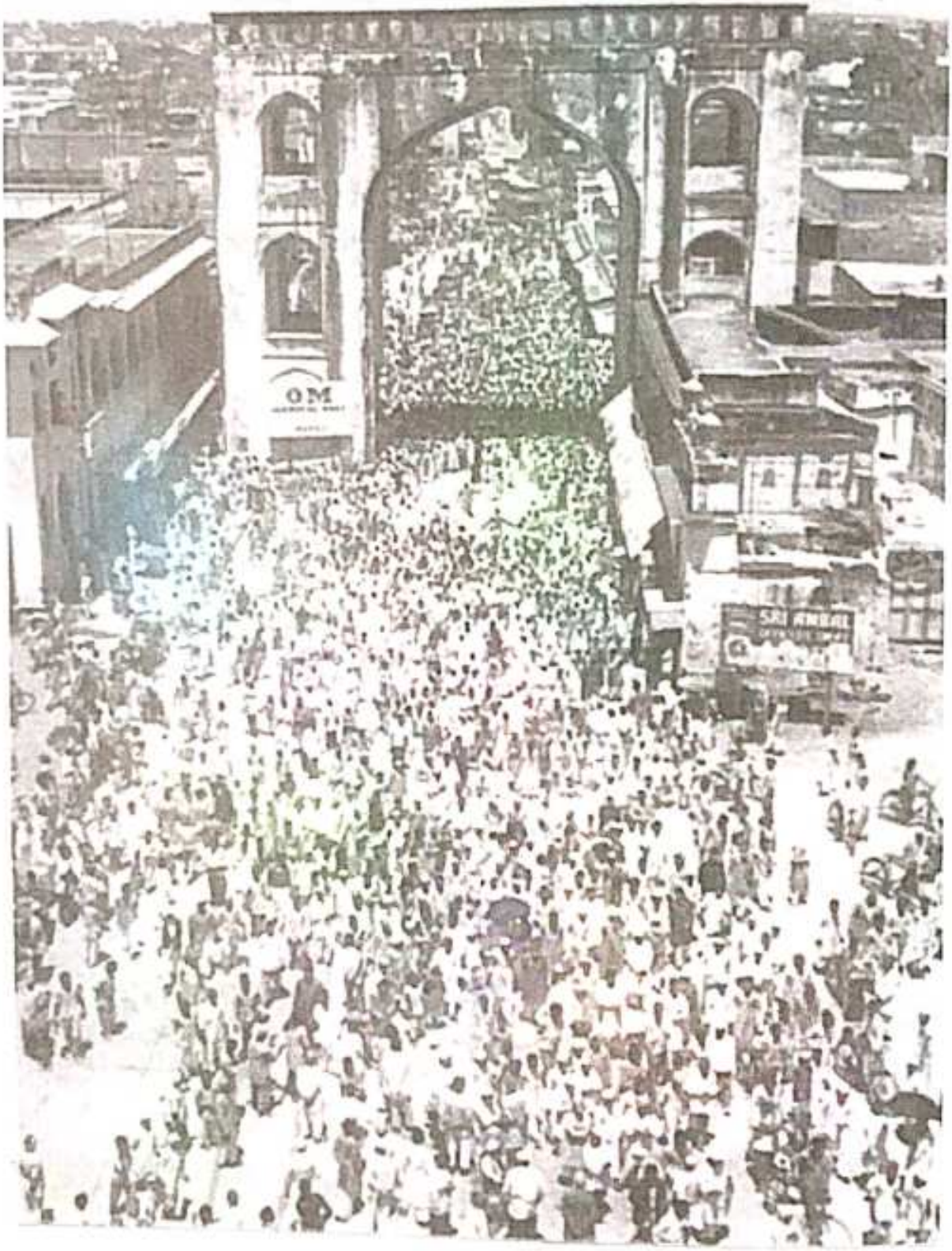

نمازِ جنازہ کے لئے مکہ مسجد کو جاتے ہوئے
بحرالعلومؒ کے جلوس جنازہ کی چارمینار حیدرآباد پر سے لی گئی ایک تصویر

احاطہ ''صدیق گلشن'' میں بحرالعلومؒ کی آخری آرام گاہ

میں وٹامن سی ملا کر چڑھایا۔ ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی بھی فون کرنے پر خدمت میں پہنچ گئے اور باہمی مشورہ سے "ناراڈری نالین" کا انجکشن دیا۔ اس سے حضرت کو قے ہوئی اور بلغم نکل جانے سے تنفس بہت کچھ بہتر ہوگیا۔ مگر جلد کے نیچے سرخ دھبے ہاتھوں پر بھی نمایاں ہوگئے اور جسم پر بھی کافی حد تک بڑھ گئے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جلد کے نیچے شریانیں پھٹ رہی ہیں اور اب بات معالجہ کے حدود سے تجاوز کر چکی ہے۔ اور حضرت پر سکرات کا عالم گزر رہا ہے۔

لوحِ امکاں سے آج مٹتی ہے
علم و فضل و کمال کی صورت

وصال حضرت اوپری قصیدے کے اوپری شعر پڑھتے ہوئے سنائی دینے لگے۔

صلاۃ و تسبیح و ازکی التحیۃ علیٰ خیر خلق اللہ شمس الحقیقۃ
نبی نبیہ شافع مشفع امام ھمام ملجا للبریۃ

اپنے بڑے صاحبزادے رحیم پاشاہ صاحب کا ہاتھ تھام کر توجہ فرمائی۔ پھر ڈاکٹر ضیاء سے فرمانے لگے "سعید میں جاتا ہوں" کچھ دیر پیشتر یہی بات علی پاشاہ صاحب سے بھی فرمائی تھی۔ علی پاشاہ صاحب نے عرض کیا "میں جاتا ہوں" ان کا معروضہ سن کر حضرت خاموش ہوگئے۔ حضرت کے فرمانے پر ڈاکٹر ضیاء نے عرض کیا سرکار آپ سلامت رہیں اللہ سے فرمائیے کہ ہم خادموں میں سے جس کو چاہے لے لے ہم آپ پر سے قربان ہوجاتے ہیں۔ آپ کا رہنا ضروری ہے۔ حضرت نے نحیف آواز میں فرمایا "تم جیو میں جاتا ہوں" پھر حضرت نے اپنی نبض خود اپنے ہاتھ سے دیکھی اور فرمایا "اب نبض ساقط ہوچکی" اور نبض دیکھنے ہاتھ پیش فرمایا۔ علی پاشا صاحب سے فرمایا تمہاری ماں کو بلاؤ اور سب کو ہاتھ کے اشارہ سے ہٹ جانے کہا۔ پردہ کردیا گیا۔ محل محترمہ تشریف لائیں اور قریب بیٹھ گئیں۔ حضرت نے ان کو بغور دیکھا اور ہاتھ کے اشارہ سے خدا حافظ کہا۔ حضرت کا روشن چہرہ نہایت منور ہوگیا اور داڑھی کے بال کھل گئے۔ آنکھوں سے ایک نور نکلا اور صلی اللہ علیک یارسول اللہ کہہ کر اپنے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ان کے رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ پھر حضرت نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں بند کرلیں اور انگشتِ شہادت بلند ہوئی اور داڑھی کے بالوں میں بلند ہوکر رہ گئی۔

تین بجکر ۴۵ منٹ پر وصال ہوا۔ ماہ ہلالی کی ۱۷/ تاریخ تھی۔ مولود برزنجی اور قصیدہ بردہ کی ماہانہ محفل میں شرکت کی غرض سے حضرت کے مریدین و معتقدین جمع ہونے لگے۔ حسب معمول محفل منعقد ہوئی۔ برزنجی اور قصیدہ بردہ ایسے عالم میں پڑھا جارہا تھا کہ سب کی آنکھیں اشکبار تھیں خود فراموشی کا عالم طاری تھا اور عجب طرح کی حضوری تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حضرت کو حضورؐ نے اپنے حضور بلالیا تو ان کے غلاموں کو تسکین دینے خود پاس آگئے ہوں۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ پہلے حضرت ہمارے ساتھ تھے اور حضرت کے ساتھ حضورؐ۔ اور اب حضورؐ ہمارے ساتھ ہیں۔ اور حضور کے ساتھ ہمارے حضرت۔ یہی ادراک قدریوں کا سرمایہ حیات ہے۔

ختم برزنجی پر قرآن خوانی شروع ہوگئی۔

آخری دیدار حضرت کی رحلت کی خبر آناً فاناً سارے شہر اور اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ جس نے سنا تھوڑی دیر کے لئے اس کے حواس معطل ہوگئے اور ذہن کی فضاء تاریک اور ویران ہوگئی۔ ہر شخص اپنی اپنی شومئ قسمت پر کفِ افسوس ملنے لگا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ زندگی کی بڑی مضبوط طناب ٹوٹ گئی۔ دل پر غم کے بادل چھاگئے اور گریہ گلوگیر ہوگیا۔ کسی نے روکا اور کسی سے نہ رکا۔

متوسلین اور معتقدین کو یوں محسوس ہوا جیسے اب لطفِ زندگی باقی نہیں رہا۔ حضرت کیا گئے گویا سب یتیم ہوگئے۔ اور حضرت اپنے ساتھ وہ تمام باتیں بھی لے گئے جو اب کسی اور میں نہیں۔ علم کا وقار ان کے دم سے تھا۔ فقیری کی عظمت ان کی ذات سے نمایاں تھی۔ ان کی زندگی کا آغاز اور انجام دونوں مثالی اور فضلِ الٰہی و قدرتِ خداوندی کی عظیم نشانی تھے۔ جو صدیقین کی عاقبت کی دنیا میں پہچان کا مالک یوم الدین کی جانب سے اہلِ دنیا کے لئے وسیلہ ہے۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ ہر شخص اس فکر میں تھا کہ جلد سے جلد حضرت کی قیام گاہ پہنچے اور دیدار سے مشرف ہو۔ اس وقت کا حال وہی جانتے ہیں جن پر وہ عالم گزر چکا ہے۔ یا پھر ان کے دل سے پوچھئے جن کا دل ماتم کناں تھا کہ ہائے ایک نعمتِ عظمیٰ ہم سے چھین لی گئی۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا شہر کے علماء فضلاء، فقراء، پروفیسرس، عمائدین غم کے اس سیلاب کی زد سے کوئی نہ بچ سکا۔ مدینہ منسٹل اور اس کے اطراف و اکناف انسانی سروں کا ایک سمندر تھا۔ خاموشی کا وہ عالم تھا گویا سارا مجمع ایک ہی متنفس ہو۔ حضرت کے پردہ فرمانے سے ہر ایک کو اپنی موت سر پر منڈلاتی معلوم ہونے لگی۔ زندگی میں ایک زبردست خلا محسوس ہونے لگا۔ جس میں گورستانی سناٹوں کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے والوں کے ذہن نے ماضی کے اوراق ایک ایک کرکے پلٹنے شروع کردیئے۔ وہ زمانہ پیشِ نظر ہوگیا جس میں وہ کبھی حضرت کے تقدس، بزرگی اور جلالت سے ڈر کر، کبھی ان کی بے انتہا شفقت کے زیر اثر محبت سے بے اختیار ہوکر، کبھی ان کے الطافِ کریمانہ سے مسرور ہوکر کبھی اپنی کوتاہیوں کی بناء پر جھجک کر ان سے باتیں کی تھیں۔ ماضی کی دنیا میں غرق ہوکر میں یہ بھول گیا کہ حضرت کی وفات ہوچکی ہے۔ چونکا تو حضرت کی حیاتِ جاودانی سے اپنی حیات کی بھیک مانگنے لگا اور پھر بے اختیار ہوکر ناممکنات کی آرزو کرنے لگا کہ کاش حضرت پھر سے زندہ ہوجاتے تو ان کے قدموں سے اپنی آنکھیں ملتا، ان کی باتیں سنتا، ان کی محفلوں میں شرکت کرتا، اور ان پر سے اپنا تن، من، دھن سب کچھ نچھاور کرتا اور جی بھر کر ان کی شفقت اور محبت اور مرحمت سے بھی سیر ہوتا۔ ان خیالات کی رو میں کون جانے کس پر کیا گزری، سازِ دل کے کون کون سے تار جنبش میں آگئے کہ پھر سے غم کے بھنور میں غوطہ زن ہوگیا۔ اور اندازہ لگانے لگا کہ حضور نبی کریم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر صحابہ کرام پر کیا کچھ قیامت نہ گزری ہوگی۔ عاشقان عبدالقدیر کے دل سے غیبی صدا نکلی "ایک اللہ باقی رہنے والا ہے اللہ مل جائے تو سب مل جاتے ہیں، حضورؐ بھی مل جاتے ہیں اور میں (عبدالقدیر) بھی مل جاتا ہوں" اس آواز کو کسی نے سنا نہیں، محسوس سب نے کیا۔

حضرت کی علالت کے دور میں دو تین بار خبر اڑی کہ حضرت وصال فرماگئے لوگ دوڑ پڑے۔ ہر شخص حضرت کو سایہ رحمت سمجھتا تھا۔ حضرت میں زندگی اپنی پوری تابش و تازگی کے ساتھ موجود نظر آئی تو سب اللہ کا شکر بجالائے اور مسرور ہوکر حضرت کی سلامتی کی دعائیں کرتے واپس ہوئے۔ دراصل حضرت میں اس طرح کی بڑائی تھی جس کا ہر بڑائی کو لحاظ کرنا بلکہ احترام کرنا پڑتا تھا۔

یہ بھی تقدیر کی ستم ظریفی تھی کہ زندگی میں حضرت کو سابقہ ناقدروں، تنگ ظرفوں، علم حراموں، حاسدوں اور مردہ پرستوں سے بھی پڑا تھا۔ حضرت نے ان کو ملی اور روحانی اعتبار سے فائدہ پہنچانے کی خالصتہً للہ ممکنہ کوشش کی اور زندگی بھر ان کی خیر خواہی میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اللہ نے ان سب سے حضرت کی عظمت اور فیضانِ علمی و روحی کو منوا کر چھوڑا۔ مگر اس انتقام کے ساتھ کہ حضرت کو ان سے چھین لیا۔

حضرت جب تک بقیدِ حیات رہے۔ کسی عالم، کسی مقرر، کسی فاضل یا کسی مشائخ کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ حیدرآباد میں وارد ہوکر

یہاں کے عوام کو بہکا سکے اور اپنا اثر جما سکے ۔ حضرت کیا پر وہ فرمائے کہ میدان صاف دیکھ کر ہر طرف سے یورش شروع ہوئی اور حیدرآبادی مسلمانوں کے دین و ایمان اور یکجہتی پر ڈاکہ ڈالا اور ان کو مختلف جماعتوں اور مسلکوں میں منقسم کردیا ۔ اور اس انداز میں مذہبی فریضے ادا کرنے اور بیان کرنے شروع کئے کہ یہاں کے مسلمانوں میں گمراہ رہنے اور عذابِ الٰہی میں گرفتار رہنے کا احساس و شعور جاگ اٹھے اور لوگ نجات اسی میں سمجھیں کہ ان جنت کے ٹھیکہ داروں کے ساتھ ہوجائیں ۔ علماء لیڈروں کا کھلونا بن گئے ۔ ان خدائی فوجداروں نے مذہبی مسائل میں اس طرح دخل اندازی شروع کی کہ مذہب اور ان کی سیاست گویا ایک ہی مضمون کے ذیلی عنوانات ہیں ۔ حفاظتی بند کیا ٹوٹا سب سیلاب کی زد میں آگئے ۔ تفصیلات کا اظہار بجائے حقیقتِ حال کے مقدس چغلی سمجھا جائے گا ۔ اعترافِ حقیقت کے لئے زمانہ کی ہوا سازگار نہیں ۔ زمانہ کی فضاء ہی نہیں اُس کا رخ بھی بدل چکا ہے ۔ حضرت جب تک رونق افروز رہے حیدرآبادی مسلمان بالخصوص اُن کے پیشواؤں میں بڑی جاذبیت اور دلکشی نظر آتی تھی ۔ بالکل اسی طرح جس طرح اعضاء کی خوبی ، جاذبیت اور دلکشی دراصل روح کی بدولت ہوتی ہے ۔ ادھر روح پرواز ہوئی ادھر اعضاء پر مردنی چھاگئی نہ جاذبیت رہی اور نہ دلکشی ۔ آوے کا آوا ہی بگڑ گیا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

آخری دیدار کا سلسلہ رات بھر چلتا رہا ۔ طویل عمر اور برسوں کی بیماری کے باوجود چہرے کی جاذبیت اور نورانیت پوری طرح برقرار تھی ۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حضرت گہری نیند میں ہیں ۔ حضرت کا چہرہ نہایت روشن دلفریب اور تازہ تھا ۔ اور حضرت کے زندہ جاوید رہنے کا ثبوت دے رہا تھا ۔ عاشقانِ محمدی حضرت کے چہرہ مبارک کی زیارت کرتے اور ان کے منہ سے بے اختیار درود نکل جاتا ۔

تجہیز و تکفین ۱۸ / شوال ۸ ساعت صبح صاحبزادوں اور ممتاز خلفاء نے حضرت کے جسم اطہر کو مسلسل درود پڑھتے ہوئے غسل دیا ۔ نو (۹) ساعت صبح پوشاک پہنائی گئی ۔ پہلے مردوں کو آخری دیدار کا موقع دیا گیا ۔ اس کے بعد مستورات کو ۔ مرد ہوں یا مستورات سب کی آنکھیں اشکبار تھیں اور منہ سے درود جاری تھا ۔ اور سب کے قلوب پر نورِ سکینہ طاری تھا ۔ یہاں غم کا انداز بین و بکا کا نہیں ، تسلیم و رضا کا تھا ، عرفان و ایقان کا تھا ۔

جلوسِ جنازہ ۱۱ بجکر ۳۰ منٹ پر جنازہ روانہ ہوا ۔ چادرگھاٹ کا پل ، عزاخانہ زہرا سے ہوتا ہوا نیا پل ، پتھرگٹی سے گزر کر مکہ مسجد پہنچا ۔

ہر طبقہ کے لوگ غمزدہ تھے اور جنازہ کے ساتھ تھے ۔ دوکانوں اور راستہ کے دونوں جانب آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع تھے ۔ انسانی سروں کا یہ سیلاب بڑھتا ہی جارہا تھا ۔ جو کسی سیاسی یا جماعتی نعرے کی صدائے بازگشت نہیں تھا ۔ جلوس کوئی میل بھر لمبا ہوگا ۔ لوگ سراپا الم بنے ہوئے تھے ان کے چہروں کی افسردگی اور اداسی جنازہ دیکھنے کی بیقراری اور کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے سلسلہ میں ان کا اضطراب ان کے قلبی جذبات اور تاثرات کا ترجمان تھا ۔ اللہ والے کی موت کا یہ غم اس طرح کا غم نہ تھا جس کا اندازہ دوسرے غموں سے لگایا جاسکے ۔ بلکہ یہ غم ایسا غم تھا جو اس رحمتِ بیکراں کی طرف سے مغموم کے لئے مغفرت کی بشارت تھا جس کے جوار میں حضرت جا پہنچے تھے ۔

تابوت کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے تاکہ کندھا دینے والے خواہشمند مریدین و معتقدین کو کندھا دینے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے ۔ مگر کندھا دینا کسی کے بس کی بات نہ تھی ۔ جن کو موقع نصیب ہوا بس ان کی تقدیر تھی ۔

لوگوں کا کہنا تھا کہ ایسا جلوسِ جنازہ نواب بہادر یار جنگ سابق صدر مجلس اتحادالمسلمین کے جلوسِ جنازہ کے بعد آج سے پہلے

نظر نہ آیا۔ حضرت کے جلوس جنازہ کے بعد اگر نظر آیا تو وہ نواب میر عثمان علی خان ، نظام الملک آصفجاہ کا جلوسِ جنازہ تھا۔ مگر ہر ایک کی نوعیت جداگانہ تھی۔

حضرت کے جلوسِ جنازہ کے اختتام پر امامیہ مذہب کا ماتمی گروہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس بی بی فاطمہ الزہراء کے نواسے کے وصال پر اظہارِ غم کیلئے شریک جلوس تھا اور ابن الزہراء واویلا کہتے ہوئے ماتم کناں تھا۔

نمازِ جنازہ بے پناہ ہجوم کی بناء پر جنازہ مکہ مسجد کے اندرونی حصہ میں لے جایا گیا اور منبر کے قریب رکھ دیا گیا۔ نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ سادس کے بعد حضرت ہی کی نماز جنازہ اندرون مسجد منبر کے قریب ادا کی گئی۔

تقریباً دو بجے نماز جنازہ ادا ہوئی۔ حضرت کے مرشد زادے اور بڑے داماد مولانا سید محمد باقر حسینی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مکہ مسجد کے صحن کے پتھر بے حد گرم تھے۔ اس کے باوجود ہزارہا مسلمانوں نے ان پتھروں پر نمازِ جنازہ ادا کی۔ نماز ادا کرنے والوں کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ تھی۔ مکہ مسجد اور اطرافِ صحن میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ علاوہ ازیں شفاخانہ نظامیہ کے صحن اور سڑکوں پر جو اژدہام تھا جن میں ہر قوم و مذہب کے افراد شامل تھے بے اندازہ تھے۔ نماز کے لئے جنازہ جب مسجد کے اندرونی حصہ میں لے جایا جا رہا تھا تو ریلے کے باعث ایک افسوس ناک حادثہ پیش آیا۔ مکہ مسجد میں سنگ مرمر کی منڈیر کا ایک وزنی ستون گر پڑا۔ کئی افراد اس حادثہ کی زد میں آئے۔ بعض کو شدید چوٹیں آئیں۔ ایک شخص کا کولھا اور ایک شخص کا پیر اور ایک شخص کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ جن کو فوراً دواخانہ عثمانیہ روانہ کر دیا گیا۔ اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملنے پر حضور نظام نواب میر عثمان علی خان نے اپنے صرفہ سے ستون کو دوبارہ بنوا دیا۔

جلوسِ میت کی پہلے قاضی پورہ پھر صدیق گلشن روانگی نماز جنازہ کے بعد جلوسِ میت براہِ پنچ محلہ ، شاہ علی بنڈہ سے ہوتا ہوا قاضی پورہ پہنچا۔ مسجد النور سے ملحق حضرت کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ کی مزار شریف کے پاس کچھ دیر حضرت کا جنازہ رکھا گیا۔ اس دوران حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عبدالرحیم صدیقی صاحب نے مزار شریف کی زیارت فرمائی اور فاتحہ گذرانی۔ تین بجے کے عمل میں جنازہ کا جلوس پنچ محلہ ، چارمینار ، لاڈ بازار ، حسینی علم سے ہوتا ہوا "صدیق گلشن" روانہ ہوا۔ راستہ میں حضرت عبداللہ شاہ نقشبندی نے فاتحہ گزرانی۔ تقریباً ۴ بجے کے عمل میں جنازہ "صدیق گلشن" پہنچا۔

تدفین پہلے سے صدیق گلشن پہنچ جانے والوں کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی۔ اور جو جلوس پہنچا تو صدیق گلشن میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی وصال سے پندرہ دن پیشتر حضرت نے سو (۱۰۰) مربع گز چبوترہ اور اس کے وسط میں اپنے لئے مزار جناب نصر اللہ صاحب قدیری کی نگرانی میں تیار کروا لیا تھا۔ صدیق گلشن کی یہ زمین جو ۱۳ ایکر ہے ۱۳۵۴ھ میں حضرت نے اس کو لفٹنٹ کرنل نواب حبیب یار جنگ بہادر سے خریدی تھی۔ تدفین کے موقع پر حیدرآباد کے بیشتر علماء، فقراء، مشائخین ، یونیورسٹی اور کالجس کے پروفیسر، لکچررس اور اساتذہ ، عمائدین ، حضرت کے ہزاروں شاگرد اور ہزاروں مرید و معتقد موجود تھے۔ حضرت کے قدر دانوں کا حلقہ نہایت وسیع اور متنوع تھا۔ ہر شخص سراپا الم بنا ہوا تھا۔ خاموش ، مایوس اور سر جھکایا ہوا۔ عجب طرح کا عالم تھا جو سب پر طاری تھا۔ سوگواروں کا یہ ہجوم ایسا ہجوم تھا جو نہایت پروقار اور تدفین میں شرکت کرنے والوں کے لئے پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا تھا۔ حضرت کی موت بھی ان کی زندگی کی طرح ایک برگزیدہ حقیقت بن کر

سب کے سامنے آگئی ۔ ارفع و ارجمند نایاب اور گرانمایہ ۔

جب کبھی غیر اختیاری طور پر اس وقت کو یاد کرتا ہوں کہ لوگ تدفین کے دوران اور بعدِ تدفین پہلی بار مرحوم کہہ کر حضرت کی صحبتوں اور نوازشات کا تذکرہ کر رہے تھے تو آج بھی میرا دل دھک سے رہ جاتا ہے ۔

بظاہر تو ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حضرت ہم سب سے جدا ہوگئے ۔ مگر ساتھ ہی یہ محسوس ہوا کہ حضرت کی روح ہماری روح سے اسی طرح متعلق اور قریب ہے جو وصال سے پیشتر تھی ۔ حضرت ہم سے ہرگز جدا نہیں ہوئے ۔ اور نہ آئندہ آنے والوں سے جدا ہونگے ۔ ان کے ایمان و یقین کا فیض اور ان کی زندگی کی برکتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں ۔ ان کی زندگی کی جھلکیاں اور ان کی قربت سے ملنے والی ایمان و یقین کی تقویتیں ان کی تحریروں میں آج بھی پوری طرح موجود ہیں اور رہیں گی ۔

نمازِ جنازہ غائبانہ و ایصال ثواب شہر حیدرآباد و سکندرآباد کی بعض مساجد و نیز اضلاع تعلقہ جات ، ہندوستان کے مختلف شہروں اور دیگر مقامات ۔ بالخصوص بغداد شریف اور مسجد نبوی میں حضرت کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی اور اکثر مقامات پر ایصال ثواب کیلئے ختم قرآن کیا گیا ۔

بشارتِ عظمیٰ حضرت کے وصال سے ایک روز پیشتر حضرت کے مرید و خلیفہ مولانا حامد صدیقی کا دواخانہ میں آنکھ کا آپریشن ہوا تھا ۔ حضرت کے وصال کی اطلاع تیمار داروں نے مولانا کو بطور خاص نہیں دی ۔ مگر انھوں نے روحی نسبت و تعلق کی بناء پر خواب میں دیکھا کہ حرم نبوی ان کے سامنے ہے اور حضرت حرم شریف میں تشریف لے جارہے ہیں ۔ اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی ہورہا ہے کہ " مولانا عبدالقدیر صدیقی کے استقبال کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لارہے ہیں ۔ منظر استقبال پیش نظر ہوا تو ان کے دل میں خیال آیا شاید حضرت نے وصال فرمایا ۔ تیسرے دن ان کی تشویش اور خواب کے اظہار پر ان کے ایک عزیز نے ان کے خواب کی تصدیق کردی ۔ مولانا نے اپنا خواب اخبارات میں بھی بغرضِ اشاعت بھجوایا ۔ جس کی اخبارات میں اشاعت بھی عمل میں آئی تھی ۔

دو شعر

دیکھا تو کچھ نہ پایا سوچا تو بس یہ سمجھا اک نام رہ گیا ہے میرا تری گلی میں
پیوندِ خاک ہوگا نقشہ قدم بنے گا حسرت یہ جان ہی کر آیا تری گلی میں

ایک شعر

اندھیری گور میں خورشیدِ تاباں بن کے چمکے گا
مرے سینہ میں حسرت داغ عشقِ روئے احمد کا

بیعت اور رشد و ہدایت

بیعت اور رشد و ہدایت

صفحہ

لڑکپن میں حضرت شاہ عبدالغنیؒ کی توجہ اور خلافت ۔ والد سے سلاسل کی اجازت ۔ مرشد کا انتخاب ۱۷۷
انسانِ کامل کا معیار ۔ حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے بیعت و خلافت ۱۷۸
شاہ احسان الحق سے اجازت ۔ نقیب الاشراف حضرت پیر حسام الدین محمود سے اجازت ۔ مجمع السلاسل ۱۷۹
طریقہ جُدا جُدا ہونے کے وجوہات ۔ طریقۂ قادریہ کی تخصیص ۱۸۰
حضرت کا مابہ الامتیاز ۔ تعلیم میں بعض امور پر اہمیت ۱۸۱
مقاصدِ تربیت ۱۸۵
طور وطریقۂ تعلیم ۱۸۶
بیعت کیا ہے ۱۸۹
توبہ ۱۹۳
سلوک ۱۹۴
قربِ فرائض ونوافل ۱۹۴
ابتلاء ۱۹۵
خطرات ۔ دفعِ خطرات ۱۹۶
چلّہ کشی واعتکاف ۱۹۸
تصورِ شیخ ۱۹۹
توجہ اور تموج ۲۰۱
لطائف ۲۰۳
اقسامِ ذکر ۲۰۸
حبسِ دم ۔ ذکرِ عینی ۔ ذکرِ صعود ونزول ۲۰۹
سلطان الاذکار ۔ اشغال ۲۱۱
ادعیہ ۲۱۳

بیعت اور رشد و ہدایت

لڑکپن میں شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا حضرت پر توجہ فرمانا اور خلافت عطا کرنا

حضرت نے کمسنی میں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی البتہ جیسا کہ حضرت کے لڑکپن کے واقعات میں تذکرہ آچکا ہے۔ حضرت کی عمر لگ بھگ ۶ یا ۷ سال کی ہوگی حضرت اپنے والد اور والدہ کے ساتھ اپنی نانی صاحبہ کے دوسرے سفر حرمین شریفین کے موقع پر جب مدینہ طیبہ میں تھے، حضرت کے والد وہاں کے ایک مرتاض بزرگ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے طالب اور مرید ہوئے تو انہوں نے حضرت کے والد کو خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت کے والد نے حضرت کو بھی شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے حضرت پر توجہ فرمائی اور کلاہِ مبارک سپنادی تھی۔ حضرت نے اس عمر میں شاہ صاحب کے توجہ فرمانے کے اثر کو محسوس بھی کیا تھا۔ اور اسی وقت سے حضرت کو کشف بھی شروع ہوگیا تھا۔ حضرت نے شاہ صاحب کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت نہیں کی تھی۔ کلاہِ خلافت عطا ہونے سے شاہ عبدالغنی صاحب کا شمار حضرت کے مرشدوں میں ضرور ہوگیا اور وہ سارے سلسلے جو شاہ صاحب کو پہنچے تھے ان سلاسل کی اجازت حضرت کو حاصل ہوگئی تھی۔

والد سے سلاسل کی اجازت

بعد میں حضرت کے والد نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو ان تمام سلاسل کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ جو ان کو اپنے اجداد اور ان کے دیگر پیروں سے ان کو پہنچے تھے۔ اور بطور اظہار خلافت دونوں کو اپنے عمامے پہنادیئے تھے۔ حالانکہ حضرت نے اپنے والد کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت نہیں کی تھی۔

مرشد کا انتخاب

حضرت کے والد گو خود صاحب سلسلہ اور صاحب اجازہ تھے مگر باقاعدہ مرید ہونے کے لئے حضرت کی نظر انتخاب دو حضرات پر جم گئی تھی۔ ایک تو خود حضرت کے بڑے ماموں حضرت سید خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ اور دوسرے قاضی پیسٹھ کے حضرت شاہ افضل بیابانیؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ سرور بیابانیؒ۔ حضرت کے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب بے حد مشکل ہوگیا تھا۔ دونوں کی حضرت پر نگاہ کرم تھی۔ اور دونوں حضرت سے بے حد محبت فرماتے تھے حضرت کی نظر میں ہر دو کی بزرگی بھی مسلم تھی۔ دونوں بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور استفادہ علمی کے مواقع بھی حضرت کو فراہم ہورہے تھے۔ چنانچہ حضرت نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا تصوف کے اہم مسائل شاہ سرور بیابانی مجھے اور اپنے فرزند غلام شاہ افضل بیابانیؒ دونوں کو سمجھاتے اور آپس میں بحثیں کرواتے اور خود سنتے اور خوش ہوتے۔ حضرت نے فرمایا تھا "غلام شاہ افضل بیابانیؒ اور مجھ میں باہمی دوستی اور محبت بے حد تھی۔

دوسری طرف یہ معاملہ تھا کہ حضرت اپنے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت خواجہ مختلف مسائل خود بیان فرماتے کہ دیکھو مولوی یہ مسئلہ ایسا ہے، اس بات کا مطلب یہ ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ "میں ہمارے حضرت (خواجہؒ) سے خود کوئی سوال نہ کرتا۔ حضرت (خواجہؒ) ایک ایک مسئلہ خود بیان فرماتے۔ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا "ہمارے حضرت (خواجہؒ) مسائل تصوف پر تقریر فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔

مرشد کے انتخاب کے سلسلہ میں بطور رہنمائی حضرت نے لکھا ہے:۔

سوچ سمجھ کر دینا ہاتھ ورنہ پیچھے ندامت ہے
غیر سے جو کردے آزاد لازم اس کی صحبت ہے

انسانِ کامل کا معیار انسانِ کامل کا معیار بعض کے پاس کمالِ علم صحیح اور مطابق علم عمل صالح ہے ۔ جیسا علم ویسا عمل اور اس کے مطابق درجہ ۔

بعض کے پاس اللہ کے جمیع اسماء وصفات کا مظہر ہونا ہے ۔ جس قدر صفات کا اور جس پیمانہ کا مظہر ہوگا اس کے مطابق ویسا درجہ پائیگا۔ مگر حضرت کے پاس پانا نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اس کو کھودینا ہے ۔ حضرت فرماتے ہیں " جو جتنا کھوتا ہے وہ اتنا پاتا ہے " فرماتے ہیں " تمہارا خیال جاتا ہے تو ذو الجلال آتا ہے کیونکہ خلو محال ہے ۔ جتنا خالی ہوتے جاؤ گے اتنا ہی بھرتے جاؤ گے ۔ جب کچھ نہ رہا تو خدا رہ جائے گا "۔

بہرحال کہیں پانا ہے تو کہیں کھونا ہے ۔ بعض بلندی چاہتے ہیں کمال پیدا کرنا ان کے پیش نظر رہتا ہے ۔ بعض کے پاس بے کمال ہوجانا ہی اصلِ کمال ہے جو بندگی کا تقاضہ ہے ۔ حضرت فرماتے ہیں " بندے کو کمال سے کیا علاقہ بندہ سرافگندہ ۔

حضرت کا شعر ہے :-

جس کا ہے اس کو دیدے واجب رد امانت ہے

لوگوں کے مذاق مختلف ہوتے ہیں ، ان کے طبائع جدا ہوتے ہیں ، ہر شخص اپنے ہم مذاق شیخ کو ڈھونڈتا ہے ۔

حضرت خواجہ محمد صدیقؒ محبوب اللہ سے بیعت و خلافت سے سرفرازی سب کچھ کھو دینا اور بے کمال ہوجانا حضرت کے ذوق کے مطابق تھا ۔ چنانچہ حضرت نے "حضرت خواجہ" کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی ۔

حضرت کا منقبتی شعر ہے :-

تیرے آگے سر بہ زمیں ہے حسرت تابعدار ۔۔۔۔ اب ڈر کا ہے کا

خواجہ نے بھی فرمایا تھا " مولوی تمہاری طبیعت میری طبیعت پر ہے " اور حضرت کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا ۔

بے کمالی میں کمال پیدا ہونے کا نتیجہ تھا کہ خواجہؒ مرتبہ غوثیت پر فائز تھے ۔

حضرت خواجہؒ کو جب غوثیت سے سرفرازی حاصل ہونے کا وقت آیا تو بڑے بڑے اولیاء اور اقطاب میں اختلاف رائے پیدا ہوا تھا ۔ اور جب غوثیت سے سرفرازی ہوئی تو بعض اولیاء نے انحراف بھی کیا تھا ۔ گو بعد میں سب کو مشیت خداوندی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ کی کوششوں کے سامنے سر خم کرنا ہی پڑا اس سلسلہ میں جو روحانی حالات درپیش ہوئے تھے حضرت نے ان کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا مگر اس کے اظہار کا یہاں محل نہیں ۔ البتہ اس سلسلے میں حضرت کا ایک جملہ نقل کردیتا ہوں ۔ " ہمارے حضرت (خواجہ) کے وقت صاحبوں میں جو مقابلے ہوئے تفصیلی طور سے جانتا ہوں ۔ خدائی قوت ان کے (غوثِ وقت کے) پیچھے رہتی ہے ۔

حضرت (عبدالقدیرؒ) خواجہؒ کے مرید ہوئے تو سب کچھ کھوکر سب کچھ پالیا اور خواجہ کے بعد ان کے باطنی مرتبہ کی جانشینی (یعنی غوثیت) سے سرفراز ہوئے ۔ حضرت کی غوثیت کے بارے میں ، میں نے حضرت کے بعض ارشادات اور واقعات " حضرت عبدالقدیرؒ

کے لیل و نہار میں نقل کئے ہیں۔

اپنے والد کی موجودگی میں اپنے ماموں کا مرید ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت نے اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت نہیں فرمائی تھی۔ البتہ والد سے خلافت ضرور حاصل کی تھی۔ خلافت تصدیق قابلیت اور باطنی طور پر سلسلہ کے فیض کے اجراء کا ذریعہ اور ظاہر میں ان کی نیابت کا اظہار ہے۔

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ نیچے کے لوگ کمزور ہوجائیں اور اخذِ فیض اور اجراء فیض کی صلاحیت باقی نہ رہے تو کسی بڑے آدمی کو سلسلہ کی اجازت عطا کردی جاتی ہے تاکہ سلسلہ کا فیض نہ صرف منقطع ہوجانے سے بچ جائے بلکہ اس میں حیاتِ نو پیدا ہوجائے۔

بعض وقت ایسی بھی صورت پیدا ہوجاتی ہے کہ کسی مقام کے لوگ مخصوص سلسلہ میں منسلک ہونے کے خواہشمند ہوتے اور صاحب اجازت خود سکتے ہوں تو کسی اہل کو اپنے سلسلہ کی اجازت عطا کردیتے ہیں تاکہ سلسلہ کے فیض کا ان سے اجراء ہوسکے اور خواہشمند لوگ مسلک ارادت میں منظم ہوسکیں۔

شاہ احسان الحقؒ سے اجازت جو حضرت کے خُسرِ محترم (بوجہ دوم) تھے۔

حضرت شاہ احسان الحق صاحب نے حکم باطنی کی بناء پر طریقہ قادریہ کلیمیہ کی اجازت حضرت کو عطا فرمائی۔ ان کا تشریف لاکر اجازت مرحمت فرمانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت ایک صاحب کو غالباً حامد حسن کلیمی صاحب کو کشکول کلیمی پڑھا رہے تھے۔ حضرت جب تک پڑھاتے رہتے۔ شاہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی حضرت سے قریب تشریف فرما نظر آتے تھے۔ (کشف میں) ایک دن پڑھانے کے دوران شاہ کلیم اللہ نے حضرت سے فرمایا "ہمارے بھی سلسلہ کی اجازت حاصل کرلو"۔ حضرت نے عرض کیا "اب میں کس سے حاصل کروں"۔ فرمایا "شاہ احسان الحق تمہارے خُسر ہیں ان سے"۔ حضرت نے عرض کیا "اب میں ان کے پاس کہاں جاؤں"۔ فرمایا "اچھا وہ خود آکر پہنچادینگے"۔ چنانچہ شاہ احسان الحق صاحب بر بناء خود حضرت کے پاس تشریف لائے اور سلسلہ قادریہ کلیمیہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت نے فرمایا "چنانچہ میں سلسلہ کی اجازت ملنے پر ان سے ملا اور ان کے سامنے سر بھی جھکایا وہ میرے خُسر بھی تو تھے"۔

نقیب الاشراف حضرت پیر حسام الدین محمودؒ سے اجازت حضرت پیر حسام الدین محمود صاحب نقیب الاشراف بغداد شریف نے اپنے خاندانی سلسلہ قادریہ نقیبیہ کی اجازت حضرت کو بغداد شریف کی حاضری کے موقعہ پر عطا فرمائی تاکہ حضرت ان کے وکیل کی حیثیت سے اپنی بیوی رابعہ بیگم صاحبہ کو مرید کرسکیں جو سلسلہ قادریہ نقیبیہ کی سلکِ ارادت میں منظم ہونا چاہتی تھیں۔

مجمع السلاسل اس طرح حضرت کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ اور اپنے والد ماجد مولانا شاہ عبدالقادر صدیقی اور خسر محترم شاہ احسان الحق صاحب سے ان تمام سلسلوں میں اجازت حاصل ہوئی جو ان حضرات کو پہنچے تھے۔ اور چوتھے پیر حسام الدین محمود نقیب الاشراف کے ذریعہ سے ان کے خاندانی طریقہ کی اجازت حاصل ہوئی جو خاندانِ غوث الاعظم میں جاری ہے۔ چنانچہ اپنے ماموں حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے بیعت و خلافت اور رہا والد ماجد، خُسر محترم اور پیر حسام الدین محمودؒ سے سلاسل کی اجازت کا حضرت کو حاصل ہونا اس کی تصدیق "الاجازہ" کی عربی عبارت سے ہوسکتی ہے۔ جس کو حضرت نے اپنے خلفاء کو عطا فرمانے تحریر فرمایا تھا۔ جو طبع شدہ موجود ہے۔ اس طرح حضرت تمام بڑے سلاسل پہنچ جانے کی وجہ سے مجمع السلاسل بن گئے۔

حضرت کو جہاں قرآن و حدیث سندِ مسلسل کے ساتھ پہنچی ہیں وہیں علم باطن اور فیوض روحانی سینہ بہ سینہ جو براہِ راست تعلیمات و فیضانِ مصطفوی کا ثمرہ ہے آل و اصحابِ رسول ، تابعین و تبع تابعین سے ہوتا ہوا مختلف سلاسل کے بزرگانِ دین کے ذریعہ سے حضرت کے سینہ میں جمع ہوگیا ۔ اسی طرح حضرت کو جو سلاسل پہنچے ان میں حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں ۔ قادریہ ، نقشبندیہ ، چشتیہ ، رفاعیہ ، شاذلیہ ، اکبریہ ، غزالیہ ، سہروردیہ ، شاہ مداریہ ، شطاریہ ، بدویہ ، ھرمیہ ، قلندریہ وغیرہ ۔

طریقہ جدا جدا ہونے کے وجوہات سلاسل کی تعلیم کے مشترک اور متفق علیہ ہونے کے باوجود ان کے نام اور طریقے جدا جدا ہونے کی تفصیل حضرت نے یوں بیان فرمائی ۔

" تصوف یا علم لدنی کا ماخذ حدیث و قرآن ہے ۔ جو اصلِ اصول اور تمام سلاسل کے متفق علیہ ہیں ۔ طریقہ عمل سے ایک سلسلہ دوسرے سلسلہ سے جدا ہوتا ہے ۔ بعض دفعہ شیوخ کے جدا ہونے سے طریقے جدا ہوجاتے ہیں ۔ گو ان کی تعلیم آپس میں جدا نہیں ۔

بعض دفعہ متفق علیہ امور میں سے کسی ایک پر کسی ایک طریقہ میں زیادہ زور دیا جاتا ہے اور دوسرے طریقہ میں دوسرے پر ۔ کسی میں محبت کسی میں توحید کسی میں عبدیت کو زور ہوتا ہے ۔ اپنا اپنا ذوق ہے ، اپنی اپنی پسند ہے ۔ اعتقادِ صحیح ، تہذیب نفس اور دوام حضور تمام سلاسل کا متفق علیہ ہے "۔

طریقہ قادریہ کی تخصیص حضرت باوجود مجمع السلاسل ہونے اور تمام عظیم المرتبت مرشدوں سے باطنی طور پر ربط و نسبتِ خصوصی حاصل رہنے کے آپ کا اصل سلسلہ قادریہ تھا ۔

سلسلہ عالیہ قادریہ جو حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ جیسی برگزیدہ اور اپنے جدا مجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمل عبدیت کی مکمل تصویر کے درمیان میں نمایاں ہوکر سامنے آجانے کی وجہ سے آپ کے اسم گرامی سے موسوم ہے ۔

حضرت غوث الاعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیض باطنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہر دو سے واسطہ در واسطہ پہنچا ہے ۔ ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کے فیض جاریہ کو باہم ملانے والے مجمع البحرین ہستی حضرت امام جعفر صادقؒ جگر گوشہ نبی کی ذاتِ اقدس ہے ۔ علاوہ اس کے حضرت غوث الاعظم کو قلبی و روحی اعتبار سے اپنے جدا مجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض براہ راست بھی حاصل ہے ۔

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض باطنی حضرت فاروق اعظم عمرؓ ابن الخطاب کے واسطے سے بذریعہ حضرت محمد باقرؒ اور حضرت اویس قرنیؓ و نیز حضرت ابو درداءؓ صحابی رسول کے واسطے سے بذریعہ علاء المستیب و نیز حضرت انس بن مالکؓ صحابی رسول کے واسطے سے بذریعہ امام محمد بن سیرین بھی پہنچا ہے ۔ جس کی تفصیل سلسلہ عالیہ قادریہ کے شجرہ سے معلوم ہوسکتی ہے جس کو کتاب کے آخر میں سلاسل کے شجروں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۔

ایک مرتبہ عنایت علی صاحب نے حضرت سے پوچھا " آپ چشتی بھی ہیں قادری بھی ہیں سب ہی ہیں "۔ حضرت نے جواب دیا " دیکھو مجھے کھانا دیتا ہے غوث پاک عبدالقادر میں جی رہا ہوں اس کے کھانے پر اجمیر کے خواجہ میٹھا کھلاتے ہیں ، بہاء الدین نقشبند میوے کھلاتے ہیں ۔ ایک صاحب ٹوپی پہناتے ہیں ایک صاحب شیروانی "۔

اگر کوئی شخص کسی خاص طریقہ میں بیعت کا خواہشمند ہوتا تو حضرت اس سے اسی طریقہ میں بیعت لے لیا کرتے ورنہ قادریہ طریقہ میں ۔

بعض حضرات نے چشتیہ اور قادریہ میں بیعت کی اور بعض نے نقشبندیہ اور قادریہ میں ۔ بعض نے صرف نقشبندیہ میں اور بعض نے صرف رفاعیہ طریقہ میں ۔ چنانچہ حضرت نے ان کو اسی سلوک کی تعلیم دی جس طریقہ میں وہ مرید ہوئے تھے ۔ ان طریقوں کے علاوہ دیگر طریقوں میں خواہش کر کے کسی شخص کا مرید ہونا میرے علم میں نہیں ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " نقشبندیہ طریقہ کے لوگ اپنے مریدوں اور شاگردوں پر اپنی توجہ ڈالتے ہیں ان کی کمزوریوں کو قوت سے بدل دیتے ہیں ۔ شاگرد کے خطرات کو واہی تباہی وساوس کو اپنی توجہ سے اپنے ول پاور (Will power) سے اپنی اٹنشن (Attention) سے دفع کردیتے ہیں ۔

چشتیہ اپنے جذبات محبت سے ، اپنی حُسنِ توجہ سے اپنے شاگردوں میں جذباتِ محبت پیدا کردیتے ہیں ۔

اور قادریہ طریقوں میں بعض لوگ اپنی توجہ سے کام لیتے ہیں ۔ مگر اکثر کی تعلیم یہ ہے کہ ساکن القلب رہو ، اپنے نفس کو مطمئنہ بناؤ بےارادہ رہو ، بے خواہش رہو تمہارا آقا تم کو بھی سنبھالے گا تمہارے متعلقین کو بھی سنبھالے گا جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے تمام کاموں کو اس پر چھوڑتا ہے اس کو اللہ بس ہے ۔ یہاں توجہ اور تموج اس شخص کا نہیں ۔ یہ توجہ خدا کی ہے ۔ یہ تموج خدا کا ہے "۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا " میں نے مجمع السلاسل کا ہے کو لکھا ؟ سب میرے ہیں کوئی غیر نہیں ۔ اگر کسی ایک کو بھی غیر سمجھے تو اللہ کی تجلی اس سے غائب ہوجاتی ہے "۔ ساتھ ہی فرمایا " ہندوستانی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ سب کی شاگردی کر کے سب کا استاد بن جاتا ہے ۔

حضرت کا مابہ الامتیاز دوسرے شیوخ اور پیران طریقت کے مقابلہ میں حضرت کے لئے یہ بات مابہ الامتیاز تھی کہ آپ کی ذات واحد میں تمام سلاسل کی مابہ الامتیاز تعلیم جمع ہوگئی تھی ۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی فکر رسا اور روحانی بصیرت نے ان تمام نظریوں ، افکار اور اعمال کو جو اسلام کی حقیقی روح کے مغائر تھی چُن چُن کر مسلک تصوف سے خارج کردیا اور اپنی اس نسبتِ خاصہ اور فیض روحانی کے ذریعہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو باطناً بالراست حاصل تھی بعد آنے والوں کے لئے اس دروازہ سے کھول دیا جو عہد نبوت اور عہدِ صحابہ کی طرف کھلتا ہے ۔

تعلیم میں بعض امور پر اہمیت حضرت حالات ، موقع محل اور افتادِ طبع کے اعتبار سے قرآن و سنت کی روشنی میں کس طرح عمل کرنا چاہیئے سکھاتے تھے ۔ حضرت کی تعلیم میں یہ خوبی ہے کہ ہر وقت قرآن کی ایک نئی جہت پیش نظر ہوجاتی ہے ۔ نہ صرف قرآن کھلنے لگتا ہے بلکہ اس پر عمل کرنے کی افادیت بھی سمجھ میں آتی ہے ۔ اور قرآنی اسرار کھلنے لگتے ہیں وقت پر جو بات قرآنی اعتبار سے قلب میں آئے وہی دراصل حضرت کے پاس کام کی بات ہے ۔ حضرت چاہتے تھے کہ قرآن حضرت کے متوسل کی زندگی میں رچ بس جائے ۔

حضرت خوابوں اور کشف پر بھی زیادہ زور نہیں دیتے تھے ۔ بعض لوگ بذریعہ کشف عالم مثال میں دیکھنے کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ صحیح العقیدہ آدمی کو معمولی عالم مثال کے انکشافات والوں سے کم سمجھتے ہیں اور اس آیت کا مصداق سمجھتے ہیں ۔

من کان فی ھذہ اعمیٰ فھوفی الاخرۃ اعمیٰ ۔ ہمارے پاس علم ہی مشہود ہوتا ہے ۔ جو اس دنیا میں علم صحیح نہ رکھے گا وہ آخرت میں اندھا ہی رہے گا ۔ صحیح علم نہیں تو صحیح شہود بھی نہیں ۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ پر عالم مثال کھل گیا تھا ؟ ہمارے پاس عالم مثال کے کھلنے کی اہمیت نہیں ہے علم صحیح کی اہمیت ہے "۔ حضرت کے پاس معارف کا کھلنا زیادہ اہم ہے ۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ جن کو اللہ نے نفس مطمئنہ دیا ہے، جن کے خواہشاتِ نفسانی مردہ ہوگئے ہوں، ایسوں کے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں"۔

فرمایا۔ یاد رکھو! کہ دیکھنے والے کو جس قدر اطمینان ہوگا اسی قدر اس کا خواب صحیح ہونے کی امید ہوگی۔ بے قراری، بے چینی خواہ کسی وجہ سے ہو خواب کو خراب کردیتی ہے"۔

فرمایا۔ بہت حضرات صاحب کشف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر کوئی ان سے پوچھے

دیکھا تم نے کیا دیکھا اس کی کتنی وقعت ہے

کھیل تماشا لاحاصل مقصد اصلِ حقیقت ہے (حسرت صدیقی)

فرمایا۔ انسان کا دل کیا ہے، ایک کیمرہ ہے۔ بیت الخلاء کی طرف اس کا رخ ہوگا تو بیت الخلاء اور اس کی کھڈیاں نظر آئیں گی۔ لوگوں کے دلوں اور گھروں کی طرف رخ ہوگا تو وہاں کے رہنے والے اور ان کے حالات نظر آئیں گے۔

فرمایا۔ بہت سے لوگ لوگوں کے دل کے خطرات بیان کرکے بڑی شیخی بگھارتے ہیں، اتنا کام تو ہپناٹیزم والے بھی کرسکتے ہیں۔ علم کی عزت معلوم کی عزت سے ہے۔ جیسی چیز جانوگے اسی درجہ کا عالم سمجھے جاؤ گے۔ خدا کی تجلیات اور اس کے دوستوں کا دیکھنے والا اور اشراف علی الخاطر یعنی لوگوں کے دلوں کے خطرات کو جاننے والا بھلا دونوں کا کیا جوڑ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ہپناٹیزم کی قوت رکھنے والا اور خدا کا دوست کس طرح دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟۔

ایک مرتبہ فرمایا، ایمان و اطمینان پر خیال کشف اور خواب کا دارمدار ہے۔ اطمینان کے ساتھ کشف اور خواب کمال کو پہنچتے ہیں تو وحی الٰہی ہوجاتے ہیں۔ خیال جس سے لوگ بے اعتنائی کرتے ہیں وہ بھی الہام ہوجاتا ہے۔

اسی بناء پر حضرت نفس کی تہذیب اور ایک نقطہ پر خیال قائم کرنے پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت نے ضعفی میں دعا کی "اللہ نفس کے شر سے بچائے حاضرین میں سے کسی نے پوچھا، کیا اب بھی آپ ایسی دعا فرماتے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا "نفس مرتا نہیں" بال کی کھال سے زیادہ نازک ہوکر آتا ہے خدا سے جتنا قرب بڑھتا جاتا ہے، نفس نازک ہوکر آتا ہے۔ خدا کے ہاتھ میں مردہ ہو جانا آسان بات ہے۔ ناک کے قریب آئینہ رکھ کر دیکھتے ہیں ابھی باقی تو نہیں ہے، آئینہ پر دھبہ تو نہیں آرہا ہے"۔

مراقبوں میں بھی زیادہ زور نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ اس میں عمریں صرف ہوتی ہیں اور فائدہ بھی موقتی دیتا ہے۔ البتہ ارتکاز خیال پر زیادہ زور دیتے تھے کہ خیال اللہ سے ہٹنے نہ پائے۔

خوارق عادات کے لئے جستجو، کشف کونی، کشف قبور اور اشراف علی الخواطر کے سلسلہ میں وظائف یا اشغال حضرت کے پاس تضیع اوقات تھا۔ علاوہ ازیں آثار کے چکر میں پڑنا خود ایک زبردست چکر تھا۔ ایمان و یقین میں پختگی، کمال اخلاص اور دوام حضور ہی حضرت کی تعلیم میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔

اپنے وابستگان کو شغل مقید یا لطائف جاری کرنے کی مشقوں میں مبتلا نہ کرتے کیونکہ سوائے اس کے کہ اس میں خود انسان کے تصورات کام کرنے لگتے ہیں۔ بہت کم لوگوں کو اس بات سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اکثر صفات کا چکر رہتا ہے یا خود اپنی ذات و قوتوں کو نمایاں

ہونے کا موقع ملتا ہے ۔ یا نسبتوں کے تھوڑے بہت تماشے نظر آجاتے ہیں ۔ یہ سب ارادہ رکھنے والوں کے پاس اہم ہیں ۔ بے ارادہ جینے والوں کے کام الگ ہیں ۔ اس کے علاوہ ہر شخص میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ پیغمبر سے لطیفہ مخصوصہ کے ذریعہ اس نور خاص کو اپنی توجہ سے جذب کرے جو اس لطیفہ سے متعلق ہے ۔ پھر اس قوت کے ذریعہ سے عالم علوی سے اپنا خصوصی ربط قائم کرسکے ۔

حضرت کے پاس اللہ میں اپنی ہستی کو فنا کرنے کی سوچنا ہی اصل سلوک ہے ۔ حضرت کا ارشاد ہے " ہر شخص کی فطرت اور شان جدا ہے ایک کی فطرت عبدیت کی ہوتی ہے ، ایک کی محبت کی ، فرائض پر پابندی کرکے سب چھوڑدو اور ایک نقطہ پر قائم ہوجاؤ اور رات دن اپنی ہستی کے فنا کرنے میں مشغول ہوجاؤ " ۔

فرمایا " اپنے عدم اصلی کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا کمال معرفت ہے ۔ بے ارادہ ہمیشہ ذمہ داری سے آزاد و سبکدوش رہتا ہے ۔ اس کی توجہ خدائے تعالیٰ پر رہتی ہے اور ہر شئے میں اس کا جلوہ پاتا ہے ۔ لہذا تصرف کو خلافِ ادب سمجھتا ہے " ۔

فرمایا " اپنے ارادے سے تصرف کرنا ، اپنے ارادے سے تصرف نہ کرنا دونوں میں انسان کا ارادہ شامل ہے ۔ تصرف و عدم تصرف کا اختیار دیا جائے تو عدم تصرف کو اختیار کرنا مانع ذمہ داری ہے ۔ تصرف کے امر کے وقت امتثال امر کرنا پھر وہی بے اختیاری ہے ۔ اور عدم اصلی ۔ یہ کام نہایت مشکل ہے اور عبدِ کامل کا ہے ۔ نہ بالارادہ تصرف نہ بالارادہ عدم تصرف بلکہ حکمِ تصرف کے وقت تصرف ۔

فرمایا " جزوی ارادہ رکھ کر بے ارادتی کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے ۔ جھونپڑیوں میں رہنا محلوں کے خواب دیکھنا حماقت ہے

ایک مرتبہ فرمایا " مقربین سے پوچھ ہوتی ہے ۔ باپ غصہ میں ہوتا ہے ماں بیچ بچاؤ کرنے آتی ہے تو اس کو بھی ہٹا دیا جاتا ہے ۔ اب باپ کے رحم و کرم پر بات رہتی ہے ۔ سوائے قدموں پر سر رکھ دینے کے کوئی صورت نہیں رہتی ۔ سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں ۔ ارے خدا سے کس کو پالا پڑا ہے ؟ اس سے پالا پڑے تب معلوم ہو ۔ اس کے پاس تھوتھلا نیا ڈاؤں ہے ۔ ابھی ایک بات ہے ، نہیں معلوم کہ اب کیا کرتا ہے ۔ زندگی بھر یہی حالت رہتی ہے ۔ خدا ہی اپنے فضل سے خاتمہ بخیر کرے تو کرے ۔ اس کا ہاتھ کون پکڑنے والا ہے ۔ بس خدا ہی یاد آتا رہے " ۔

ایسے لوگ جو خدا کے ہاتھ میں مردہ ہوجاتے ہیں ، ان کے پاس فرمائش کرنا نہیں ہوتا ، بالکل بے ارادہ رہتے ہیں ۔ باقی بہ بقائے حق رہتے ہیں ۔ ان سے تقادیر الٰہی کا جریان اور ارادہ حق کا سریان رہتا ہے ۔ اقتضائے عبدیت اس خوبی سے پورا ہوتا ہے کہ عقلِ انسانی اس کے ادارک سے قاصر رہتی ہے ۔ ان کی ہر حرکت عقلوں سے وراء ہوتی ہے ۔ یہ جن کی طرف توجہ کرتے ہیں ، بڑی سخت تربیت کرتے ہیں ، نگرانی رکھتے ہیں ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر تک نظر رکھتے ہیں ۔ ان کے امتحان سے خدا بچائے بڑا نازک امتحان ہوتا ہے ۔ ان کی گرفت سے کوئی نکل ہی نہیں سکتا ۔ خدا سے پالا پڑنا تو بڑی بات ہے ، ان سے پالا پڑجائے تو حقیقت کھل جائے ۔ ان کے امتحان میں کون پورا اتر سکتا ہے ۔ ایک ہاتھ سے وزن ڈالتے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے سہار بھی لیتے ہیں ۔ ورنہ کمزور کیا تاب لاسکتا ہے ۔ قدیریوں کو سابقہ بہت بڑے سے پڑا ہے ۔ ایک زبردست بنوٹی سے بنوٹ سیکھنی ہے ۔ آسان نہیں ہے پہلے تاب لانا ہی مشکل ہے ۔ اگر ٹک گیا تو بنوٹی ۔ خدا ہی ٹکادے تو ٹکادے ۔ اس کی نظر کو دیکھتے رہنے میں سلامتی ہے ۔ ذرا نظر چوکی اور ہتھکڑی ، کبھی سر کبھی چیر کبھی پیلٹ تو کبھی آنی ۔ اللہ اس کی آنکھوں سے ہماری آنکھیں ۔ اس کے ارادے سے ہمارا ارادہ ملادے ۔ آمین ۔

حضرت کے پاس اعتدال کے بغیر کمال ہرگز پیدا ہو نہیں سکتا ۔ لوگ عام طور پر اعتدال کا خیال نہیں رکھتے ۔ عقیدہ اور عمل میں افراط و تفریط کا شکار ہوکر بہک جاتے ہیں ، بھٹک جاتے ہیں ۔ منزل الگ کھوٹی ہوجاتی ہے ۔

لوگ دنیا میں بے شمار قوتوں کے محکوم بن جاتے ہیں ۔ اگر چہ وہ دنیا میں دنیا کے محکوم بن کر نہیں پیدا ہوئے ۔ مگر دنیا نے ان کے پاؤں میں ہزار قسم کی بیڑیاں ڈالدی ہیں ۔ حضرت نے ان زنجیروں کو توڑ پھینکا اور اپنے متبعین کو ان زنجیروں کو توڑنا سکھایا ۔ حضرت کا تو یہ کہنا ہے کہ احکم الحاکمین کی چوکھٹ ہی وہ چوکھٹ ہے جہاں سرِ عبودیت بصد نیاز جھک سکتا ہے ۔ یہی تو وہ چوکھٹ ہے جہاں معلم اخلاق اور داعی حق محبوب رب العالمینؐ کا سرِ مبارک بھی ایسا جھکا ہے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا ۔

حضرت کی تعلیم میں جتنی اطاعتیں اور فرمانبرداریاں ، جتنی وفاداریاں اور تسلیم واعتراف ہے صرف اسی وقت تک کے لئے ہے کہ بندہ کی بات ماننے سے خدا کی بات کا خلاف نہ ہوتا ہو ۔

حضرت کو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا کہ دنیا کی زندگی جو فانی خواہشات کے بہلانے کا ایک کھیل ہے اس کے پیچھے پڑکر لوگ نقد حیات ابدی کے بدلے یا اس کو بیچ کر معیشتِ چند روزہ کا سامان کر رہے ہیں ۔

حضرت کی تو یہ تعلیم ہے کہ کسی قیمت پر تم پروردگارِ عالم کو ہرگز نہ چھوڑو ۔ تم صرف دنیا کے طالب ہو ، وہ تو دنیا اور آخرت دونوں بخشنے کے لئے تیار ہے ۔ تم کیوں صرف ایک ہی پر قناعت کرتے ہو ۔

اجر و ثواب کی نیت یا سزا و عقوبت کے خوف سے بچنے کیلئے کام کرنا حضرت کے پاس ادنیٰ بات ہے ۔ حضرت ہر کام کے معاوضہ میں اللہ سے اللہ ہی کو لینا سکھاتے تھے ۔ حضرت کے پاس تو مقصود جنت نہیں جنت والا ہے ۔

حضرت فرماتے تھے " ایک مقصد رکھنا اور اس کی تکمیل کی خدا سے امید رکھنے میں کچھ خوبی نہیں ۔ بندے کو فرمائش سے کیا علاقہ ۔ ہم کو خدا کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئیے نہ کہ خدائے تعالیٰ سے اپنی مرضی و خواہش کی فرمائش کرنا "۔

حضرت کے پاس فضائل پر عمل کرنا نہیں ہے صرف تعمیل حکم ہے حضرت کی تعلیم میں بندہ کو کسی چیز سے سروکار نہیں ، اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خدا کے مقصد کو پورا کرے ۔ حضرت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے اسوہ حسنہ پر چلنا ، آپ کے احکامات کی تعمیل کرنا عین منشائے رب العالمین ہے ۔ اپنی طرف سے نہ کوئی خواہش ہے نہ کوئی مراد اور نہ کسی قسم کی طلب ۔

ایک مرتبہ فرمایا " اپنی کوشش پر یا دوسروں کی امداد پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے ۔ اس کا کام ہمیشہ ناقص رہے گا جب تک کہ خدا کا ہاتھ درمیان میں نہ رہے "۔

حضرت فرماتے تھے " اپنے تمام حاجات کو اللہ جل و علا پر چھوڑ دو ۔ اسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھو ۔ تمام حاجات کو اسی سے مانگو ۔ ماسویٰ اللہ پر تکیہ و توکل نہ کرو ۔ توحید کو اختیار کرو ، ایک توحید سب کو جامع ہے "۔

حضرت کس قسم کے قادری تھے ؟ حضرت قادری تھے مگر قربِ فرائض کے قادری تھے اور محمدی المشرب تھے ۔ حضرت فرماتے تھے " جو شخص اپنی خوشی سے ریاضتیں کرتا ہے ، نیک کام کرتا ہے ، خدا بھی اس کے مقاصد کو پورا کرتا ہے ۔ جو چاہے ہوتا ہے ۔ اس کو " صاحب قرب نوافل " کہتے ہیں ۔ جو شخص تحتِ حکم رہتا ہے نہ اس کا کوئی مقصد ہے نہ مراد ، اس کا صرف یہی مقصد ہے کہ خدا کے مقصد کو پورا کرے ایسا شخص خلیفۃ اللہ ہوتا ہے ۔ اس سے سب کو امداد ملتی ہے ۔ نام اس کا ہے کام خدا کا ۔ ایسے شخص کو " صاحبِ قرب

زائش - کہتے ہیں -

حضرت نے ایک مقام پر لکھا ہے :-

۔ اولیاء کئی طریقہ کے ہوتے ہیں ۔ بعض دین کی حمیت و غیرت رکھتے ہیں ۔ مخالفین پر تیغ برہنہ رہتے ہیں ۔ ان اولیاء کو - نوحی المشرب - کہتے ہیں -

بعض جوش محبت سے بھرے رہتے ہیں ، رونا ، تڑپنا بیقرار رہنا ان کا کام ہے ۔ ان کو - موسوی المشرب - کہتے ہیں ۔

بعض کا کام رضا و تسلیم ہے ۔ بڑے بڑے امتحانات میں سے ہنستے بولتے خوش و خرم نکل جاتے ہیں ان کو - ابراہیمی المشرب - کہتے ہیں ۔

بعض توحید میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں ، ان کو ان کے محبوب کے سوا کوئی نظر نہیں آتا ، ان اولیاء کو - عیسوی المشرب - کہتے ہیں ۔

بعض اقتضائے وقت کے مطابق رہتے ہیں ۔ ان کا کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ کوئی مقصد ، نہ یہ اپنے ارادے سے کہتے ہیں ، نہ اپنے ارادے سے کوئی کام کرتے ہیں ۔ جو دکھایا دیکھا ۔ جو سنایا سنا ، کسی سے ملتے ہیں تو حکم کی وجہ سے ۔ لڑتے ہیں تو حکم کی بناء پر ۔ خدائے تعالیٰ کو دینا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھوں سے دلاتا ہے ۔ کہنا ہوتا ہے تو ان کو گویا کر دیتا ہے ۔ ما ینطق عن الهوی ان هوالا وحی یوحٰی (پ ۲۷، النجم) ان کے حسبِ حال ہوتا ہے ان اولیاء کو - محمدی المشرب - کہتے ہیں ۔

فرمایا - جو صوفی ہوتا ہے وہ مجاز کو استعمال بھی کرتا ہے تو حقیقت اور بالذات سے غفلت نہیں کرتا ۔ حقیقت اور بالذات سے غفلت کرنے کو وہ شرک خفی سمجھتا ہے اور اس سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہے ۔ یہ بالذات سے ہوشیار رہنا فنائے افعال ، فنائے صفات اور فنائے ذات کو پیدا کرتا ہے ۔

مقاصد تربیت ایک مرتبہ میں نے حضرت سے سوال کیا - حضرت آپ کا طریقہ تربیت کیا ہے ؟ حضرت نے جواب دیا ارشاد فرمایا - طریقہ تربیت کیا ہے ؟ وہی ہے جو غوثِ پاک کا ہے " جواب دینے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ مجھے آگے مزید پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی ، غوثِ پاک کا طریقہ تربیت کیا تھا حضرت جانیں یا غوثِ پاک جانیں ۔ مگر اتنی بات ضرور سمجھ میں آگئی کہ ہر مرید کے ساتھ رہ کر اس کے لائق تربیت فرماتے ہیں ۔ مگر یہ مسئلہ میرے لئے تشنہ تھا ۔ لہذا حضرت کے طور طریق اور متوسلین اور وابستگان کے ساتھ حضرت کے خصوصی برتاؤ اور تعلیم و تربیت کے انداز پر غور و فکر شروع کیا تو کچھ باتیں کھلنے لگیں اور تربیت کے چند مقاصد سمجھ میں آئے ۔ ان کو یہاں پیش کر دیا جاتا ہے ۔ اگر کسی کو راہ سلوک میں اس سے مدد ملے اور فائدہ پہنچے تو والحمد للہ ۔

حضرت کا اندازِ تربیت مخاطب کی استعداد اور صلاحیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتا جاتا تھا ۔ ابتداءً نہایت خصوصی محبت اور شفقت پھر رفتہ رفتہ غلطیوں پر معمولی گرفت مگر التفات و مہربانی بے حد ، پھر غلطیوں پر ناگواری مگر ساتھ ہی مہربانی و عنایت ۔ ترقی کے ساتھ ساتھ گرفت میں سختی مگر عفو و درگذر ۔ پھر معمولی لغزشوں پر سخت تنبیہ ، غصہ ، کراہت و ناگواری مگر ساتھ ہی چاہت و مرحمت ۔

ابتداءً ہر آنے والے کو حضرت چاہنے لگتے ۔ اس کی توقیر میں کچھ کسر اٹھا نہ رکھتے اتنی شفقت و عنایت سے پیش آتے کہ آدمی حضرت کو چاہنے پر دل سے مجبور ہوجاتا ۔ اللہ والے کی محبت و شفقت یہ تاثیر دکھلاتی کہ اللہ والا اس کی نس نس میں سما جاتا ۔ اس کی اس چاہت سے فائدہ اٹھاکر اس میں خدا و رسول کی چاہت کا جذبہ پیدا کرتے اور یہی جذبہ اس میں عرفان حق کی طلب پیدا کردیتا ۔ حضرت اس کی استعداد کے مطابق معرفت الٰہی اور صفات خداوندی کے تعلق سے درس دینے لگتے ۔ روزمرہ کی معمولی معمولی باتوں میں وہ معلومات بہم پہنچا دیتے جس سے ناواقفیت کی وجہ سے عام طور سے انسان خدا پرستی کی راہ میں ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے ۔ اور اعمال کے خواص اور نتائج سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے غلطیوں کا شکار ہوا کرتا ہے ۔ پھر موقع بہ موقع ایسی باتیں بتلاتے جس کی وجہ سے اس میں تعقل اور تفکیر کی صلاحیت اجاگر ہونے لگتی ۔ تاکہ آئندہ حضرت کے ارشادات اور ان کی تعلیمات سے استفادہ اور جذب کی قابلیت پیدا ہو ۔ ساتھ ہی ساتھ ایسی باتیں بھی بتلاتے جس سے ضبط و تربیت اور باقاعدگی کی تعلیم نکلتی ۔ یہی تعلیم ہر چیز کے حُسن و جمال اور خوبی و کمال کے امتیازات کو سمجھنے اور پرکھنے کی نظر پیدا کرتی ۔ جس کا لازمی نتیجہ مخاطب پر یہ مرتب ہوتا کہ وہ اعتراف عجز و قصور کے ساتھ اپنا سر نیاز بارگاہ رب العزت میں بندگی اور شکر گزاری کے اظہار کے لئے ٹیک دیتا ۔ یہیں سے فلاح و سعادت کی راہ نکلتی ہے ۔ جو ان کے مرید ، ان کے متوسل اور شاگرد کے اخلاق و کردار کی استواری کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی نشو و نما کا باعث بنتی ہے اور اس کی روح میں ایک نئی زندگی کی امنگ اور جنبش پیدا کردیتی ہے ۔ حضرت کی باتیں ، ان کی ہدایتیں ، ان کی تنبیہ ، ان کی نصیحتیں روحانی زندگی کی تاریکیوں میں روشنی ثابت ہوتی تھیں ۔

اس نوبت پر حضرت کی روحانی نگرانی مرید پر کڑی ہوجاتی تھی ۔ اور تربیت کا اہتمام بڑھ جاتا تھا ۔ تاکہ ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ کی روحانیت کی طرف ترقی کی منزلیں طے کرسکے ۔

حضرت کے اندازِ تربیت کا طریقہ بحث و تقریر کا نہیں تھا ۔ بلکہ براہ راست تلقین کا سیدھا سادھا طریقہ تھا ۔ و نیز کسب و عمل میں عملی نمونہ بن کر پیش ہونا تھا ۔ جو کمال تربیت ہے ۔

حضرت کی خفگی ، ڈانٹ یا تنبیہ سے مخاطب پر کچھ ناگواری یا دل برداشتگی یا مایوسی کی کیفیت یا حضرت سے دور بھاگنے کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت کی روش میں اس کی خیر خواہی ، بنانے ، سنوارنے ، فائدہ پہنچانے اور اس کو ترقی اور کمال پر پہنچانے کے جذبہ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ڈانٹ کھاکر بھی بجائے دور بھاگنے کے اور قریب ہوجاتا تھا ۔ اور حضرت کی شفقت اور عنایت اس پر مزید بڑھ جاتی تھی ۔

طور و طریقہ تعلیم اس مختصر تمہید کے بعد حضرت کے پاس مقاصدِ تربیت کی روشنی میں چند پہلو جو حضرت کے طور طریق ، تعلیم و تعلم اور انداز تربیت کی روشنی میں سمجھ میں آسکے پیش ہیں ۔

۱ ۔ اخلاق و کردار اور اعمال اس طرح ٹھیک ٹھیک اور درست ہوجائیں کہ اس کی زندگی کی ہر بات ایک خوبی ، ایک حُسن ہو اور کسی گوشہ میں خلل ، نقصان ، پستی یا بے ڈھنگاپن باقی نہ رہے ۔ دنیا میں بھی خوبی اور کمال کے ساتھ زندہ رہے اور موت بھی خوبی اور کمال کا ثبوت بن جائے ۔ اور دنیا کی زندگی آخرت میں خیر کثیر بن کر مشہود ہوجائے ۔

۲ ۔ زندگی میں جمع و نظم کی حالت پیدا ہوجائے جو سکون اور یکسوئی کی حالت ہوتی ہے ۔ جس کے حصول کے لئے وہ تفرقہ و برہمی

سے گریز کرسکے کیونکہ بربہی بگاڑ کی طرف لے جاتی ہے اور سکون کمال کی طرف و نیز طبیعت میں استقلال اور کام میں مداومت کی اہمیت کا شعور بھی پیدا کرتے ۔ جس کے بغیر حصول کمال ممکن نہیں ۔

۲ ۔ اچھائی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھائی کا احساس بھی عطا کرتے کیونکہ اچھائی کا احساس ہی اچھائی اور برائی کے سمجھنے کا معیار ہوا کرتا ہے جب تک احساس نہ پیدا ہو اچھائی کے درجات اور درجات کے باہم امتیازات کھل کر سامنے نہیں آسکتے ۔

۳ ۔ مخاطب کی تربیت طبیعت کے اقتضاء اور استعداد کے مطابق نہیں دی جاتی وہ ناقابل استفادہ ہوتی ہے ۔ بلکہ انتشار خاطر کا باعث بنتی ہے ۔

۵ ۔ تربیت میں اس بات کا بھی پورا خیال رکھتے کہ اس کی ساری جدوجہد اخلاقی اقدار کی پابند رہے اور وہ اخلاقی تنزل سے بچ سکے ، اس کے لئے اس کے علمی اور اخلاقی معیار کو بلند کرتے اور تخلقوا باخلاق الله کو اس کے پیش نظر کردیتے ۔ کیونکہ اخلاقی تنزل کی انتہائی حد میں ظاہر داری اور ظاہری رسوم کی پابندی ہی دین داری سمجھی جانے لگتی ہے اور یہ کھلا نقصان ہے ۔

۶ ۔ حضرت کی تعلیم و تربیت میں قیاسات ، تخمینے ، ظنون اور اندازے کی صلاحیت بخشنا نہیں ہے بلکہ مشاہدات ، تجربات اور محسوسات کے حصول کی اہلیت پیدا کرنا ہے ۔

۷ ۔ دلوں کے اندھوں اور مردہ دلوں کو زندہ کرکے ان کے علم ، ارادہ ، شعور ، بینائی ، شنوائی اور ان کے وجود کی اصل سے واقف کرانا ہے اور ایسی تربیت کرنی ہے کہ وہ اپنے مرجع کی طرف لوٹ سکیں اور ردِ امانت کرسکیں ۔

۸ ۔ حضرت کی تعلیم و تربیت کی ابتداء ذات سے شروع ہوکر ذات پر ختم ہوتی ہے ۔ اصل اختلاف کی جڑ اور اس کا نقطہ آغاز صفات سے شروع ہوتا ہے ۔ حضرت ہر صفت سے ذات کی طرف متوجہ کرتے جاتے اور اس بات کا یقین پیدا کردیتے کہ جہاں کہیں ، جس کسی میں کوئی خوبی ، کوئی کمال نظر آتا ہے جس کی تعریف کی جاتی ہے ان سب کا مرجع وہی ازلی وجود ہے ۔ جو ہمارے تمام محسوسات و معلومات کے آئینہ میں اپنے کمالات کو مختلف طریقوں سے چمکا رہا ہے بلکہ خود چمک رہا ہے ۔

۹ ۔ جذبہ دینی کے تحت انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط قائم ہوسکے تاکہ قومی امتیازات و خصوصیات ہر جہت میں نمایاں اور برقرار ہیں ۔

۱۰ ۔ ایسی نظر پیدا ہوجائے جس سے حقیقت اور مجاز دونوں بے نقاب ہوسکیں تاکہ ان کے حقوق کی ادائی ان کے لائق ہوسکے ۔

۱۱ ۔ زندگی کی ہنگامہ آرائیاں اس کے اسرار اور اس کی بصیرت سے پوشیدہ نہ رہ سکیں تاکہ دادِ جمال و کمال دے سکے ۔

۱۲ ۔ لامنتہی طلب پیدا ہوجائے تاکہ لامحدود عطایائے الٰہی کے سامنے اس کا دست طلب ہر وقت دراز رہ سکے تاکہ اس کے سوال سے مالک کے کمال کا اظہار ہوتا جائے اور اپنی بندگی کا کمال اس پر کھلتا چلا جائے ۔

۱۳ ۔ وہ ایک اچھا معاشرہ پیدا کرسکے جس کے استحکام کے بغیر اعلیٰ صفات پر ثبات حاصل نہیں کرسکتا ۔

۱۴ ۔ اس میں علم و عقل کے ساتھ عشق و محبت کا جذبہ و وجدان پیدا ہو ۔ تاکہ ان کی بدولت وہ حقیقت کا پتہ لگاسکے ۔ کیونکہ علم و عقل منزل کے قریب تو لاسکتے ہیں مگر بغیر عشق کی مدد کے منزل کو طے نہیں کراسکتے ۔

۱۵ ۔ قوت عمل کو ابھارتے تھے ۔ کیونکہ بغیر عمل کے مقاصد چاہے کتنے ہی اعلیٰ و ارفع کیوں نہ ہوں بے معنیٰ رہتے ہیں ۔ و نیز

حقیقت علم تک محدود نہ رہے بلکہ عمل میں آجائے۔ کیونکہ یقینی علم عمل میں مضمر ہے۔

۱۶۔ حقیقت دین کے جذبہ کو مختلف انداز سے پیدا کرتے تھے۔ تاکہ اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلے میں وقت پر ہر قسم کی بازی لگا سکے اور اسلاف کے کارناموں کو پیش نظر رکھ کر اپنے زمانہ کے اقتضاء کے مطابق ان کو دہرا سکے۔ تعلیم و تربیت میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے کہ حیاتِ جاودانی کی بشارت کا یقین محکم رہے اور اس عقیدے میں ذرا سی بھی سستی نہ آنے پائے۔

۱۷۔ خارجی عمل سے عالم میں تصرف ہوتا ہے اور داخلی عمل سے انسانی سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔ عمل کے ان دونوں پہلوؤں کی اہمیت میں اضافہ اور ترقی میں تیزگامی پیدا ہوجائے تاکہ کمال کو پہنچ سکے۔

۱۸۔ زندگی سے گریز یا ترک دنیا کا جذبہ جنم نہ لے سکے اور جدوجہد کی ہر منزل میں ناامیدی کی کیفیت قریب نہ پھٹک سکے۔ بلکہ ارتقاء ہی ارتقاء کی ٹھوس حقیقت ہی اس کے پیش نظر رہے۔

۱۹۔ مادی زندگی کی قدر و قیمت میں غلو نہ پیدا ہوجائے کہ وہ مقصد حیات بن جائیں۔ بلکہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور آدمی اس قابل بنے کہ کلیدِ دین سے درِ دنیا کو کھول سکے اور اسلامی روح اس کے ہر گوشۂ حیات میں جاری و ساری رہے۔

۲۰۔ ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ روحانی اور قلبی تربیت کی اہمیت بھی پیش نظر ہوجائے۔ تاکہ مادی تقاضوں کے ساتھ ساتھ روحانی زندگی کے تقاضے بھی پورے ہوسکیں۔

۲۱۔ وہ اپنے اندر جلالی و جمالی صفات کو موزوں ترکیب کا حامل بنائے تاکہ سوز و سازِ زندگی کا رمز شناس بن سکے۔

۲۲۔ وہ اپنی سعی و عمل اور ضوابط نفس کے مرحلوں سے گذر کر اعجاز عمل سے تجدید حیات کرسکے تاکہ اپنے زمانہ میں صفات عالیہ کا اظہار اپنی اعلیٰ سیرت کی شکل میں دوسروں کے آگے پیش کرسکے اور بہترین نمونہ بن جائے۔ اور اس بلند مقام پر پہنچ کر اپنے ساتھ ایک جماعت کی جماعت کو کھینچ لائے۔

۲۳۔ دوسروں پر تنقید کرنے کی بجائے خود اپنی ذات پر تنقید کے اصول سکھاتے تاکہ کبر جیسی لعنت سے بچ سکے۔ دن رات کی تنقید اور محاسبہ کی بدولت وہ دوسروں سے آگے بڑھ سکے۔ اور اپنے ماحول میں مصلح کا کام انجام دینے کا اہل بن جائے۔

۲۴۔ نیت نیک رکھنے کی طرف بھی متوجہ کرتے تاکہ روحانی سرچشمہ سے استفادہ متاثر نہ ہو۔ ورنہ نیت کا روحانی سرچشمہ گدلا ہوجائے تو جو بھی اعمال صادر ہونگے وہ گندے، غلوص اور للہیت سے معرا ہونگے۔

۲۵۔ اصول توحید کی طرف طرح طرح سے متوجہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اس سے واقفیت کے بغیر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ غیر اللہ کی زنجیروں کو توڑ سکے اور جس کے توڑے بغیر اس کی زندگی سعادت ازلی سے ہم آغوش نہیں ہوسکتی۔

۲۶۔ حضرت ارادہ کی نگرانی پر بہت زور دیتے تھے۔ کیونکہ ارادہ ہی موجب ذمہ داری ہوتا ہے۔ زندگی جو ایک دائمی فعلیت ہے ارادہ کے ذریعہ نت نئے روپ دھارتی ہے۔ لہٰذا ارادہ اگر احکام الٰہی کے تابع نہ رہے تو سوائے شر کے خیر کی توقع امرِ محال ہے۔ اگر ارادہ تحت امر الٰہی رہے تو افعال میں خیر ہی خیر کا ظہور یقینی ہے۔ انتہا یہ ہوتی ہے کہ ذاتی ارادہ باقی نہیں رہتا۔ بلکہ وہ اپنے میں ارادہ الٰہی کا جریان محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور اس کی ساری زندگی خیر کثیر بن جاتی ہے اور یہاں تک بات پہنچتی ہے کہ وہ حق کے سریانِ وجود کو اپنے میں بلکہ ہر مخلوق میں مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔

۲۷ ۔ انفرادی ذمہ داری کی اہمیت کی طرف توجہ دلایا کرتے جس کی اسلامی فلسفہ تمدن میں خاص اہمیت ہے ۔ احساس ذمہ داری ہی آدمی کی عملی قوتوں کو ابھارتا ہے اس کے بغیر شعورِ ذات ممکن نہیں ۔ اسی کی بدولت عمل کے سرچشمے اُبل پڑتے ہیں ۔ انفرادی ذمہ داری اور سعی و عمل ہی زندگی کا اصلِ اصول ہے ۔ جس کی بدولت انسان کی باطنی خوبیاں پوری شان کے ساتھ اس طرح نمایاں ہوتی ہیں کہ مسجودِ ملائک کا اعزاز انسان کیلئے حق بجانب ثابت ہوتا ہے ۔

۲۸ ۔ ایسا درس دیتے اور اس طرح تربیت کرتے کہ وہ مشکلات میں سے ہنستا ہنستا گزر جاسکے ۔ اور نتیجۃً تقدیر الٰہی کے ساتھ ہم آہنگ ہوجائے اور اس کی شخصیت حقائق ازلی سے قرب و اتصال حاصل کرکے ابدی اطمینان حاصل کرلے ۔

۲۹ ۔ حضرت کی تربیت میں یہ بات پوری شفقت کے ساتھ پائی جاتی تھی کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی زندگی کے تعلق کو اس طرح استوار کرے کہ اس کے سارے افعال و اعمال میں اسی کے جلوے ، اسی کے مشاہدے اور حضور کی بلکہ دوام حضور کی کیفیت حاصل ہوجائے ۔ یہاں تک کہ وہ صفات الٰہیہ کا مظہر بن جائے ۔ اور قدرت الٰہی تک نزول کرسکے ۔ تاکہ اس کی ذات کے توسط سے ذاتِ مطلق خود اپنا مشاہدہ کرسکے ۔

بیعت کیا ہے ؟ بیعت تقویٰ یا بیعت طریقت جو صوفیاء فقراء اور مشائخین میں چودہ سو سال سے رائج ہے ۔ اس کے بارے میں حضرت اپنے رسالہ " نظام العمل فقراء " میں لکھتے ہیں ۔

" بیعت ایک معاہدہ ہے ۔ عربوں کی ایک عادت یہ ہے کہ کوئی معاہدہ کیا جاتا ہے تو ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں ۔ تمام سلطنتوں میں حلفِ وفاداری لیا جاتا ہے ۔ اسی طرح کسی اہم بات کی تاکید پر بیعت لی جاتی ہے ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی مسلمان ہوتا تو بیعت کرتا ۔ توبہ کرتا تو بیعت لی جاتی ● ۔

● حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس حال میں کہ آپ کے گرد ایک جماعت آپ کے صحابہ کی بیٹھی ہوئی تھی " تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو ، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ، چوری نہ کرنا ، زنا نہ کرنا ، اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا ، نہ ایسا بہتان کسی پر باندھنا جس کو تم دیدہ و دانستہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے بناؤ (یعنی اپنی طرف سے بنالو اور گھڑلو) اور کسی اچھی بات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی نہ کرنا ۔ پس جو کوئی تم میں سے اس عہد کو پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہوگا ۔ اور جو کوئی ان بری باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوجائے گا اور دنیا میں اس کی سزا مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہوجائے گی ۔ اور جو ان (بُری) باتوں میں مبتلا ہوجائے گا اور اللہ اس کو دنیا میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ اللہ کے حوالے ہے چاہے اسے معاف کرے اور چاہے اسے عذاب کرے (عبداللہ بن صامت کہتے ہیں ہم سب لوگوں نے اس شرط پر بیعت کرلی (بخاری) یہی بیعت تقویٰ تو پیرانِ طریقت ، صوفیا ، فقراء مشائخین لیتے ہیں جو واسطہ در واسطہ ان تک پہنچتی ہے اور پورے اہتمام کے ساتھ پہنچتی ہے ۔ (مرتب)

بیعت تقویٰ و توبہ عورتوں سے بھی لی جاتی ٥ ۔

بعض دفعہ اپنے آخری قطرہ خون بہانے کے متعلق بیعت لی جاتی جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا ۔ بعض دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ نہ مانگنے پر بیعت لی ۔ ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ اگر اونٹ کی مہار گر جاتی تو اونٹ کو بٹھا کر مہار اٹھاتے مگر دوسروں سے یہ نہ کہتے کہ ذرا مہار دے دو ۔ بعض دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ثابت قدم رہنے کے لئے بھی بیعت لی ہے ۔ غرض کہ کسی اہم چیز پر عہد لینے کا نام بیعت ہے ٥ ۔

فرمایا ۔ قرآن شریف ، حدیث اور کتب فقہ سب ہمارے سامنے ہیں ، پھر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟

دیکھو ذرا غور کر کے اس کا جواب دو کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں ۔ چار میں سے اگر دو تفریق کریں تو دو باقی رہتے ہیں ۔ حساب ایسا یقینی علم ہے کہ بہ مشکل کوئی دوسرا علم ایسا یقینی اور قطعی ہوسکتا ہے ۔ مگر پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک حساب کی تعلیم اساتذہ سے حاصل کی جاتی ہے ۔ تب کہیں اس میں مہارت حاصل ہوتی ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنی غلطی معلوم نہیں ہوسکتی استاد ، شاگرد کی غلطیوں کو پکڑتا جاتا ہے ۔ جب ایسی بدیہی چیزوں میں غلطی ہونے سے استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو لطیف اور نازک چیزوں میں غلطیوں کا ہونا کثیر الوقوع ہے ۔ استاد اپنے شاگردوں کی ہمیشہ نگرانی کرتا ہے اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتا ہے ۔ جب دنیاوی کاموں میں استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو سلوکِ راہِ خدا میں استاد روحانی یا شیخ کی کیوں ضرورت نہ ہوگی ؟ "

فرمایا ۔ اچھا ! ایک ہی شخص کی تعلیم کے پابند رہنے کی کیا وجہ ہے ؟ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات سن کر آدمی کو حیرت لاحق ہوتی ہے ۔ اس واسطے اپنی معتمد علیہ ہستی کو اپنا پیشوا ، بنانا چاہئیے ۔ ذرا غور کرو کہ کسی اہم مقدمہ میں ہر روز ایک وکیل بدلا جائے تو نہ پیروی برابر ہوسکتی ہے نہ کامیابی کی توقع ہے ۔ اردو میں قانون کی کتابیں موجود ہیں کیا ان کو دیکھ دیکھ کر مقدمہ کو چلا سکتے ہیں ؟ نہیں ۔ ہر کام میں ایک شخص ماہر ہوتا ہے ۔ اسی پر اعتماد کر کے اپنے تمام مقدمات و معاملات کو اس کے حوالے کرنے کی ضرورت ہے ۔

---

٥ عورتوں سے بیعت لینے کا حکم تو قرآن میں خود موجود ہے ۔ یاایھا النبی اذا جاءک المؤمنت یبایعنک علی ان لایشرکن باللّٰہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولا دھن ولا یاتین ببھتا ن یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم (سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ : اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی ۔ اور نہ چوری کریں گی ، اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی ، اور نہ کوئی بہتان اپنے آگے نہ لادیں گی اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے بے شک اللہ غفور رحیم ہے " حدیث میں مردوں سے بیعت کی شرائط جو بخاری میں مروی ہے جو اوپر تحریر ہوئی اور قرآن کی روشنی میں حدیث کو پوری طرح پرکھیئے ۔ اور بیعت تقویٰ کی اہمیت کو اپنے پیشِ نظر رکھیے ۔ (للمرتب)

عام طور پر مشائخین کرام کس طرح بیعت لیتے ہیں ؟ مَردوں کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور ان سے عہد لیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق رہیں گے ۔ اور ان سے جس قدر ہوسکے گا رذائل سے مجتنب اور فضائل پر کاربند رہیں گے ۔ مگر آدمی کی پوری تعلیم نہ ہوئی ہو تو دوسرے شیخ کی ارادت حاصل کی جاسکتی ہے اور اس کو طالب ہونا کہتے ہیں ۔

بعض لوگ کسی اچھے اور تجربہ کار مذہبی شخص (یعنی شیخ) سے دوستی پیدا کرتے ہیں اور اس کے نیک مشوروں کو سنتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں ۔ ایسے شخص کو رفیق راہ خدا کہا جاتا ہے ۔ ایسا شخص مرشد تو نہیں مگر مشیر ضرور ہوتا ہے ۔

فرمایا ۔ بیعت کے وقت استغفار و عہد کے الفاظ کہنے کے بعد ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیہم فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ومن اوفی بما عٰھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجرا عظیما۔ (سورۃ الفتح) (ترجمہ : جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ۔ پھر جو شخص عہد توڑے گا وبال اس پر پڑے گا ۔ اور جو شخص بات کو پوری کرے گا جس پر اللہ سے عہد کیا ہے تو عنقریب اللہ اس کو بڑا درجہ عطا کرے گا ۔) ● ۱ پڑھتے ہیں ۔ اور بعض شیخ کہتے ہیں کہ تم کو اس بات کی وصیت کرتا ہوں ان اللہ یامرکم بالعدل و الاحسان وایتآء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ۔ ترجمہ :

اس کے بعد شیخ ہمیشہ مرید کو اپنی نگرانی میں رکھتا ہے ۔ اور ہر وقت اپنے حُسنِ توجہ سے ، روحانی امداد سے اور قوتِ خیالی اور ارادی سے مرید کو بری باتوں سے روکتا ہے اور نیک اعمال کو اور ان کی نیتوں کو درست رکھتا ہے ۔

بعض دفعہ چھوٹے ، کمسن بچوں سے بھی بیعت لے لی جاتی ہے ۔ اس کو بیعت برکت کہتے ہیں ۔ یہ تو مردوں کی بیعت کا ذکر ہے ۔ عورتوں کی بیعت میں صرف زبان سے بیعت کا لینا کافی ہوتا ہے ● ۲ بزرگان دین اپنے رومال یا چادر کا ایک گوشہ خود پکڑتے ہیں اور دوسرا گوشہ عورت کو دیتے ہیں کہ پکڑے ۔ بعض لوگ لگن میں پانی رکھتے ہیں ۔ اور اس کے ایک جانب پانی میں شیخ کا ہاتھ ہوتا ہے اور دوسری جانب مرید ہونے والی عورت کا ہاتھ ۔ اکثر عورتیں معمر اور بوڑھے شیخ کے سامنے بے پردہ ہوتی ہیں ۔ مگر مرید ہونے والی عورت کا شیخ کے سامنے بے پردہ ہونا کوئی ضروری چیز نہیں ہے چاہے شیخ معمر اور بوڑھا ہی کیوں نہ ہو ۔

● ۱ : یہ آیت بیعتِ رضوان سے خاص یا مشروط نہیں ۔ مطلق ہونے کی بناء پر یہ آیت ہر اس بیعت سے متعلق کی جاسکتی ہے جو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر کی گئی ہو ۔ چاہے وہ بیعت بیعتِ تقویٰ ہو یا اسلام اور جہاد پر لی گئی ہو یا اسلام پر قائم رہنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی شرط پر لی گئی ہو یا بیعتِ رضواں ہو یا کسی شرط پر ہو ۔ معترضین یہ اشتباہ پیدا کرتے ہیں کہ صوفیا نے بیعتِ رضوان کو بیعتِ طریقت کے روپ میں پیش کیا ہے اور اس کی سند قرآن و حدیث سے ثابت ہی نہیں ۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے لوگ بیعتِ تقویٰ کے فیض سے محروم ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے ۔ (للمرتب)

● ۲ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کو جو بیعت کرنے کے لئے آتی تھیں اس آیت سے امتحان لیتے تھے ۔ یآ یھا النبی اذا جآءک المومنت یبایعنک علیٰ ان لایشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان ..... ان اللہ غفور رحیم (الممتحنۃ) پس ان میں سے جو عورتیں ان شرائط کا جو آیت میں مذکور ہیں اقرار کرتیں تو آپ ان سے فرماتے " میں نے تجھ سے بیعت لی " اور قسم ہے خدا کی آپ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو بیعت میں نہیں چھوا " ۔ (بخاری و مسلم)

بیعت کے وقت مرید کی کیا عمر ہو ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جوان ہو اور بعض فرماتے ہیں کہ صاحبِ فہم و فراست ہو ۔ اچھی اور بری بات کی تمیز کر سکتا ہو ۔ جس بات کی تعلیم دی جاتی ہے اس پر کاربند رہ سکتا ہو ۔

اچھا ، تو شیخ کیسا ہونا چاہیے ؟ مریدی کی غرض اور مقصد کو پورا کرنے کی قابلیت رکھنے والا ہو ۔ بعض شیوخ کا خیال ہے کہ مرشد کچھ قرآن شریف کے احکام کی آیتیں اور حدیث وفقہ کے ضروری مسائل سے بھی واقف ہو اور کسی تجربہ کار ہستی کے فیض صحبت سے بار یاب ہو ۔

بعض بزرگوں نے اچھے مرشد کی یہ تمیز بتلائی ہے کہ جس کی صحبت میں وساوس ، فضول خیالات سب بند ہوجائیں اور آدمی کا خیال خدا اور رسول کے ساتھ وابستہ ہوجائے ۔

دیکھ سمجھ کر دینا ہاتھ ورنہ پیچھے ندامت ہے
غیر سے جو کردے آزاد لازم اس کی صحبت ہے (حسرت صدیقی)

اچھے اور بُرے کو جانچنے کا ایک بڑا معیار انسان کی آنکھ ہے جس کا دل مستقیم ہوتا ہے اس کی آنکھ بھی ایک نقطہ پر قائم ہوتی ہے ۔ پریشان خاطر کی آنکھ بھی پریشان رہتی ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے درود شریف پڑھا جائے تو اکثر وہ پلٹ کر دیکھتا ہے اور کچھ پوچھو تو فوراً جواب دیتا ہے ۔

فرمایا " یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر شخص میں سے اس کے خیالات ، اس کی صحبت کے اثرات تموج کرتے ہیں اور چو طرف پھیلتے ہیں نیک کی صحبت سے نیکی حاصل ہوتی ہے اور بد کی صحبت سے بدی ۔ معمولی خیالات والا آدمی ، کمزور یقین کا شخص اگر کسی کامل کی صحبت میں بیٹھے تو اس کے وساوس اور واہی تباہی خیالات مضمحل اور معدوم ہوجائیں گے ۔ اور وہ کامل اور قوی ارادہ والے شخص کے اثرِ صحبت سے متاثر ہوجائے گا ۔

صحبت صالح ترا صالح کند ÷ صحبتِ طالح ترا طالح کند

اس سے بھی شیخ کامل کے اثر صحبت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے ۔ الغرض شیخ کامل کی صحبت کی ضرورت اور اس کے اثرات ناقابل انکار ہیں ۔

فرمایا " یہ بات بھی قابل یادداشت ہے کہ اگر کسی سے بیعت کے بعد کچھ خطا صادر ہو تو پھر توبہ کرے ۔ اگر بے گناہ شخص بھی استغفار کرے تو یہ اس کے حق میں اچھا ہی ہوگا ۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور کچھ دیر بعد حضرتؐ نے فرمایا کہ تم بھی بیعت کرلو ، انھوں نے عرض کیا " یارسول اللہ " میں نے تو بیعت کرلی ہے " تو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا " کیا مضائقہ ہے پھر بیعت کرلو " ۔

فرمایا " کیا ہر شخص کو مرید ہونا ضروری ہے ؟ ایک شخص رذائل سے مجتنب اور وصائف سے متصف ہونے کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کو ایک اعلیٰ معیار پر ادا کرنا چاہتا ہے لہذا مرید ہونا ہے ۔ اگر آپ اس کو ضروری نہیں سمجھتے تو آپ کو محرومیت مبارک ۔ بزرگوں کا مقولہ ہے من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان ۔ بے پیر کا پیر شیطان ہوتا ہے ۔

توبہ | حضرت فرماتے ہیں " خدائے تعالیٰ ہم سے حضوری کا مطالبہ فرماتا ہے اور غفلت سے ممانعت ۔ یہ غفلت اور اعراض عن اللہ جملہ گناہوں کی حقیقت اور جمیع معاصی کا سر اور تمام سیئات کی اصل اور ذنوب و آثام کا راز ہے ۔

فرمایا " اللہ پاک نور ہے ۔ جو اس سے غافل ہوگا وہ بلاشک ظلمت میں ہوگا ۔ غفلت روحانی ناپاکی اور نجاست ہے ۔ اس سے خدا اور مقبولانِ خدا کراہت کرتے ہیں "۔

فرمایا " اعمال ظاہری بمنزلہ بدن کے ہیں اور اعمالِ باطنی بمنزلہ روح کے ۔ جس طرح تن بے جان مٹی میں دفن کرنے کے قابل ہے اسی طرح عملِ ظاہری بغیر حضور و اخلاص کے قابلِ رد اور ناقابلِ قبول ہے ۔

فرمایا " تمام گناہوں کا تدارک توبہ ہے یعنی رجوع الی اللہ ہے ۔ توبہ کے چند شرائط ہیں ۔ ماضی پر ندامت ، اگر تدارک ممکن ہو تو اس کا کردینا مثلاً کسی کا حق اپنے اوپر نکلتا ہے تو ادا کردینا ۔ قابل معافی ہوں تو ان سے معافی چاہنا ۔ نماز ، روزے ترک ہوگئے ہوں تو ان کو قضاء کے طور پر ادا کردینا ۔ آئندہ خدا کی مرضی کے خلاف کام نہ کرنے کا عزم کرلینا ۔ خدا سے عاجزی اور تضرع سے معافی مانگتے رہنا ۔ توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا ۔ خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرو خالص رجوع کرنا ۔

فرمایا " توبہ ہاتھوں کی صفت تو ہے ہی نہیں کہ ان کو رخساروں پر مار لیا اور سمجھ لیا کہ میں نے توبہ کرلی "۔

فرمایا " ابتداء میں داغِ غفلت کا اثر رہتا ہے مگر رحمت ورضائے الٰہی کا اس پر غلبہ رہتا ہے اور خدائے تعالیٰ اس کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپالیتا ہے ۔ اس کو مغفرت کہتے ہیں ۔ غفر کے معنی ڈھانکنے کے ہیں ۔ پھر اس کا اثر بالکل دور کردیا جاتا ہے اور اس کو " عفو " کہتے ہیں جس کے معنیٰ ہیں مٹنے کے وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفوا عن السیئات ۔ یعنی اور وہ ایسا ہے توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور گناہ مٹا دیتا ہے ۔

فرمایا " توبہ سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ ایسا ہوجاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے ۔ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ "۔

فرمایا " نورِ توبہ زیادہ ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں میں مبدل کردیتا ہے اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات یہ لوگ وہ ہیں کہ خدا ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے ۔

فرمایا " یادرکھو ! مسلمان کا دل ہمیشہ خوف ورجاء کے درمیان رہتا ہے گذشتہ تقصیرات وکوتاہی پر نادم ہوتا ہے اور باز پرس سے خوف کرتا ہے ۔ ساتھ ہی معافی کی امید رکھتا ہے اور نیز آئندہ کی حفاظت اور اصلاح کے لئے خدا سے دعا مانگتا رہتا ہے "۔

فرمایا " گناہگار خدا سے ڈرتا ہے یہ خوف ہے ۔ اور نیک لوگ اللہ کے جلال وکمال سے مرعوب ہوتے ہیں ۔ یہ خشیۃ اللہ ہے یعنی بے گناہ کا خدا سے ڈرنا ۔ نعم العبد صھیب لولم یخف اللہ لم یعصہ یعنی صہیب کیا اچھا آدمی ہے کہ اگر اس کو خدا کا خوف بھی نہ ہوتا تو کبھی خدا کی نافرمانی نہ کرتا ۔ یعنی صہیب کی فطرت ایسی اعلیٰ ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کر نہیں سکتا ۔ (خوف میں خدا سے بعد اور غفلت ہے ۔ خشیۃ میں خدا سے قرب اور حضوری کی حالت ہے ۔ (للمولف)

فرمایا " جوانوں کو گناہ سے ڈرانا چاہئیے اور بوڑھوں کو خدا کے رحم کی امید دلانا چاہئیے ۔ تاکہ وہ خوشی خوشی اپنی جان اپنی مالک کے نذر کردیں "۔

سلوک | حضرت نے سلوک کی تفصیل اس طرح بیان فرمائیں :

پہلے توبہ ۔ دوسرے تقویٰ فاتقوا اللہ حق تقاتہ ۔ ناجائز سے بچنا ۔ تقویٰ کیا ہے ؟ ہر اس چیز سے کہ نقصان پہنچاتی ہے پرہیز کرنا ۔ تقوے کی ابتداء توبہ کرتے ہی شروع ہوجاتی ہے ۔

تیسرے توکل ۔ میرے مقاصد کو اللہ پورا کرتا ہے وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین ۔ اپنے حاجات کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہے ۔ یہی تو توکل ہے ۔ کام نہ کرنے کا نام توکل نہیں ہے ۔ یہ تو آرام طلبی ہے ۔ اور اپنے ہاتھ پاؤں کو اپنی قوتوں کو جو خدائے تعالیٰ کے عطایا ہیں بے کار کردینا ہے ۔ اور عطایائے الٰہی کی سخت ناقدری ہے ۔

چوتھے صبر ۔ صبر تین قسم کا ہے ، صبر علی البلاء ۔ صبر عبادت کی تکلیف پر ، دشمن سے تکلیف اور خواہشات پورے نہ ہونے پر صبر ۔ فاصبر وما صبرک الا باللہ ۔ سب چیزوں کو چھوڑنے سے تکلیف ہوتی ہے اس کے لئے صبر ہے صبر میں ناگواری ہے ۔ مصیبت مصیبت دکھتی ہے ۔ گو وہ اسے ستاتی ہے مگر صبر میں ابھی لذت نہیں ہے ۔

ایک مرتبہ فرمایا ۔ مرضی الٰہی اور اس کا بندے پر تلخ و ناگوار گذرنا اور سخت دشوار معلوم ہونا ۔ سخت نمک حرامی اور نہایت جہالت ہے ۔ خدائے تعالیٰ کریم و رحیم ہے ، علیم و حکیم ہے وہ جو کچھ کر رہا ہے عین انصاف اور محض حکمت ہے ۔ اور ہمارے لئے خیر محض ۔

فرمایا ۔ شیوخ طریقت میں سے اُن حضرات کا حکم جو فنافی الرسول ہوچکے ہیں کوئی حکم دیں تو وہ حضرتؐ ہی کا حکم سمجھا جائے گا ۔ بعض نادان ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سال کی عمر میں جیسی شکل مبارک کے ساتھ کوئی حکم دیں تو البتہ قابلِ قبول ہے ورنہ نہیں "۔

فرمایا ۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی ہوشیار ہے اور ہاتھ پیر ہیں کہ اس کے اختیار میں نہیں ۔ ایک جگہ جانا چاہتا ہے اور دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے ۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے ، بات منہ سے نکل جاتی ہے ، ہاتھ سے کام ہوجاتا ہے اور اسے خبر نہیں ۔ سوچ کر کام نہیں کرتا ۔ کام کرنے کے بعد سمجھتا ہے ۔ یہ خدائی راستے ہیں ۔ صراط مستقیم پر قائم رکھنا صرف خدا کا کام ہے ۔ اھدنا الصراط المستقیم ۔ صراط الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین وحسن اولئک رفیقا "۔

قرب فرائض و نوافل | فرمایا ۔ اپنے ارادے سے اچھا کام کرنا قربِ نوافل ہے ۔ حکم کے بعد کام کرنا قربِ فرائض ہے ۔ اپنے سب کاموں کو خدا پر چھوڑنا توکل ہے ۔

ایک شخص نے شب بیداری کی ، رات بھر نماز پڑھتا رہا اور صبح کے قریب سوگیا ۔ اور دو رکعت فجر کے کھودیئے ۔ اور ایک دوسرا شخص رات بھر سوتا رہا اور صبح کو اٹھ کر فرض دو رکعتیں پڑھ لیں ۔ ظاہر ہے کہ اس کی دو رکعتیں شب بیداری کی سو (۱۰۰) رکعتوں سے بہتر ہیں ۔ تحت امر ہیں ۔ فرائض میں داخل ہیں ۔ قرب نوافل کی سو (۱۰۰) رکعتیں چونکہ اپنے ارادے سے پڑھی گئی ہیں اس کی فرض دو رکعتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں "۔

فرمایا ۔ کیا کریں کہ ہمارے تمام کام قربِ فرائض میں شامل ہوں ؟ بعض حضرات کام کرنے سے پیشتر قرآن کی ایسی آیت پڑھتے ہیں جس سے اس کام کا امر نکلتا ہے ● ۔ امر دو قسم کا ہے ۔ امر ایجابی اور امر امتناعی ۔ امر ایجابی تو ظاہر ہے عمل کرنے کے لئے ہے ۔ امر امتناعی نہی ہے ۔ امر ایجابی کے مطابق عمل کرو اور جس کام سے نہی کی گئی ہے اس سے اجتناب کرو پرہیز کرو ۔ چونکہ تحت امر کام کرتے ہیں اس لئے وہ کام قرب فرائض میں داخل ہے ۔ مثلاً کھانا کھاتے وقت پہلے کلوا واشربوا من رزق اللہ پڑھتے ہیں ۔ پھر تعمیل حکم میں کھانا

● حدیث شریف نسائی میں ہے کہ سرکارِ دوعالمؐ نے مقام ابراہیم پر پہلے آیتِ شریفہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ پڑھی پھر دو رکعت نماز پڑھی (ایڈیٹر)

شروع کرتے ہیں۔ کلمہ شریف کا ذکر کرنا چاہتے ہیں فاعلم انہ لا الہ الا اللہ۔ درود شریف پڑھتے ہیں تو پہلے یہ پڑھتے ہیں۔ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یآ ایھا الذین امنو اصلوا علیہ و سلموا تسلیما۔ اس کے بعد تعمیل حکم میں درود شریف پڑھتے جاتے ہیں۔ اسی طرح و ات کل ذی حق حقہ پڑھ کر بیوی بچوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور یہ حکم کلی ہے۔ ہر فعل کی ابتداء میں پڑھ کر کام شروع کرسکتے ہیں۔

فرمایا۔ ایک بات یاد رکھو! احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب نوافل والوں کے خدائے تعالیٰ ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے۔ یعنی وہ ان کے حاجات کو پورا کرتا ہے اور قرب فرائض والے کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ اس واسطے اللہ کو کچھ دینا یا کام کرانا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھ سے کراتا ہے۔ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں بن جاتے ہیں۔ بے غرض جیتے ہیں۔ بے ارادہ چلتے ہیں۔ دوسروں کے پاس حرکت میں برکت ہے اور ان کے پاس سکون میں راحت ہے عزت ہے"۔

ابتلاء | فرمایا۔ یہ یاد رکھو کہ اگر کوئی خدائے تعالیٰ پر پورا بھروسہ اور اعتماد رکھتا ہے تو وہ اسے بغیر وسائل کے بھی دے سکتا ہے۔ توکل کرنے والے کے تمام کاموں کو خدائے تعالیٰ پورا کردیتا ہے۔ جہاں کوئی خواہش دل میں پیدا ہوئی خدا نے اس کو پورا کردیا۔ جب اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرماتا ہے کہ اس کے خیالات درست اور خدا پر اس کا اعتقاد قوی ہے اور بندہ اس کی فرمانبرداری کررہا ہے تو اب اس کا امتحان شروع ہوتا ہے۔ دنیا تمام دشمن ہوجاتی ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ مصائب، امراض، فاقے اور احتیاج میں مبتلا کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے اور الہام کرتا ہے کہ تم کو میری اطاعت کرنی چاہئیے نہ کہ مجھے تمہاری۔ بیوی عیش و عشرت اور اچھا کھانا مانگتی ہے۔ ایک طرف سے مفلسی آتی ہے اور ایک طرف سے امراض۔ یہ حالت بڑی ناگوار ہوتی ہے اور اس وقت صبر کی ضرورت ہے۔ تکالیف اور مصائب کو بادل ناخواستہ برداشت کرنے کا نام ہی تو صبر ہے۔ ان اللہ مع الصابرین اس زمانہ میں دل اور خیال کو نقطہ اعتدال پر رکھنا مردانِ خدا کا کام ہے۔ دیکھو پارہ ۱/۲ ۹۸ درجہ پر رہے، نہ کمی نہ زیادتی۔ زیادتی ہوجائے تو بخار، کمی ہوجائے تو ضعف و ناتوانی۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ سیدھا راستہ ایک ہی ہوتا ہے اور سب راستوں سے چھوٹا۔ اس پر جو گامزن ہوتا ہے مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔ ان اللہ یحب الصابرین۔ بندہ جب جب مصیبتوں کو برداشت کرلے اور دل پر کسی قسم کی گرانی نہ ہو، احکامِ الٰہی بلا انکار و کراہت قبول کرلے تو اس کا نام تسلیم ہے اور یہی بزرگوں کی تعلیم ہے۔

فرمایا" بندہ جب تکالیف برداشت کرنے کا عادی ہوجاتا ہے۔ اور احکام الٰہی کا عمل کرنا اس پر سہل ہوجاتا ہے اور ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرکے اس کا مزہ لیتا ہے جس طرح کڑوی افیون کھانے والا کھاتے کھاتے مزے لینے لگتا ہے اور اس کا لطف اٹھاتا ہے اس کا نام "رضا" ہے ورضوان من اللہ اکبر۔ خدا کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے"۔

فرمایا کسی نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ "میں تکلیف کو سیدھے ہاتھ سے اور راحت کو بائیں ہاتھ سے لیتا ہوں"۔ تو امام عالی مقام نے فرمایا" خدا ابوذرؓ پر رحم کرے میں تو رنج و راحت کو سب کو سیدھے ہاتھ سے لیتا ہوں"۔ یہ ہے مقام کلتا یمین اللہ یعنی خدا کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں۔

فرمایا" یہ غیر خدا سے مٹنے کے درجات تھے۔ اب خدا کی طرف چلنا ہے۔ یہ ذکر سے ہوتا ہے۔ یاد رکھو! سالک جب راہِ خدا میں قدم رکھتا ہے اور نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے اور ذکر و شغل کے ذریعہ تہذیب نفس کا خواہش مند ہوتا ہے تو اس کے دونوں دشمن یعنی شیطان اور نفس جو گھات میں بیٹھے ہیں اس کو راہِ حق سے پھیرنے اور عملِ خیر سے روکنے میں کوشاں ہوتے ہیں یہی خطرات ہیں۔

خطرات فرمایا۔ خطرے چار قسم کے ہوتے ہیں۔
پہلا خطرہ شیطانی ہے۔ اس کا کام ہے خدا سے بدعقیدہ بنانا۔ اس کی یاد سے روکنا اور لہو و لعب میں ایسا مشغول کردینا کہ خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہ کرسکے۔

دوسرا خطرہ نفس کا ہے۔ کھانا، پینا، پہننا، شادی کرنا، آرام سے رہنا ہی اس کا مقصد ہے۔ مگر نفس میں یہ بات بھی ہے کہ اچھی تربیت کرو تو اچھا بھی ہوجاتا ہے۔

گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے، پیٹھ پر ہاتھ رکھنے نہیں دیتا۔ بڑی مشکل سے اس کو سدھاتے ہیں تو پھر وہ لگن پر تمام کام کرتا ہے۔ آپ زبردستی کرکے پچھلی رات کو اٹھا کرو۔ چند روز کے بعد خود بخود نیند اچٹ جائے گی اور وہ کام کرنے کو تیار ہوجائے گا۔ شیطان اور نفس کے خطرات کی وجہ سے نفس امارہ پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا خطرہ ملکی ہے۔ وہ برائیوں سے روکتا ہے۔ بھلائی کو بھلائی اور برائی کو برائی دکھاتا ہے۔ یہ خطرہ ملکی ہے۔ اس کے بعد وہ (نفس) نفسِ لوامہ ہوجاتا ہے۔

چوتھا خطرہ خدا کے پاس کا ہے خطرہ رحمانی ہے۔ معارفِ الٰہیہ سے مالامال کردیتا ہے اس وقت وہ (نفسِ مطمئنہ) بن جاتا ہے۔
فرمایا۔ ایک بات یاد رکھو؛ خطرہ وہ ہے جو آئے اور چلا جائے۔ جب کسی چیز کا پختہ ارادہ کرلیتے ہیں وہ خطرہ نہیں رہتا بلکہ عزم ہوجاتا ہے۔ خطرہ قابلِ معافی ہے اور عزم ناقابلِ معافی۔ اگر ایک شخص نے کسی برے کام کا پختہ ارادہ کرلیا مگر کچھ واقعات ایسے مانع آگئے کہ اس کا ایسا ارادہ عملی صورت نہ لے سکا، یہ عزم ہے جو گناہ ہے۔ اس پر سزا ہوگی، مگر فعلِ بد سے کم۔ یوں تو صبح سے شام تک اچھے اور برے دونوں قسم کے خیالات آتے بھی رہتے ہیں اور جاتے بھی رہتے ہیں۔ ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ عزم پر باز پرس ہے نہ کہ خطرہ پر۔

دفعِ خطرات دفع خطرات کے سلسلے میں حضرت نے بعض مجرب طریقے بھی بتلائے ہیں جو درج ذیل ہیں۔
۱۔ جب خطرات کثرت سے آئیں تو حالت کو بدلو یعنی بیٹھے ہوئے ہو تو کھڑے ہوجاؤ۔ کھڑے ہو تو چلو یا بیٹھ جاؤ۔ اس کا اصلِ اصول حرکت ہے تبدیل حالت ہے۔

۲۔ جب تمہارے دل میں کوئی خطرہ آئے خیال میں اس سے بھاگو تھوڑی دیر میں خطرہ پیچھے رہ جائے گا۔ اور تم نکل جاؤ گے۔ اور اس سے رہائی پاؤ گے۔ یا خطرہ مجھ سے بھاگ رہا ہے عالم تخیل میں سمجھو۔ اس سے بھی خطرہ دفع ہوجائے گا۔
۳۔ ہوں ہوں بول کر سانس کو زور زور سے باہر کی جانب چھوڑو۔
۴۔ کوئی خطرہ آئے تو تم کہو کہ آپ ہم کو پریشان کریں گے تو پھر ہم کو پناہ کہاں ملے گی۔
۵۔ جب خطرہ آئے تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔ اچھا آپ تشریف لائے آپ لاکھ صورتیں بدل بدل کر آئیں تو کیا، میں ضرور آپ کو پہچانتا ہوں۔ اصلی وجود آپ ہیں۔

بد کون ہے اور نیک ہے کون ÷ تو در ہر شان باکمالی (حضرت صدیقی)
جس رنگ میں آؤ کچھ نہیں ہے پروا ÷ اس ناز و ادا سے تم کو پہچانتا ہوں (حضرت صدیقی)

۶ ۔ اس آیت کو پڑھنے سے بھی خطرات کم ہوتے ہیں ۔ ان یشا یذہبکم ویات بخلق جدید وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز ۔ یہ آیت نماز میں بھی پڑھی جائے تو نماز خراب نہیں ہوتی ۔

۷ ۔ قل کل من عند اللّٰہ پڑھنا ۔

۸ ۔ الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب پڑھ کر اللہ اللہ کا ضرب دل پر لگانا ۔

۹ ۔ یاقہار کے پڑھنے سے بھی وساوس جل جاتے ہیں ۔ مگر کسی سے اجازت لے کر پڑھنا چاہئیے ۔ ورنہ اختلاج ہوتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا ۔ فقیر اس نام پاک کو ایک کروڑ دفعہ سے زیادہ پڑھا ہے ۔

۱۰ ۔ یاخلاق یافعال یامصور یاقہار پڑھنا ۔

۱۱ ۔ اکثر لکھے پڑھے حضرات کو تخیلات کی بری عادت رہتی ہے ۔ اپنی ساری عمر کا اجمالاً آئندہ دو روز کا اقلاً تفصیلی نظام العمل دل میں تیار کرلینا چاہئیے ۔ جب تصفیہ شدہ مسئلہ کا دوبارہ خیال آجائے تو دل میں یہ کہنا چاہئیے کہ پہلے اس کا تصفیہ ہوچکا ہے ۔ بےفائدہ پھر وہی خیال کیوں آیا ؟

۱۲ ۔ جہاں کوئی خیال آئے کہ مجھے یہ چاہئیے اور میں اس امر کو اس طرح حاصل کروں گا تو فوراً اس کو دعا میں مبدل کرے اور کہے کہ ۔ یااللہ مجھے یہ چاہئیے میں اس کو اس طرح حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ تو وہ شئے مجھے عطا کر ۔ اور اس کے حصول میں تو میری رہنمائی کر ۔ بس جتنا سوچنا چاہتے ہو سوچا کرو ۔ تمہارے تخیلات دعا میں مبدل ہوجائیں گے ۔ دعا مخ العبادہ ہے (یعنی دعا عبادت کا مغز ہے) بھلا شیطان اس کو کیوں روا رکھے گا ۔ فوراً خطرات بند ہوجائیں گے ۔

شیطان کا مقصد تو یاد الہٰی سے روکنا اور تضیع اوقات اور بربادی عمر ہے ۔ فوراً وہ جھلا کر چھوڑ دے گا اور دوسری تدبیر سوچے گا ۔

۱۳ ۔ مگر سب طریقوں سے بہتر وہ طریقہ ہے کہ جس کی تعلیم خدا نے دی ہے اور وہ استعاذہ ہے ۔ استعاذہ دعا ہے اور دعا مخ العبادہ ہے ۔ بندے ہو تو اپنی کسی قوت پر اعتماد نہ کرو ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ ۔ اپنے مالک کی پناہ میں آجاؤ ۔ وہ تم کو بالکل کافی ہے ۔ وہی مستجیب الدعوات ہے ۔ وہی کافی المہمات ہے ۔ اس سے بغاوت اس کی عدول حکمی چھوڑ کر اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لوگے تو تم کو کون ستاسکتا ہے ۔ تم کو کون گمراہ کرسکتا ہے ۔ والذین جاھدوا فینالنھد ینھم سبلنا ۔

۱۴ ۔ فرمایا ۔ دفع خطرات میں یہ بھی ایک مجرب صورت ہے ۔ کیسا ہی بےضرورت خیال آئے ۔ بےوقت آئے ۔ مہمل سے مہمل خیال آئے ۔ موافق خیال کو ایمانی طور سے طلب کرو ۔ اور برے خیال سے بچانے کی دعا کرو ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ۔ ادعونی استجب لکم اور الدعاء مخ العبادۃ ۔

فرمایا ۔ ہمارے جمال اللہ نے یاد فراموش باندھا تھا ۔ آپس میں بیٹھے ہوئے بات چیت کرتے ۔ کام کاج کرتے ۔ ان میں سے ایک صاحب ۔ اللہ ۔ پکار کر بولتے ۔ جن کا دل حاضر ہے وہ الحمد للّٰہ کہتے ۔ جن سے فراموشی ہوئی ہے وہ کہتے استغفر اللّٰہ ۔ اس یادِ فراموش کے معاہدہ سے نہ صرف دوام حضور کو مدد ملتی ہے ۔ بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے تمہارا کام للّٰہ فی اللّٰہ ہوجاتا ہے ۔

۱۵ ۔ فرمایا ۔ دیکھو ! ایک اور چیز ہے قسم قسم کے کھانے نہ کھاؤ ۔ یہ کھانے کی رنگا رنگی خیالات میں پراگندگی لاتی ہے ۔ مرکب کھاؤ گے تو توحید کہاں سے پاؤ گے ۔ ایک خدا کے بندے کے سامنے جو ہمیشہ ابلے ہوئے گولر سے افطار کرتے تھے ۔ ان کے کسی دوست کی

خاطر ابلتے وقت تھوڑا سا نمک ڈالدیا گیا۔ جب ان کے سامنے پیش کیا گیا، چکھتے ہی پھینک دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہا جس کی زبان کو یہ مزہ لگا ہو وہ خدا کی کیا یاد کرے گا۔

۱۹۔ فرمایا - آخر ان خطرات کو کس طرح دفع کیا جاسکتا ہے؟ دفع خطرات کے سلسلے میں ایک اہم اصول، نظر برقدم، خلوت درانجمن ہے۔ ہمیشہ نیچی نگاہ رکھو، ادھر ادھر نہ دیکھو۔ انسان کی صورت میں بڑی دلکشی ہے۔ جس کو دیکھو گے اس کی صورت آنکھوں سے مَن میں آجائے گی۔ چوطرف دیکھتے رہو گے تو دل پریشان ہوجائے گا۔ خاطر جمعی کہاں سے حاصل ہوگی۔ انسان کی صورت آفت ہے۔ قیامت ہے فقراء کہتے ہیں انسان کا سر تصویر رحمنٰ ہے۔ سبع صفات اسی میں ہیں۔ علم اس میں ہے۔ سب تو سب انس و محبت اسی میں ہے۔ یہ آنکھیں بڑی شکاری ہیں۔ یہ سرخ ڈورے کیا ہیں کہ ایک جال ہے کہ بچھا ہوا ہے۔

صید کرتی ہیں یار کی آنکھیں ÷ لال ڈورے ہیں بندِ پائے نظر

چند روز اپنی نظر کی حفاظت کرو اور دوسروں کی نظر سے بچو۔ جب دل ایک نقطہ پر قائم ہوجائے گا، حقیقت سامنے آجائے گی۔ پھر کوئی چیز ضرر رساں نہ ہوگی۔ غیریت نہ رہے گی تو پریشانی کیونکر آئے گی۔ جس کو دیکھو گے عینیت کی عینک سے دیکھو گے۔ سنریھم اٰیتنا فی الافاق وفی انفسھم۔

چلہ کشی و اعتکاف فرمایا ابتدائے وحی کے زمانے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم "غار حرا" میں تشریف رکھتے اور ایسا توشہ ساتھ لے جاتے جو آٹھ آٹھ دن خراب نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آٹھ دن تک خراب نہ ہونے والی چیز گوشت گھی کی نہیں ہوسکتی، اس سے ترکِ حیوانات جلالی و جمالی نکلتا ہے۔

چلہ کیا ہے؟ اعتکاف ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں اعتکاف بیٹھتے تھے۔ حضرتؐ کی بعض بیویاں بھی اعتکاف بیٹھتی تھیں۔ ہمارے بعض بزرگ حالتِ اعتکاف میں صوم مریم بھی رکھتے ہیں۔ یعنی دن بھر بحالت روزہ کسی سے بات نہیں کرتے۔ ذکریا علیہ السلام بھی اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اور مقبولیت کے واسطے کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں یہ بھی ہے کہ چالیس راتوں تک موسیٰ علیہ السلام اپنے بعض اصحاب کے ساتھ چلہ بیٹھے تھے۔ و اذ واعدنا موسٰی اربعین لیلۃ اسی سے اعتکاف کے لئے چلہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

بعض حضرات ایک ہفتہ دو ہفتے، تین روز بھی اعتکاف بیٹھتے ہیں اعتکاف ایک دن کا بھی ہوسکتا ہے۔ اعتکاف کے لئے حنفی مذہب میں روزہ رکھنا اور مسجد میں ہونا ضروری ہے۔ شوافع کے پاس تو تھوڑی دیر کے لئے بھی اعتکاف ہوسکتا ہے۔ مسجد میں سب جاتے ہیں گھنٹہ دو گھنٹے کے لئے۔ اعتکاف کی نیت کرلیں تو اس میں کیا برائی ہے۔

اعتکاف میں آدمی ہمہ تن عبادت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور اس کا خیال ایک نقطہ پر قائم ہوجاتا ہے۔ کامل توجہ عبادت کی جان ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی خدا کے خاص بندے دو تین مہینے اعتکاف میں گذارتے ہیں اور صوم مریم بھی رکھتے ہیں۔ منتشر خیالات سے اور بغیر دل جمعی کے عبادت کرنے سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا۔ بہر حال فرشتوں سے مشابہت پیدا کرنا یعنی باتیں نہ کرنا، کم سونا، حیوانی غذاؤں سے پرہیز کرنا۔ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنا خیر و برکت کا باعث ہے۔

تصورِ شیخ فرمایا - حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ، ہند ابن ہالہ کے پاس تشریف لے گئے ۔ ان سے پوچھا کہ ماموں ! ماموں ! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ کیسا تھا فرمائیے تاکہ آپ کے تصور سے میں وابستہ ہوجاؤں امام کے الفاظ ہیں ۔ لاَ تعلق بہ ۔ شیوخِ طریقت کے پاس تصورِ شیخ بڑی اہمیت رکھتا ہے "۔

فرمایا - ہمارے پاس بہترین طریقہ شیخ کا تصور ہے اس سے رسولؐ اللہ پھر اللہ کی سیر ہوتی ہے ۔ میں شیخ ہوگیا ، شیخ رسول اللہ کی شکل میں آگئے رسول اللہ ، اللہ کی صورت میں ہوگئے ۔ پھر اللہ میاں ، رسول اللہ کی صورت میں آگئے ۔ اور رسول اللہ شیخ کی صورت میں اور شیخ میری صورت میں ۔ اور اس کو صعود و نزول کہتے ہیں ۔

فرمایا - شیر کے تصور سے ہیبت ، عورت کے تصور سے محبت پیدا ہوتی ہے ۔ آدمی کو عورت ہی کے تصور سے احتلام ہوتا ہے دیکھو ! انسانی جسم پر خیال کا کتنا بڑا اثر ہوا ۔ مرشد کا تصور آئے گا تو ادب اور دلجمعی کو اور ان اسرار کو جو مرشد میں موجود ہیں لے کر آئے گا ۔ اور اس سے عظیم الشان فائدہ ہوگا ۔ مرشد عالم شہادت کا ہے ۔ ناسوت کا ہے ۔ اسی کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں ۔ اس کی صورت کا جم جانا آسان ہے ۔ تصور شیخ سے عالم مثال جلد کھلتا ہے ۔

فرمایا : " بعض نادان تصور شیخ کو شرک ، کفر خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں ان نادانوں کو عبادت کے معنیٰ بھی معلوم نہیں ۔ عبادت خدا کی ہوتی ہے ۔ واجب تعظیم حضرات کی تعظیم ہوتی ہے نہ کہ عبادت "۔

فرمایا بعض لوگ جن کو شیخ کا تصور بہ سہولت نہیں جمتا ان کو جو صورت نظر آئی سمجھتے ہیں کہ شیخ ہی کی صورت ہے ۔ یہ شیخ کا انبساط وجود ہے نادانوں کی سمجھ میں آئے نہ آئے ہم کو اپنا کام کرنا چاہئیے ۔

آئینِ محبت ہے عشاق کی عادت ہے ÷ ہر ایک کی سن لینا اور دل کا کہا کرنا

فرمایا - ایک بات یاد رکھو کہ لفظ کے ساتھ معنیٰ اور معنیٰ کے ساتھ مصداق اور مصداق کے ساتھ خیال آتا ہے ۔ دوست کا نام سنو گے تو خوشی کا جذبہ پیدا ہوگا ۔ اور دشمن کا نام لیں گے تو غصہ کا جذبہ پیدا ہوگا ۔ اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم کا فرد اعلیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ تو ان کا خیال ان کی صورت ضرور ذہن میں آئے گی ۔ اسی طرح السلام علیک ایھا النبی کہیں تو ضرور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اور صورت ذہن میں آئیگی ۔ ایک ظالم گستاخ لکھتا ہے کہ نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا زنا اور چوری کے خیال سے بدتر ہے ۔ قبر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دکھائی جاتی ہے اور مسلمانوں کے لئے نور ایمان اشارہ کردیتا ہے کہ یہ تو تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اگرچہ وہ حلیہ مبارک سنا بھی نہ ہو ۔ مگر دل کی تصدیق اور حضرت کی محبت چراغ معرفت اور ہدایت ہوجاتی ہے ۔ حضرتؐ کو دنیا میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دیکھا اور ابو جہل نے بھی ۔ حضرت ابوبکر صدیق کو کبھی شک نہیں آیا اور ابو جہل کو کبھی یقین نہیں آیا ۔ ایمان اور دلی محبت بہت بڑی چیز ہے ۔ اس سے یقین کا ہونا لازم ہے اللہ ہم کو ایمان اور یقین صادق عطا کرے ۔ آمین "۔

فرمایا - شیخ کے تصور سے مقصود خیال کا ایک نقطہ پر قائم ہونا ہے حسبِ ذیل اذکار سے بھی فائدہ ہوتا ہے ۔ یاعلیم یاخبیر یاسمیع یابصیر جب علیم پڑھو تو ام الدماغ کی طرف توجہ کرو کیونکہ وہی مرکز علم ہے ، تاکہ عالم بالا کا علم تمہارے دل میں جاگزیں ہو ۔ یاخبیر پڑھو تو اپنے دل کی طرف یا وسط سینہ کی طرف متوجہ ہو ، تاکہ تم کو ساری دنیا سے باخبری ہوجائے ۔ اور یاسمیع پڑھو تو اپنے

دونوں کانوں کی طرف توجہ کرو ، تمہاری باطنی سماعت قوی ہوجائے گی ۔ اور عالم علوی سے کیا بات آتی ہے اسے سنو گے ۔ نہ صرف یہ بلکہ تمہاری ظاہری سماعت بھی قوی ہوجائے گی ۔ اور جب یا بصیر پڑھو تو آنکھوں پر زور ڈالو اور کھولو تو وہ دیکھو گے جو اب تک دیکھے نہ تھے ۔ بے صورت مثالی برقعہ پہن کر تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا ۔ لوگوں کے خطرات سے واقف ہوجانا اور دور دور کی چیزیں دیکھنا تو یہ سب تو ادنیٰ درجہ کی باتیں ہیں "۔

فرمایا " تصور جمانے کے وقت یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک تیز روشنی سرچ لائٹ کے جیسی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جارہی ہے ۔ شیخ کے دل میں سے میرے دل میں پہنچ رہی ہے ۔ اسی روشنی کو پوری توجہ سے اپنے دل کی طرف کھینچو ۔ ان کو نرے خیالات مت سمجھو یہ باب فتوح ہے ۔ ترقی کرتے ہیں تو عجیب و غریب تماشے دکھاتے ہیں ۔ بے صورت کی صورت سامنے آجاتی ہے ۔ عالم مثال کھل جاتا ہے ۔ خیال اور قوی ہوتا ہے ۔ تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں شیخ کی صورت میں ہوں ۔ اپنا خیال کرتا ہے تو شیخ کی صورت نظر آتی ہے ۔ ظاہر پر بھی اتنا اثر پڑتا ہے کہ مرید کی صورت و شکل میں شیخ کی جھلک معلوم ہوتی ہے ۔ دوسرے لوگ بھی اس کے شیخ کی جھلک کو محسوس کرتے ہیں ۔ آواز بھی ملتی جلتی ہوجاتی ہے ۔

میں کہوں میں تو زباں سے مری تو ہی نکلے ؛ میں نظر جس پہ کروں تو ہی مرا ہو منظور (حسرت صدیقی)

فرمایا " جب انسان ذکر و شغل کرنے لگتا ہے ، اب کیا دیکھا ؟ مرشد کو اور مرشد کے کمالات کو دیکھا اور ان سے متاثر ہوکر مرشد کے کمالات حاصل کیا ۔ اس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں ۔ اس درمیان میں مرشد کیا کرتا ہے خود جس طرح اللہ کو اور اللہ کے رسول کو سمجھا ہے مرید کو بھی سمجھاتا ہے ۔ مگر نادان مرید سمجھتا ہے میں نے اللہ اور اس کے رسول کو دیکھا ۔ بے شک تم نے دیکھا مگر مرشد کی آنکھوں سے نہ کہ اپنی ۔ پھر ان میں سے بعض ایسے حضرات ہوتے ہیں اپنا مرشد جتنا دکھایا تھا وہ دیکھنے کے بعد اللہ و رسول کے ساتھ اپنا ذاتی رابطہ خاص بھی رکھتے ہیں ۔ جیسے غوث پاک اے معروف کرخی میں تم سے دو درجہ آگے بڑھ گیا ہوں "۔

فرمایا " ایک آدمی نے مرشد کے کمالات کو دیکھا اور مرشد کو مرشد سمجھ کر ، یہ " سیر للشیخ فی الشیخ " ہے یعنی شیخ کو شیخ میں دیکھا ۔ پھر مرشد کی عنایت سے رسول پاک کو دیکھا اور مرشد کی عنایت سے اللہ کو بھی دیکھا تو یہ سیر لرسول اللہ فی الشیخ اور سیر للہ فی الشیخ ہے "۔

فرمایا " لرسول اللہ فی رسول اللہ ، للہ فی رسول اللہ " یہ بڑے شیوخ غوث پاک وغیرہ سے خاص ہے ۔ میرا شیخ اتنا بڑا ہے میں فی الشیخ میں ہی رہتا ہوں ۔ لرسول اللہ بھی ہے للہ بھی ہے ۔ یہ سب شیخ میں ہے "۔

فرمایا " فنافی اللہ دیکھنے کو فی اللہ ہے حقیقت میں فنافی الشیخ ہے مگر للہ ۔

فرمایا " میں نے تو یہاں تک دیکھا وہ لوگ فنافی الشیخ ہوگئے ہیں ان کی جسمانی صورت بھی شیخ سے ملنے لگتی ہے ۔ چلتے پھرتے ہیں تو لوگوں کو شیخ کی جھلک معلوم ہوتی ہے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فنائیت کی حالت میں حضرت کے صفات ، صورت شکل ، چلنا پھرنا ، آواز سب آجاتے ہیں ۔ یہ ہیں فنافی الرسول کے معنی ۔ اور آدمی اس وقت فنافی اللہ ہوتا ہے جب خدا کے سوائے کسی کا خیال باقی نہ رہے ۔ یہ بے ہوشی کی حالت ہے ۔ اس کے بعد تمام کھوئی ہوئی چیزیں مل جاتی ہیں اور نسبت الی اللہ سے غفلت نہیں ہوتی ۔ جب اور ترقی ہوتی ہے اور شیخ سے گذر جاتا ہے تو سیر للرسول فی الرسول نصیب ہوتی ہے ۔ اور آگے بڑھتا ہے تو سیر للہ فی النبی ہوتی ہے ۔

نبی کے توسط سے تجلیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے ۔ اور یہ ان بزرگوں سے متعلق ہیں جو اپنے شیوخ طریقت سے آگے بڑھ جاتے ہیں ۔ ایک رہ گیا سیر للہ ، فی اللہ ، من اللہ ، الی اللہ ۔ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم سے خاص ہے ۔ بعض دفعہ اچھی عینک کی طرح حضور شفاف ہوکر اللہ کو دکھا دیتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ میں راست خدائے تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں ۔

میں یہ عینک لگا کر جس کو چاہوں دیکھ لیتا ہوں ÷ اگر اس آنکھ پر عینک نہ ہو پھر نور ظلمت ہے

نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا کبھی یہ بیچ سے پردا ÷ تو اے نورِ خدا بے شک حجاب روئے وحدت ہے (حضرت صدیقی)

فرمایا ۔ ایک جگہ شیخ محی الدین ابن العربی نے لکھا ہے کہ رسول پاک جہاں سے لیتے ہیں میں بھی لیتا ہوں ۔ اس بات سے ایسا مطلب نکلتا ہے کہ بیچ میں سرکار کا واسطہ نہیں رہتا ۔ شیخ کس چکر میں آئے سمجھے ؟ سرکار صلی اللہ علیہ و سلم نے شفاف ہوکر اللہ کے جلوے دکھائے تو شیخ نے سمجھا کہ وہ بغیر سرکار کے توسط کے راست دیکھ رہے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا کہ " شیخ ایسا کہتے ہیں تو میں بھی کہتا ہوں ۔ میں بھی وہیں سے لے رہا ہوں جہاں سے آپ (شیخ) لے رہے ہیں مگر اس علم کے ساتھ کہ عینک کے توسط سے ہی نظر آتا ہے ۔ مگر ہر وقت عینک تصور میں نہیں رہتی "۔

فرمایا ۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے جب کہ میرے مرید نہیں تھے ۔ جتنی تربیت کرنا تھی سید عمر صاحب (یعنی حضرت کے چھوٹے ماموں) کے مریدوں کی تربیت کرتا تھا ۔ اس وقت مجھے بچے (مرید) نہیں تھے تو دوسروں کے بچوں کو پال لیتا تھا ۔ ان کو میں نے یہ سمجھایا کہ دیکھو میاں ، محمد صلی اللہ علیہ و سلم کا واسطہ دور نہیں ہوسکتا سب پردے اٹھ جاتے ہیں مگر یہ پردہ عینک بن جاتا ہے ۔ تو ایک صاحب نے خواب میں سرکار صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھا اور عرض کیا " یارسول اللہ مجھے اللہ کی صورت بھی بتادیجئے " فرمایا " اوپر دیکھو " دیکھا تو ایک تجلی ہوئی ۔ دیکھ کر عرض کیا " سرکار آپ تو اللہ کو دکھا دیئے ۔ مگر عبدالقدیر کہتے ہیں کہ کوئی آپ کے بلا توسط خدا کو نہیں دیکھ سکتا " ۔ تو سرکار نے فرمایا " جب تو نے اوپر دیکھا تو تو نے مجھے کب دیکھا (یعنی میں عینک بن گیا) اور جو عبدالقدیر نے کہا بہت صحیح کہا "۔

توجہ اور تموج فرمایا ۔ شیر جب ہرن کو گھور کر دیکھتا ہے اور زور زور سے دھاڑتا ہے تو ہرن چوکڑی بھول جاتی ہے ۔ چوہے کو بلی گھور کر دیکھتی ہے تو چوہا اچھلنا کودنا بھول جاتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں میں بھی ایک حد تک قوت ارادی ہے اور انسان تو قوت ارادی میں سب سے ممتاز ہے ۔ ہر ایک انسان سے اس کے خیالات کا تموج آتا رہتا ہے ۔ جو اس تموج میں آجاتا ہے تو وہ متاثر ہوجاتا ہے ۔ اپنی قوت ارادی کو استعمال کرنے کا نام توجہ ، تصرف ، ہمت اور القاء ہے "۔

فرمایا ۔ قوت ارادی کو ترقی دینے کے لئے ضرور ہے کہ اپنے خطرات کو روک کر ایک نقطہ پر خیال کو قائم کردیں ۔ قوتِ ارادی کا استعمال کرنا کچھ نیکوں سے خاص نہیں بُرے بھی برائی کا القاء کرتے ہیں ۔ نیک و بد کا مقابلہ ہوتا ہے تو یقین یقین سے لڑتا ہے جس کا یقین قوی ہوتا ہے وہ موثر اور ضعیف متاثر "۔

فرمایا ۔ القاء اور توجہ نیک و بد دونوں کرتے ہیں مگر نیک ، ارواحِ طیبہ سے اور اسمائے الٰہی سے اور آیاتِ قرآن سے مدد لیتے ہیں ۔ پھر اس کا اثر دوسروں پر ڈالتے ہیں ۔ کسی عالی ہمت کا کسی دعا یا اسم الٰہی کو دوسرے کو دینا یا اس کی اجازت دینا اثر پیدا کرتا ہے ۔ ایک نام کو خالی پڑھنا اور ہے اور اجازت سے پڑھنا اور ۔ ایک صاحب نے مجھے چند خاص کلمات کو پڑھنے کی اجازت دی اور کہا یہ کلمات پڑھ کر کانچ پر

پھونکو اور چباؤ ۔ میں نے بھی چبایا اور دوسروں کو بھی دیا مگر کسی کو اس سے نقصان نہ ہوا ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے سے لگایا اور دعا کی خدایا اس کو قرآن شریف کی تعلیم عطا کر وہ پہلے مفسر اور تمام تفسیر قرآن کرنے والوں کے سردار بن گئے ۔

حضرت ابوہریرہؓ احادیث سنتے اور ان کو یاد نہ رہتے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اپنا رومال بچھاؤ اور اس پر آپ نے اپنی توجہ شریف ڈالی ابوہریرہؓ نے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگالیا ۔ ان کا حافظہ قوی ہوگیا اور احادیث ان کو یاد رہنے لگے "۔

حضرت (عبدالقدیر) کسی کو بخار ہو یا آسیب ہو تو فرمادیتے بخار کو جاؤ بولو ، شیطان سے کہتے کہ نہ ستاؤ اور چلا جائے ۔ بخار فوراً اتر جاتا اور شیطان دفع ہوجاتا (حضرت کی توجہ کی بدولت) ۔ شیطان اور آسیب زدہ حضرت کو آنکھ کھول کر نہیں دیکھ سکتا تھا ۔ اگر دیکھ لیتا تو شیطان بھاگ جاتا اور آسیب زدہ اچھا ہوجاتا ۔

فرمایا " قوتِ خیال جس کی قوی ہوتی ہے تو ناسوت اور اہلِ دنیا اس کو نظر آجاتے ہیں اور متعدد مقامات میں بھی دوسروں کو وہ نظر آجاتے ہیں ۔ مختلف شکلوں پر لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور بڑے بڑے تصرفات کرتے ہیں ۔ توجہ اور قوتِ ارادی کو بزرگ لوگ بھی استعمال کرتے ہیں ۔ اور ہپناٹیزم والے بھی اپنی توجہ اور اٹنشن سے دوسروں کو بے ہوش کردیتے ہیں اور اپنا معمول بنالیتے ہیں یعنی خود عامل ہوتے ہیں اور دوسرا معمول ۔ اس حالت میں معمول کو عالم مثال سے ایک قسم کا موقتی تعلق پیدا ہوجاتا ہے ۔ اس سے پوچھتے ہیں فلاں کہاں ہے ؟ اور کیا کر رہا ہے ؟ معمول جواب دیتا ہے ۔ طاقت ور اور قوتِ ارادی رکھنے والے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ قوی الارادہ شخص ضعیف الاعتقاد شخص پر خوب اثر کرتا ہے اور اس کے خیالات کو اپنے خیالات کا تابع بنالیتا ہے ۔ ایسے شخص کی قوتِ ارادی بالکل شخصی ہے اور اس کے نفس سے اٹھی ہے ۔ بزرگانِ دین اپنے مرشد سے ، علیٰ ہذاالقیاس آخر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپؐ جل جلالہ سے لیتے ہیں ۔

ملی ہے عرش کی زنجیر سے زنجیرِ میخانہ (حسرت صدیقی)

ان بزرگوں کا مقصد نہ حکومت ہے نہ پیسہ ٹکا حاصل کرنا ۔ جیسا ہپناٹیزم والے کرتے ہیں ۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ میرا مرید اچھا ہوجائے اس کے خیالات پاکیزہ ہوجائیں ۔ اس کی ساری محنت للہ ہوتی ہے ۔ مگر یہ سب لوگ توجہ ، ہمت اور ذاتی ارادہ رکھنے والے ہیں ۔ ان کے سوائے دوسرے اور لوگ بھی ہیں جو کسی پر خاص توجہ نہیں کرتے ۔ سمجھو ! ایک انگیٹھی عشق و محبت کی سلگی ہوئی ہے اس کے ارد گرد جتنے لوگ ہیں سب کو گرمی پہنچ رہی ہے ۔ یا ایک مشعل ہے جس سے سب کو روشنی حاصل ہو رہی ہے ۔ یہ لوگ تموج والے ہیں ، ویبریشن والے ہیں ۔ یہ صحبت صالح ترا صالح کند کے مصداق ہیں ۔ استاد کے خیالات شاگرد کے خیالات کو فنا کردیتے ہیں ۔ ایک شخص نے ایک کنکر کو پانی میں ڈالا ۔ اس سے پانی میں ایک حلقہ یا دائرہ پیدا ہوا ۔ اس وقت دوسرے نے ایک بڑے پتھر کا گولہ پانی میں پھینکا کیا ہوگا ؟ کنکر کے موج کا دائرہ فنا ہوجائے گا اور گولے کے موج کے دائرہ میں مدغم ہوجائے گا یعنی مرید فنافی الشیخ ہوجائے گا ۔

فرمایا " یہ سب باتیں کیا مشائخوں کی دکالی ہوئی ہیں ؟ بدعت ہیں ؟ اختراعات ہیں ؟ بدعت آتی ہے وہابیوں کے پاس ۔ بزرگوں کے جتنے کام ہیں سب نسبت سے ہیں ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اپنے سینے سے لگا کر زور سے دبایا ۔ حضرت عمرؓ کانپنے لگے ۔ اسلام کامل ہوگیا ۔ ایک صاحب کے دل میں وساوس بہت آتے تھے ۔ آپؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا وہ پسینہ

پسینہ ہوگئے اور ان کے تمام خطرات کافور ہوگئے ۔ ایک صاحب کا حافظہ اچھا نہیں تھا ۔ فرمایا ۔ دامن پھیلاؤ اور دونوں دست مبارک سے کچھ دینے کا اشارہ فرمایا انھوں نے اپنے دامن کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور حافظہ درست ہوگیا ۔ احادیث یاد رہنے لگے سب سے زیادہ حدیث کی روایت کرنے والے بن گئے ۔ (یہ توجہ کی مثال ہے ۔ للمؤلف)

لوگ عرض کرتے آپ کی صحبت میں جب تک آ بیٹھتے ہیں ادھر ادھر کا کوئی خیال نہیں آتا ۔ جب اپنے گھر جاتے ہیں تو وہی روزاول ۔ فرمایا ۔ اگر یہ حالت دائمی ہوجائے تو فرشتے آکر تم سے مصافحہ کریں ۔ یہ تموج کی مثال ہے ۔ یہاں دینے دلانے کی بحث نہیں ہے ۔ یہاں بے مانگے ملتا ہے "۔

فرمایا ۔ تم کسی اچھے کے پاس بیٹھو گے تو تم بھی اچھے ہوجاؤ گے ۔ برے کے پاس بیٹھو گے تو ان کی برائی کے تموج سے تم بھی خراب ہوجاؤ گے ۔ صحبت طالع ترا طالع کند " سمجھے یہ من الجنۃ والناس میں کے ناس ہیں ۔ شیطان سے بچنے سے زیادہ ان سے بچنے کی اہمیت ہے ۔ بعض کا مقولہ ہے النساء حبائل الشیطان ۔ یعنی عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں ۔ جب اپنی نہیں چلتی تو اپنی رسی پھینکتا ہے اور اس سے باندھ کر کھینچ لیتا ہے "۔

فرمایا ۔ کب تک دنیا اور اس کے فوائد حاصل کرنے کی کوشش ؟ تم کو خدا سے کچھ انس نہیں ہے ؟ کچھ محبت بھی ہے ؟ کبھی تم نے ہمہ تن متوجہ ہوکر خدا کو یاد بھی کیا ہے ؟ اس کا ذکر بھی کیا ہے ؟ جب تک پانی بلتا رہتا ہے اس میں کسی کی صورت نظر نہیں آتی ۔ پانی ٹھیرے گا تو تمہاری صورت بھی نظر آئے گی اور تمہارے دوست کی بھی ۔ جس کا دل و دماغ پراگندہ ہو ، مختلف خواہشات میں پھنسا ہوا ہو اس کو محبوب کی صورت کس طرح دکھے گی ۔ یاد رکھو ! خوب سمجھو ! جب بیقرار پارہ قائم النار ہوجاتا ہے تو چاندی ہوجاتا ہے ۔ اس کو رنگنے والا رنگ دیتا ہے تو سونا ہوجاتا ہے ۔ تم بھی سونا بنو ، چاندی بنو ، یہ بھی نہ ہوسکے اور پارہ ہی رہو تو کسی کانچ کے شیشے کو لپٹو ، آئینہ بن جاؤ گے ، خود کو بھی دیکھو گے دوسروں کو بھی دکھاؤ گے "۔

لطائف فرمایا ۔ بزرگانِ دین کے اقوال میں قلب ، نفس ، روح ، سر ، خفی ، اخفیٰ کے الفاظ بکثرت مستعمل ہیں ۔ اور اس قدر مختلف معانی میں مستعمل ہوتے ہیں کہ تعین معنیٰ مشکل ۔ ان کے مقام بتلانے میں بھی کچھ کم اختلاف نہیں "۔

فرمایا ۔ نقشبندیوں میں بھی دو حضرات ہیں ۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

۲ ۔ حضرت سید آدم بنوریؒ یہ لوگ کیا کرتے ہیں ۔ ہر چیز کا ایک مقام تعین کرتے ہیں ۔

۱ ۔ حضرت شیخ احمد ہندیؒ فاروقی کے قول کے مطابق قلبؔ : پستان چپ کے دوانگشت نیچے ہے ۔ قلب کا نور زرد رنگ کا ہے ۔ آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے ۔ جس کا قلب (دل) ذاکر ہے اس کو آدمی الشرب کہتے ہیں ۔

روحؔ پستانِ راست کے دوانگشت نیچے ، تحتِ قدم ابراہیم علیہ السلام ہے رنگ نور سرخ ہے ۔

سرؔ قلب سے دوانگشت اوپر مائل بجانب وسط تحتِ قدم موسیٰ علیہ السلام ہے رنگ نور سفید ہے ۔

خفیؔ روح سے دوانگشت اوپر مائل بجانب وسط تحتِ قدم عیسیٰ علیہ السلام ہے رنگ نور سیاہ ہے ۔

اخفیٰؔ اوسط سر تحتِ قدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے رنگ نور سبز ہے ۔

نفسؔ ان سب لطائف کے مجموعہ کا نام ہے ۔ مقام پیشانی ہے ۔

۲۔ حضرت سید آدم بنوریؒ کے قول کے مطابق قلبؔ : تو دل ہے اس کے نور کا رنگ سرخ ہے۔

روحؔ جس کا محل جگر ہے۔ جانب راست ہے۔ نور کا رنگ سفید ہے۔

نفسؔ اس کا مقام ناف ہے رنگ نور خاکستر گوں ہے۔

خفیؔ کا مقام پیشانی ہے۔ رنگ نور سیاہ ہے

سر کا مقام شش ہے۔ پھیپڑا جو وسط سینے سے ذرا بلند ہے رنگ نور سبز ہے۔

اخفیٰ وسط سر، ام الدماغ، رنگ نور بے رنگ ہے۔ بعض قادری بھی ان ہی لطائف پر ضرب دیتے ہیں۔

فرمایا۔ اخفیٰ کا مقام سب سے آخر کا ہے۔ ہندوؤں کے رشی یہ کہتے تھے کہ اس میں سے فیض جاری ہوتا ہے۔ جیسے گنگا ہے کہ بہ رہی ہے۔ تو وہ بیوقوف، مہادیو کے سر میں سے گنگا کو بہتا ہوا سمجھ رہے ہیں۔

اور یہ پیشانی میں نفس کا لطیفہ ہے تو اس پیشانی میں حافظہ کی بھی جگہ ہے ہندوؤں کے پاس اتنی ترقی نہیں۔ البتہ ایک رشی نے کہا ہے میری آنکھ کے اوپر ایک آنکھ ہے اس سے سب نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب اعلیٰ درجہ کی بصیرت تھا مگر ہندوؤں نے پیشانی پر آنکھوں کی علامت بنائی۔

رامچندر جی کی تصویر کھینچی ہے۔ ان کی ناف میں کنول نکلا ہوا ہے۔ اور اس پھول میں سے دیوی نکلی (مراد تجلی) تو اس کا مطلب تھا حلال اور جائز کھاؤ تو بہت نور ہوجاتا ہے۔ اور اللہ کی تجلی ہوجاتی ہے۔

فرمایا۔ ارسطو کا خیال ہے اصل نطفہ پر ایک نقطہ پڑتا ہے۔ وہ نقطہ دماغ کا ہے۔ جالینوس کا کہنا ہے کہ تین نقطے پڑتے ہیں۔ دماغ۔ قلب اور جگر۔

حضرت امام غزالی نے ان تمام جھگڑوں میں پڑے بغیر انسان کی تین قوتیں قرار دیں۔ ۱۔ قوتِ غضبی ۲۔ قوتِ شہوی۔ ۳۔ قوتِ عقلی۔

قوت غضبی، قلب سے تعلق رکھتی ہے۔ قوتِ شہوی کا مرکز جگر ہے۔ قوتِ عقلی کا مرکز دماغ ہے۔

قوتِ غضبی مہذب ہوکر بجائے ظلم کے جہاد اور حق اللہ کے قیام میں کوشش کا باعث ہوتی ہے۔ قوتؔ شہوی مہذب ہوکر حرام کھانے، شہوت رانی کے بجائے حلال کھانے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ قوتؔ عقلی مہذب ہوکر مکاری اور دھوکہ دہی کے بجائے غیر خدا کے خیال کو نکالتی ہے اور علمی شوق پیدا ہوجاتا ہے۔

قلب سے متعلق نفس سلوی۔ نفس سے متعلق نفسِ بہیمی۔ اور دماغ سے متعلق نفسِ ملکی، بس ان کے پاس یہ تین لطیفے ہیں۔ ذکر اور شغل کرنے کے بعد یہ تینوں قوتیں احکام شرعی کے مطابق ہوجاتی ہیں۔ پھر یہی تین قوتیں سر، خفی اور اخفیٰ کہلاتی ہیں۔ پہلے قوتِ غضبی فنا ہوتی ہے پھر قوتِ شہوی پھر قوتِ عقلی یہ تینوں قوتیں فنا ہوجائیں تو رہا کیا؟ جو رہنے والا ہے وہ رہے گا۔ جو نہیں رہنے والا ہے نہیں رہے گا۔ یعنی باقی، باقی رہے گا اور فانی فنا ہوجائے گا۔

حضرت مولانا جامیؔ اور حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے خیال کے مطابق اگر خواہشاتِ نفسانی غالب ہیں تو یہ نفس ہے۔ اگر کبھی نفسانی خواہشات رہیں اور کبھی نہ رہیں تو وہ قلبؔ ہے۔ اگر اچھے کا غلبہ ہے تو وہ روحؔ ہے۔ اگر خواہشات کو بھی چھوڑ کر ذاتِ حق کی

طرف متوجہ ہوجائے تو یہ بہتر ہے ۔ اگر اپنی طرف سے منہ موڑ کر سر مذکور کا خیال رہے تو یہ خفی ہے ۔ اگر درمیان سے ہی ذکر اٹھ جائے نہ ذاکر کا خیال نہ مذکور کا خیال تو یہ اخفیٰ ہے ۔ لطائف کی اصلاح کا نتیجہ کیا ہوگا ۔

میں کہوں میں تو زباں سے مرے تو ہی نکلے ÷ میں نظر جس پہ کروں تو ہی مرا ہو منظور

مری ہر سانس میں جاری نفسِ رحمانی ÷ مرا ہر لفظ بنے شرحِ کتابِ مسطور (حضرت صدیقیؒ)

فرمایا " ان ہی قوتوں سے مختلف جذبات و خصائل پیدا ہوتے ہیں ان ہی جذبات کو اعتدال پر رکھنا ان کی تہذیب ہے ۔ اور یہی تہذیبِ شرع کا مقصد ہے ۔ ان قوتوں کے ناقص ہونے یا حد سے گزرنے سے رذائل اور اعتدال پر رہنے سے فضائل پیدا ہوتے ہیں "۔

فرمایا " بعض لوگ معدہ کو بھی قوتوں کے مخزن میں قلب و جگر و دماغ کے ساتھ مقام دیتے ہیں ۔ مگر وہ ان تینوں کا دراصل خادم ہے یا باورچی ہے ۔ اگر وہ ان تینوں اعضائے رئیسہ کو ٹھیک اور موزوں غذا نہ دے تو اس سے اچھا خون نہ بنے گا اور اس خراب خون سے خراب قسم کی تقویتیں حاصل ہوں گی اور ان خراب تقویتوں سے ان اعضائے رئیسہ کی قوتیں یا تو ناقص ہوں گی یا غلط راستہ پر گامزن ہوں گی ۔ یہ لوگ پھیپھڑوں کو بھی اہم مقام دیتے ہیں ۔

ایک مرتبہ فرمایا " دل دل جو یہ صاحب لوگ کہتے ہیں اس کا مطلب مرکز علم ہے ۔ دوسروں کے تجربے الگ ہیں ۔ میرا تجربہ اس سے سوا ہے ۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ پیشانی میں سامنے کی طرف مرکز علم ہے ۔ وہاں سے علم کا اثر دل پر پڑتا ہے تو اوپر کا خیال نہ کرکے دل کو مرکز علم مانتے ہیں ۔ اور ہم اوپر کے اصل مقام کو مرکز علم کہتے ہیں ۔ بہر حال دل بھی ضروری ہے اور دماغ بھی ضروری ہے ۔ دل کو ہم مرکز حرکت سمجھتے ہیں اور یہ دل علم کو اس کے مرکز سے لے کر سارے جسم میں پمپ کرتا ہے ۔

میں دل بولنے والوں کی تردید نہیں کررہا ہوں ۔ مرکز علم یعنی دماغ سے علم دل میں آیا اور وہاں سے پمپ ہوا ۔ ہم بولتے ہیں اول دماغ ہے بعد دل ہے ۔ اور دوسرے لوگ پہلے درجہ دماغ کو نظر انداز کرکے دل ہی کو مرکز سمجھتے ہیں ۔ خفی کا مقام پیشانی میں سامنے ہے جو مرکز علم ہے ۔ اور اخفیٰ (ام الدماغ) زیر قدم رسول پاک ہے ۔ کونسی چیز اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ سے آسکتی ہے ۔

فرمایا " نقشبندیوں کے پاس بے رنگی، تنزیہہ ۔ چشتیہ کے پاس محبت ۔ قادریوں کے پاس بے ارادتی ۔ ہمارے پاس سلوک نہیں بس دَور ہے (اور بجانبِ علو ہے ۔ للمؤلف)

ایک گردش ہے صورت پرکار ÷ اور ٹھکانہ نظر نہیں آتا (حضرت صدیقی)

فرمایا " ہمارے پاس ارتقاء ہی ارتقاء ہے ۔

فرمایا " جس میں خدا کی یاد پیدا ہو وہ کام کی بات خواہ وہ نام ہو یا جسم، کام ہو یا تصور اس کی یاد کے لئے وسیلہ لینا بھی عبادت ہے ۔

فرمایا " جو چیز اللہ کی یاد سے پھیر دے وہ باطل ہے ۔ تسبیح لے کر بیٹھے مگر اس سے یاد الٰہی نہ آئے تو تسبیح بھی لاحاصل !

فرمایا " اگر معیت اور یاد الٰہی ہو تو مجاز بھی نماز ہے ۔ اور اگر معیت اور یاد الٰہی نہیں تو نماز بھی مجاز ہے "۔

فرمایا " یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ پہلے ذاتِ الٰہی ہے ۔ پھر اس کے اسماء وصفات کا مرتبہ ہے ۔ جو صفات اور اسماء، مخلوقات پر اثر کرتے ہیں ان کو افعال کہتے ہیں ۔ اسماء و افعالِ الٰہی سے جو چیزیں رونما ہوتی ہیں انھیں آثار کہا جاتا ہے ۔

ہم سب آثارِ اسماء و صفاتِ الہیہ ہیں۔ پہلے تو انسان افعالِ مخلوقات کو بے اصل سمجھتا ہے اس حالت کو فنائے افعال کہتے ہیں۔ یعنی فنائے افعال والا کسی کے ہاتھ میں کچھ نہیں سمجھتا۔ لوگوں کے کام اس کی آنکھوں سے گرجاتے ہیں۔ پھر مخلوقات کے صفات بھی بے بود و بے نمود معلوم ہوتے ہیں۔ پھر وہ لوگوں سے منہ موڑتا ہے اور خدا سے اپنی نسبت جوڑتا ہے۔ رات دن یادِ خدا میں رہتا ہے۔ اور سب کو بھول جاتا ہے۔ اور آخر میں خود کو بھی بھول جاتا ہے۔ اور یہ بھی بھول جاتا ہے کہ میں خدا کو یاد کر رہا ہوں۔ پھر فنائیت کی ایک بجلی گرتی ہے اور اس کا قصہ تمام کردیتی ہے۔ ابتداء فنائیت میں نہ اس کو ہوش رہتا ہے نہ بےہوشی، جس طرح نیند کا متوالا سمجھتا ہے میرے حواس خراب ہورہے ہیں اور اب میں چلا۔ پھر رحمتِ رحمانی سے بےہوش ہوش میں لایا جاتا ہے اور جو کچھ کھوگیا تھا پھر مل جاتا ہے۔ عامۃ الناس میں اور اس میں صرف اتنا فرق رہ جاتا ہے کہ اس کو دوام حضور حق رہتا ہے۔ وہ سب کا حق ادا کرتا ہے مگر ہستی حق کا شعور تحت الشعور ہوجاتا ہے۔ بلکہ عین شعور بن جاتا ہے۔

فرمایا۔ بچے شروع شروع سیکل پر بیٹھتے ہیں تو بیالنس سنبھالنا ان کو دشوار ہوجاتا ہے مگر جب بیالنس سنبھل جاتا ہے تو پھر ادھر ادھر دیکھتے اور ہنستے بولنے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب خدائے تعالیٰ کی نسبت دائمی اور قوی ہوجاتی ہے تو دنیا کے سبھی کام کرتے ہیں مگر ایک آن کے لئے خدا سے غفلت ان کے پاس نہیں پھٹکتی۔ یاد رکھو تمہارا خیال جاتا ہے تو ذوالجلال آتا ہے کیونکہ خلو محال ہے۔ جتنا خالی ہوتے جاؤ گے اتنا ہی بھرتے جاؤ گے۔

دیکھو، حقہ پینے والے یا سگریٹ والے سانس کھینچ کر خلو پیدا کرتے ہیں۔ چلم کا گڑا کو یا سگریٹ کا تمباکو جل کر دھواں بن کر منہ میں کھنچ جاتا ہے اس لئے تم بھی یادِ خدا کرو اور اسی میں شاد رہو، بلکہ برباد رہو، آباد رہو۔ اللہ بس باقی ہوس۔

فرمایا۔ ذکر الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب پہلے زبان چلے گی۔ زبان کے ساتھ دل بھی۔ پھر زبان نہ بھی چلے تو دل چلتا ہے۔ دل کے ذکر میں بھی الفاظ رہتے ہیں اس کو کلام نفسی کہتے ہیں

لا الٰہ کہہ کر الا اللّٰہ کی ضرب دے کر دل سے خطرات ہٹائے

فنائے افعال کے لئے۔ کوئی کھانا دے تو لا مطعم الا اللّٰہ

کوئی کچھ دے تو لا معطی الا اللّٰہ

فنائے صفات کیلئے۔ کوئی خوبصورت نظر آئے تو لا جمیل الا اللّٰہ

کوئی رحم کرے تو لا رحیم الا اللّٰہ

یہ سب توکل میں آجاتے ہیں۔ پھر فنائے ذات کے مراتب شروع ہوتے ہیں۔

۱۔ میں اللّٰہ کو یاد کر رہا ہوں ذاکر۔ ذکر۔ مذکور

۲۔ بس اللّٰہ اللّٰہ یعنی ذاکر نہ رہا صرف ذکر و مذکور ہے

۳۔ پھر بس صرف یاد ہے یعنی ذکر بھی نہ رہا۔ صرف مذکور رہا

۴۔ پھر بس ایک ذات رہ گئی

۵۔ فنا ۶ بقا ۷۔ دوام حضور ۸۔ کمالِ حضور

عبداللہ

فرمایا - اگر خدا کی طرف توجہ کریں تو عالم کا خیال تحت الشعور ہوجاتا ہے اگر عالم کی طرف توجہ کریں تو خدا کا خیال تحت الشعور ہوجاتا ہے -

فرمایا - یوں سمجھنا چاہیئے کہ ذکر، توبہ کے ساتھ ہی آجاتا ہے - گویا فکر اور سلوک ساتھ ساتھ چلتا ہے - یا یہ کہ یہ تمام چیزیں بہ یک وقت ساتھ ساتھ چلتی ہیں -

فرمایا - اللہ سے مل گئے، کیا بات ؟ ہم اللہ سے جدا ہی کب تھے ؟ اللہ سے ملنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ غیر کا جو خیال آرہا تھا دفع کر رہے ہیں "-

فرمایا - ذاکر اپنے ذکر کی طرف التفات کرنے کو بھی غفلت سمجھتا ہے کیونکہ وہ بھی ماسویٰ اللہ میں شریک ہے "-

فرمایا - لاآلہ الا اللہ کا ذکر توجہ پوری طرح قائم ہونے تک کریں - جب اطمینان ہوجائے تو غیر کو لائیں کیوں اور نکالیں کیوں - بس اللہ اللہ کا ذکر ہے - پھر یہ بھی باقی نہیں رہتا -

فرمایا - یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر کھٹکے (یعنی سلیبل) ہر آدمی کا ایک جدا ہی التفات ہوتا ہے لا الہ الا اللہ میں تو بہت سے کھٹکے ہیں اللہ میں دو کھٹکے ہیں ایک ال ایک لاہ - ھو میں ایک ہی کھٹکا ہے - زیادہ کھٹکوں سے زیادہ التفات پیدا ہوتے ہیں - اور ایک ہی کھٹکے پر انتشار نہیں ہوتا - ذاکرین توحید پیدا کرنے کے لئے ایک کھٹکا لے کر اس کو دراز کرتے ہیں - آواز کو اور خیال کو ذاتِ واحد پر منطبق کرتے ہیں "- (زبان سے کہنے کی بھی حاجت نہیں دل سے ھو کو بہت لمبا کرسکتے ہیں مشق اور عادت سے خیال کو ایک نقطہ پر جمنے کی عادت ہوتی ہے - غیرِ خدا کی جانب توجہ ہی بری بلا ہے)

فرمایا - ذکر خفی سے اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے - فنائیت اور محویت آتی ہے - ذکرِ جہر کرنے والوں کو قوالی میں مزہ ملتا ہے - ذکر خفی والوں کو تفکر اور استغراق اور قرآن میں لطف آتا ہے -

فرمایا - سلطان الاذکار سے نقشبندیہ لوگ اپنے ہر بُنِ مُو سے ذکر کرتے ہیں - جھَن جھَن (سی کیفیت سارے جسم میں محسوس ہوتی ہے) ہر عضو کو متحرک کرتے ہیں مگر ہمارے پاس جینا نہیں ہے مرنا ہے کن کالمیت فی ید الغسال -

حضرت اللہ اللہ کا ضرب اپنے احساسِ وجود پر لگانے کو کہتے ہیں جو ہے سو ہے نہیں ہے سو نہیں - بس اللہ ہے -

فرمایا - ذکر و فکر کے متذکرہ اقسام پر عمل اور مداومت کرنا ضروری ہے -

فرمایا - تصوف اللہ کا خیال پیدا کرتا ہے - مگر وہ خیال قائم ہوتا ہے عمل سے "-

فرمایا - علم صحیح ایک لذت ہے - توجہ اور قوتِ ارادی والے موت کے بعد بیکار ہوجاتے ہیں - اور تموج والے بعد وصال بھی اثر رکھتے ہیں - یہ میرا تجربہ ہے - ہمارے پاس توجہ بھی ہے مگر بعض وقت ضرورت پر - کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ ثابت ہے گو زیادہ تموج ہی ہے -

ایک مرتبہ فرمایا - میں دو کام کرتا ہوں - زکواتیں دلواتا ہوں (اسمائے باری تعالیٰ کی) (یعنی کسی اسم کو ایک لاکھ یا سوا لاکھ مرتبہ پڑھنا اس کی مقررہ توجہ کے ساتھ) اور سمجھ دار لوگوں کو باقاعدہ پڑھاتا ہوں "- (تصوف کی کتابیں، تفسیر، حدیث اور فقہ)

فرمایا - خدا دو طرح ہمارا ذکر کرتا ہے - پہلے ہم کو چاہا تو ہم پیدا ہوئے اور پھر پیدا ہونے کے بعد ملاحظہ فرمایا - تو اس طرح حق تعالیٰ

بیٹھا ہوا کیا جاتا ہے ۔ اگر کھڑے یا لیٹے ہوئے ہو تو پیر کے انگوٹھوں سے لا الہ کو کھینچو اور ام الدماغ تک پہنچاؤ الا اللہ کو پھر پیسر کے انگوٹھے تک پہنچاؤ ۔ اس ذکر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بجلی ہے کہ کوند رہی ہے ۔

ذکرِ حدّادی :۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملالو (اس طور پر جس طرح گھن پکڑتے ہیں) اور گھٹنوں پر کھڑے ہوکر لا الہ کہتے ہوئے ہاتھوں کو بائیں طرف سے گھماتے ہوئے سر کے اطراف پھرا کر الا اللہ کا ضرب سامنے کی طرف مارو ۔ حضرت عبداللہ حداد لوہاری کا کام کرتے تھے اس لئے اس ذکر کو حدادی کہتے ہیں ۔ اس کی نقل میں بھی برکت ہے ۔

ذکر مشی الاقدام :۔ اگر آہستہ آہستہ چلتے ہو تو ہر قدم پر اللہ اللہ دل میں بولو ۔ یا ایک قدم پر لا الہ اور ایک قدم پر الا اللہ کو ۔ اور اگر تیــز چل رہے ہو تو ایک قدم پر لا دوسرے قدم پر الہ ، تیسرے قدم پر الّل اور چوتھے قدم پر لاھ بولو ۔

بطور راتب بارہ تسبیح :۔ قادریہ طریقہ میں بعض حضرات لا الہ الا اللّٰہ دو سو (۲۰۰) بار اللّٰہ اللّٰہ چھ سو (۶۰۰) بار اور یا حیی یا قیوم چار سو (۴۰۰) بار پڑھتے ہیں یہ ذکر بالجہر کرتے ہیں بعض خفی طور سے ۔ اس طریقہ میں لا الہ الا اللّٰہ سے اپنے ارادے اور خطرات کو دفع کرتے ہیں ۔ واضح ہو کہ جرم کی تحقیق ارادہ تک ہوتی ہے ۔ اگر بالارادہ جرم ہوا ہے تو سزا ہوتی ہے ۔ اسی واسطے قادریہ طریقہ میں سب سے اہم ارادہ کا توڑنا ہے ۔ بےارادہ جینا قادریوں کا کام ہے ارادہ سے ذمہ داری آتی ہے ۔ بے ارادہ پر ذمہ داری نہیں آتی لا الہ الا اللّٰہ کا ذکر اس شخص کے لئے مناسب ہے جس کو خطرات آتے ہیں ۔ جس کو خطرات نہیں آتے اس کو اللہ اللہ کا ذکر کرنا چاہئیے ۔ خواہ مخواہ غیر کو لاکر نکالنے کی کیا ضرورت ہے ۔

اللہ اللہ کا ذکر ہر وقت لازم ہے ۔ خواہ ذکر جہری ہو یا جلی یا خفی ۔ ذکر کیا ہے ؟ نہ بھولنے کا نام ہے ۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے خدا کی یاد کی دھن لگی رہنی چاہئیے ۔ اس سے دوام حضور پیدا ہوتا ہے ۔ ذاکر اپنا کام کرتا ہے ۔ اور دوسروں کو اس کا علم نہیں ہوتا ۔ یہ ذکر ریا سے بچاتا ہے ۔

وقت کو تم ضائع نہ کرو ۔ وقت بہت لاقیمت ہے ۔ اذکار کی بہت سی قسمیں ہیں ۔ کوئی ایک ذکر بھی جم جائے تو غنیمت ہے ۔ تفصیلات کے لئے دیکھو حضرت سید غوث گوالیاری کی " جواہرِ خمسہ " حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی کشکول کلیمی ، اور حضرت سیدی عبدالقادر جیلانی کی " فیوضاتِ قادریہ " اور حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کی " ثمراتِ مکیہ " ۔

طریقہ قادریہ میں بعض اسماء کی زکوٰۃ دلواتے ہیں ۔ زکوٰۃ کیا ہے ؟ لاکھ یا سوا لاکھ دفعہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا پڑھنا ۔ قرآن شریف میں کثرت بتائی گئی ماٸـة الف اویزیدون سے یعنی لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ ۔ ہر اسم الٰہی کے ساتھ ایک توجہ شریف رہتی ہے وہ ایک دعا ہے جو سو (۱۰۰) یا پانچسو (۵۰۰) کے بعد پڑھی جاتی ہے توجہات شریف ، کشکول کلیمی ، اور فیوضات ربانیہ ، میں ملتی ہیں ۔

طریقہ قادریہ میں ان اسماء کی بھی زکوٰۃ دلواتے ہیں لا الہ الا اللّٰہ ۔ اللّٰہ اللّٰہ ۔ یـا حی ۔ یـا واحد ۔ یاعزیز ۔ یا وھاب ۔ یاودود ۔

بعض حضرات چند اور اسماء کی بھی زکوٰۃ دلواتے ہیں یا ذالجـلال والاکرام یا حی یا قیـوم ۔ یـآارحم الرحـمین ۔ الـلھـم رب النبی محمد ۔

بعض حضرات اللہ میں ھو کو خوب کھینچتے ہیں ۔ جہاں دوسرا خیال آیا ۔ جہاں سانس ختم ہوگیا پھر شروع کیا یہ ذکر توحید کو پیدا کرتا ہے ۔

بعض لوگ صرف ھو ھو کا ذکر کرتے ہیں اور بعض ھا، ھو ، ھی کا ذکر کرتے ہیں جو خلاصہ ہے ۔ لآ الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ۔

شیخ اکبرؒ کے پاس سیدھی طرف یارب بائیں طرف یارب آگے بھی یارب پھر دوسری دفعہ اسی طرح سیدھی طرف یاربی بائیں طرف یاربی اور سامنے بھی یاربی۔

بعض لوگ اس طرح ذکر کرتے ہیں ایک دفعہ قال اللہ کہہ کر انی انا اللہ لا الہ الا انا کے نعرے مارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ صدا خدائی ہے ۔

بغداد شریف کے بعض شیوخ ہر نماز کے بعد کلمہ طیبہ (۱۶۵) بار پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں ۔

ان تمام اذکار سے انوار پیدا ہوتے ہیں ۔ بہر حال اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے اور اسی لئے اتنا ذکر کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ سمجھیں ۔ اذکر اللہ حتی یقولوا مجنون شیخ کی اجازت سے کوئی ذکر کرو تو اس کا اثر ہی کچھ اور ہوتا ہے ۔

فرمایا " اللہ کے کسی نام کو بار بار پڑھنے سے اور بکثرت پڑھنے سے اسی اسم سے ایک نسبت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کی تجلی ذاکر کے دل میں ہونے لگتی ہے ۔

سلطان الاذکار ہر پیغمبر کے جدا اوصاف اور اعضائے رئیسہ میں سے ہر ایک کو ایک پیغمبر سے خاص ربط و تعلق ہے ۔ مشائخین کرام فیض کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ فیض اللہ تعالیٰ کے پاس سے سید الانبیاء محمد رسول اللہ قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو آرہا ہے پھر وہاں سے خاص پیغمبر کو اور وہاں سے ان کے شیخ کو ۔ اور طالب شیخ میں سے اپنے دل میں کھینچتا ہے ۔ اس سے اس لطیفہ میں ایک حرکت اور جذبہ محسوس ہوتا ہے ۔ ایک ایک لطیفہ ایک ایک آدمی میں ایک ایک پیغمبر میں خاص طور سے شدید و ممتاز رہتا ہے ۔ جب ہر ایک لطیفہ حرکت کرنے لگے تو ان سب کے مجموعہ سے مجموعاً فیض کھنچتا ہے ۔ اور اس وقت وہ تحت قدوم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوجاتا ہے اور سر سے پاؤں تک تمام جذبات کا مظہر و منبع بن جاتا ہے یہ اجمال بعد التفصیل ہے ۔ ایسے ذکر کو سلطان الاذکار کہتے ہیں ۔

اشغال فرمایا " اشغال کیا ہیں ؟ ایک دھن ہے ۔ دھن میں دھن اپنی دھن پرائی دھن کا پاپ نہ لگ ۔ اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے یہ دھن لگاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے وھو معکم اینما کنتم ۔ جدھر منہ کرو ادھر خدا ہی ہے اینما تولوا فثم وجہ اللہ ۔ اللہ ہمارے میں ہے ، اندر بھی وہی ہے ۔ باہر بھی وہی ہے وفی انفسکم افلا تبصرون ۔ اللہ شہ رگ سے بھی قریب ہے ۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ آنکھیں بند کرکے بیٹھ جاؤ ۔ اور غور کرو میں کہاں ہوں ، جب تک وجود کا نور پڑرہا تھا ۔ میں تھا اور نظر آرہا تھا ۔ اب صرف خدا ہے ۔ وہ بذاتہ موجود ہے ۔ میں ایک خیال تھا ۔ اب وہ خیال بھی کہاں رہا ۔ جو ہے سو ہے جو نہیں ہے سو نہیں ہے ۔

نہیں ہوں میں ، نہیں ہوں میں ، نہیں ہوں
خدا ہی ہے ، خدا ہے میں نہیں ہوں (حسرت صدیقی)

فرمایا۔ بعض حضرات ندی کے کنارے بیٹھتے ہیں۔ پانی کی مسلسل بہنے کی آواز آتی ہے جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس پر اپنے دل اور خیالات کو لگاتے ہیں۔ اس کو ذات حق پر منطبق کرتے ہیں اس سے ایک قسم کی محویت پیدا ہوتی ہے اور دلی پریشانی دفع ہوتی ہے۔ شیخ سعدی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند ÷ بہ آوازِ دولاب مستی کنند

فرمایا۔ دل اور خیال کا ایک نقطہ پر قائم رہنا توحید کو پیدا کرتا ہے۔ اور فنائیت لاتا ہے"۔

فرمایا۔ بعض حضرات اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ کانوں میں ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ جیسے پانی برس رہا ہے۔ اور روز بروز انگلیوں کو تھوڑا تھوڑا ہٹاتے ہیں اور اپنے خیال کو اسی آواز پر لگاتے ہیں۔ جب انگلیاں نکل بھی جائیں تو وہ آواز دائمی طور سے قائم رہتی ہے۔ اس آواز کو ذاتِ وحدہ لاشریک لہ پر منطبق کرتے ہیں اور جس طرح کھرچ کا سر قائم ہونے کے بعد دوسرے سروں کو نکالتے ہیں اسی طرح اس دائمی آواز کو "صوتِ سرمدی" کہتے ہیں۔ بولنے چالنے اور کام کرنے کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی پتھر پر زنجیر گھسیٹ رہا ہے۔ یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گھنٹی بجا رہا ہے۔ کسلسلۃ الجرس۔ اس کے بعد پیغمبر کو وحی آتی ہے۔ ان کے متبعین کو الہام ہوتا ہے۔ اس کے بعد رہا سہا ہوش وہ بھی فراموش ہوجاتا ہے۔ نہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے نہ کانوں سے سنائی دیتا ہے۔ ھو کا چٹیل میدان ہے۔ اس کو فنا کہتے ہیں۔ یہی حال اگر قائم رہ جاتا ہے تو مجذوب ہوجاتا ہے۔ پھر جب ہوش آجاتا ہے تو جو کچھ کھویا تھا دوبارہ پاتا ہے۔ اس کو بقا کہتے ہیں"۔

فرمایا۔ جس طرح سیکل کا بیالنس قائم ہوجاتا ہے اور سیکل چلانے کا حضور دائمی ہوجاتا ہے تو بچے بات بھی کرتے ہیں اور مڑکر بھی دیکھتے ہیں۔ تو کیا اب بیالنس کا خیال نہیں رہتا؟ ضرور رہتا ہے۔ مگر تحت الشعور ہوجاتا ہے۔ جب علم ذات ہوگیا تو اب غفلت کہاں؟ اور جہل کدھر؟ سبحان اللہ جس شخص کو دوام حضور ہے وہ سراپا سرور ہے"۔

فرمایا۔ ذکر و اشغال کا مقصد محبوب سے نسبت ہونا بلکہ محبت ہونا ہے اور یہ سب سے آخر میں آتی ہے۔ اور اپنا عجیب و غریب رنگ دکھاتی ہے۔ برسوں کا راستہ دنوں میں اور دنوں کا منٹوں میں طے کرتی ہے۔ آخر یہ محبت ہے کیا؟ ایک جذبہ ہے جو انسان کے دل میں مستولی ہوتا ہے۔ محبوب سے ملانا دو کو ایک کرنا اس کا کام ہے۔

در محفلِ یکتائی اغیار نمی گنجد ÷ اغیار چناں گنجد چوں یار نمی گنجد

پُرگشت دل و جانم از جلوہ جانانم ÷ در چشمِ من اے حسرت جز یار نمی گنجد (حسرت صدیقی)

فرمایا۔ محبت ایک ہستی ہے دشمن خود پرستی ہے۔ بےہوشی اس کے ہم دوش ہوتی ہے۔ عاشق ہمیشہ خاموش رہتا ہے۔ محبوب کی باتوں کیلئے سراپا گوش ہوتا ہے۔ نہ شرم نہ حیا نہ عزت نہ حرمت نہ اس کا کوئی دوست، محبت بڑھ جاتی ہے تو محب غریب بڑبڑاتا ہے۔ واہی تباہی بکتا ہے۔ سب کچھ اس پر سے گزر جاتا ہے اور ہمت نہیں ہارتا۔ آخر ہوتا کیا ہے؟ چاہ محبت میں پھاندتا ہے۔ محبت کا پانی کیا ہے؟ تیزاب ہے گل گلا کر پاش پاش ہوجاتا ہے۔ عقلمندوں کے پاس محبت ایک بلا ہے۔ اس سے جدا ہی رہنا بھلا ہے"۔

ادعیہ

فرمایا - اذکار اور چھوٹے چھوٹے اوراد سے حضور پیدا ہوتا ہے - حسب الاعظم - میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ادعیہ ہیں - صحیفہ کاملہ - میں حضرت امام علی زین العابدین کے ادعیہ ہیں - فیوضات ربانیہ - حضرت غوث الاعظم سیدی عبدالقادر جیلانیؒ کے ادعیہ ہیں - الانوارالقدسیہ - میں حضرت ابوالحسن شاذلی کے اوراد ہیں - بعض لوگ حضرت مولیٰ علی مرتضیٰؓ کی طرف جوشنِ کبیر کو منسوب کرتے ہیں - حضرت سید غوث گوالیاریؒ کی - جواہر خمسہ - میں بھی بہت سے ادعیہ ہیں -

بہت سے ادعیہ دوسرے شیوخ طریقت کی طرف بھی منسوب ہیں - حزب البحر - حزب النصر ، حضرت ابوالحسن شاذلی کی مشہور دعائیں ہیں اور حضرت احمد عبدالحق رودولوی کی - دعائے حیدری - مشہور اور متعارف ہے - حصن حصین میں صبح سے شام تک ہر کام کے لئے ادعیہ مذکور ہیں - یہ ادعیہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم کے ہیں - مگر عام طور سے لوگ ہر دعا کو اس کے وقت پر پڑھنے کے عوض پوری - حصن حصین - کو سات روز پر تقسیم کرکے پڑھتے ہیں -

حضرت نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی دعاؤں کا انتخاب عنوانات کے تحت جمع فرمایا ہے جو غیر مطبوعہ ہے - اس کو کتاب کے آخر میں پیش کردیا گیا ہے -

فرمایا - درود شریف کے بھی بہت سے صیغے ہیں ان میں سے اکثر دلائل الخیرات میں مذکور ہیں مصر میں دو مجموعے اور چھپے ہیں - جن میں بہت سے شیوخ طریقت کے ادعیہ اور درود شریف ہیں -

درود شریف سے ٹھنڈی پر اطمینان کیفیت حاصل ہوتی ہے - کیسا ہی اختلاج ہو، ذکر سے بے چینی پیدا ہو صلوٰۃ و سلام سے رفع ہوجاتی ہے -

فرمایا - یاد رکھو ! جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی امداد نہ ہو اور ان پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیجا جائے کبھی اطمینان پیدا نہیں ہوتا - وابتغوا الیہ الوسیلۃ کا فردِ اعلیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں - کسی نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا - اگر میں تمام وقت صلوٰۃ و سلام میں گزاروں اور اپنا تمام وقت اسی میں صرف کروں تو حضرتؐ نے فرمایا - الان کفیت امرک - تمہارے کام کے لئے صلوٰۃ و سلام بالکل کافی ہے -

اولاد و احفاد

اولاد و احفاد صفحہ

مولوی محمد عبدالعزیز صدیقی ۲۱۷

تعلیم اور لیاقت ۔ شادی ۔ جامعیت ۔ وفات

مولوی محمد عبدالرحیم صدیقی (جانشینِ اوّل) ۲۱۹

لیاقت اور ملازمت ۔ نامور اساتذہ ۔ منکر المزاجی

من تو شدم تو من شدی ۔ اوصاف حمیدہ

وفات ۔ آل و اولاد

مولوی ابوتراب علی صدیقی (جانشینِ دوّم) ۲۲۵

شادی پھر ملازمت ۔ روایتِ حدیث ۔ خدمات

حسرت اکیڈیمی ۔ بزمِ حسرت صدیقی

مولوی ابوالقاسم محمد صدیقی (جانشینِ سوّم) ۲۲۸

ملازمت ۔ حضورؐ کی عنایت ۔ حج و زیارت

مولوی حسین شجاع الدین صدیقی (جانشینِ چہارم) ۲۳۰

مولوی حسن محی الدین صدیقی ۲۳۲

مولوی عبدالقادر معین الدین صدیقی ۲۳۴

ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی ۲۳۵

مولوی احمد عبدالشکور صدیقی ۲۳۷

مولوی غوث محی الدین صدیقی (جانشینِ پنجم) ۲۳۸

مولوی محمد انور الدین صدیقی (داماد) ۲۳۹

مولوی محمود عبدالصبور صدیقی (داماد) ۲۴۴

ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی (پوتے) ۲۴۷

حسین عطااللہ صدیقی (پوتے) ۲۵۰

محمد وقار الدین صدیقی (نواسے) ۲۵۲

حضرت محمد عبدالعزیز صدیقی فرزند اکبر بحرالعلومؒ

داماد حضرت خواجہ محبوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ